

مگر کے بر فرد کے لئے

میراجی

پاکینہ

جون 2012

مکمل ناول

معراج رشتہ

PDFBOOKSFREE.PK

میر احمد، ناہید سلطان اختر،

اقبال بانو، عالیہ حرا، عطیہ عمر

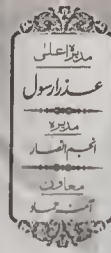
اور دیگر مصنفات کی خوب صورت تحریروں سے آراستہ



ایم ایم احمد

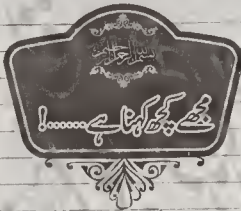
شعبہ تحریرات مختصر داستان 0333-2256789 0333-2168391
اشتمارات فراہم ہوا فراہم ہوا 0332-4214400 0323-2895528
ماڈل: ربیعہ..... میکاپ: روز بیوٹی ہارلر..... فوٹو گرافر: موسیٰ رضا
جلد 40 • شماره 03 • جون 2012 • 20 سالانہ 600 روپے • قیمت فی پرچاپ پاکستان 50 روپے •

پتا: پوسٹ بک نمبر 662 کراچی 74200 • ف: 35895313 (024) 35802551 • E-mail: jdggroup@hotmail.com
Courtesy www.pakbookstree.pk



- اداریہ**
مدیرہ 15
فرحانہ ناز ملک 131
- سلسلہ وار ناول**
مدیرہ احمد 18
نہامید سلطانہ اختر 146
- مکمل ناول**
ایڈیٹر ناول میمنہ خورشید 68
فیضیہ خانم 182
- ناولٹ**
تیرا بیان بجا بنائے اقبال بانو 105
موسمیوں کے تغیر شمیم فضل خالق 219
- افسانے**
عطیہ عمر 61
پاکیزہ بھینس 302
- مستقل عنوانات**
عظمیٰ آفاق سعید 291
انجم انصار 295
آمنہ حماد 299
- خصوصی مضامین**
شائستہ زریں 272
سلمیٰ غزل 282
انجم انصار 285
- ادارہ**
مدیرہ 15
فرحانہ ناز ملک 131

پبلشرز: عذرا رسول، مقام اشاعت: C-63 فیز II ایکس ٹینشن، بیننس کمپنل ایریا، مین گورنگی روڈ، کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی



ان دنوں پوری دنیا میں نو عمر بچوں کے مسائل اتنے زیادہ ہیں کہ اگر ہم ان کو گننا چاہیں بھی تو گن نہیں سکتے۔ اب ایسے ایسے مسئلے سر اٹھارہ ہیں جو نہ کبھی دیکھے تھے اور نہ ہی سنے تھے۔ تقریباً تمام والدین ہی یہ خواہش رکھتے ہیں کہ ان کے بچے نہ صرف ان کے نقش قدم پر چلیں بلکہ ان کے پسندیدہ اخلاقی اور سماجی اقدار کو بھی اپنائیں۔

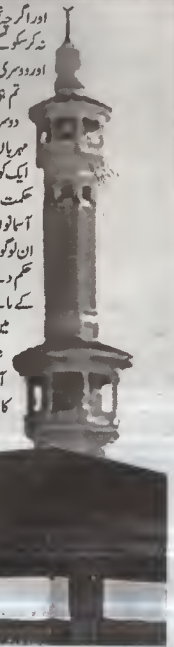
ماہر نفسیات کے مطابق پانچ سے دس برس کی عمر کے دوران بچے بڑے پر جوش ہوتے ہیں۔ اگر اس دوران انہیں اپنے والدین کی طرف سے کوئی رہنمائی نہ ملے تو وہ ایسی قدروں کو اپناتا سکتے ہیں جو ان کے والدین کے لیے قطعی قابل قبول نہ ہوں تو ایسے حالات میں بھی والدین کو چاہیے کہ بچوں کے ساتھ سختی نہ کریں بلکہ پیار سے سمجھائیں..... تیرا سے اٹھارہ برس کی عمر بہت بچان خیر قرار دی گئی ہے جس میں بچوں کی خصوصی نگہداشت کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے جس میں اپنا آپ بالکل درست اور سامنے والا بالکل غلط دکھائی دیتا ہے۔

بے شمار والدین اپنے بچوں کو یہ طعنہ دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ تمہاری عمر میں ہم تو یہ کرتے تھے اور وہ کرتے تھے۔ ایسے جملے بچوں کے ذہن میں عموماً منفی رد عمل کو جنم دیتے ہیں۔ یاد رکھیں محض طعنہ دینے سے مسائل حل نہیں ہوا کرتے۔ اپنے بچوں کے سوالات تحمل سے سنیں اور ان سوالات کے تسلی بخش جوابات دینے کی کوشش کیجیے۔

وہ بچے بے حد خوش قسمت ہوتے ہیں جنہیں اپنے والدین کی توجہ اور پیار ملتا ہے۔ آپ خواہ کتنے ہی مصروف کیوں نہ ہوں اپنے بچوں کو وقت دیں..... ان کی باتیں سنیں، انہیں پیار کریں۔ ان کی تعریف کریں اور آنے جانے والوں کے سامنے ان کی خوبیاں گنوائیں..... انہیں یہ احساس دلائیں کہ وہ آپ کے لیے کتنے اہم ہیں۔ اور آج مجھے آپ سے صرف یہی کہنا ہے کہ اپنے بچوں کو قدرت کا حسین تحفہ سمجھتے ہوئے انہیں خوب سنبھال کر رکھیں۔ اور ان کی تربیت میں عقل، سمجھ، محبت اور شائستگی کا عنصر شامل رکھیں۔ باقی اللہ ہر چیز کا مالک ہے۔ (بے شک)

مدیرہ
انجم انصار

اور اگرچہ تم بہت چاہو (مکرمی) بیبیوں (سے برتاؤ) میں ہرگز برابری نہ کر سکو گے پس (ایہا تو) نہ (کہہ کر ایک ہی کی طرف) بہت حق مائل ہو جاؤ اور دوسری (بی بی) کو مستقل چھوڑ دو (کہ نہ کسی اور سے نکاح کر سکتی ہے اور نہ تم ہی اس کی طرف بلانتے ہو تے ہو) اور اگر تم صلح رکھو اور (ایک دوسرے کے رنج دہیتے سے) بچے رہو تو اللہ بے شک بخشنے والا مہربان ہے (۱۲۹) اور اگر دونوں جدا ہو جائیں گے (تو) اللہ ہر ایک کو اپنی وسعت سے بے نیاز کر دے گا اور اللہ وسعت والا صاحب حکمت ہے (۱۳۰) اور (کیا تم نہیں جانتے کہ) اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک ہم نے حکم دیا تھا ان لوگوں کو جنہیں تم سے پہلے کتاب (الہی) دی تھی اور تم کو (بھی یہی حکم دیتے ہیں) کہ اللہ (کی نافرمانی) سے بچے رہو اور اگر تم (اس حکم کے ماننے سے) انکار کر دے تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بڑا بے نیاز (اور) تعریف والا ہے (۱۳۱) اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ (سب کا) رازا نہیں ہے (۱۳۲) اور (اے لوگو! کہ وہ چاہے تو تم سب کو) (ابھی قہر عدم میں) لے جائے (کے ڈال دے) اور (بہ عرصہ تمہارے) (دوسروں کو) (صفر ہستی میں) آئے اور اللہ اس پر قادر ہے (۱۳۳) جو کوئی (صرف) دنیا (میں اپنے اعمال) کا ثواب چاہتا ہے تو (اے کیا معلوم نہیں کہ) اللہ کے پاس دنیا و آخرت دونوں کا ثواب ہے (پھر اس نے دنیا کے ثواب پر کیوں اکتفا کی) اور اللہ سزا (اور) دیکھتا ہے (۱۳۴) (سورہ نسا آیت نمبر ۲۹ تا ۱۳۴)



آنحضرت ﷺ کے اسلمے گرامی سپنا عمر

محمد ﷺ (تشریف کے قابل اسرا ہے گئے)

1- حضرت عائشہ مدینہ فرماتی ہیں کہ کوئی فردی پاک ﷺ سے خلق خلق میں برابر نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ اخلاقِ عمدہ کے قابل تھے۔

2- حضرت سعد بن ہشام فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے بتائیں کہ حضور ﷺ کے اخلاق کیسے تھے؟ انہوں نے فرمایا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا: پڑھتا ہوں۔ فرمایا: کان غلاف القرآن (آپ ﷺ کے اخلاق قرآن ہیں) یعنی جو اخلاق قرآن میں مذکور ہیں وہ سب حضور ﷺ میں موجود تھے۔ (مسلم)

(اور ای طرح قرآن کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس قرآن کے عجائبات (علوم و معارف) بھی ختم ہوئے والے نہیں اور یہ بار بار کی تکرار سے بھی پرانا نہیں ہوگا کساں دل اسکا جائے)

3- ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش کے

ساتویں دن جب حضرت عبدالمطلب نے قریش کی

دعوت کی تو لوگوں نے تو نہال کا نام پوچھا۔ آپ نے

جواب دیا۔ میں نے اسے اپنے بیٹے کا نام محمد رکھا

ہے۔ یہ نام سن کر لوگوں کو تعجب ہوا اور

عبدالمطلب سے دریافت کیا کہ آپ نے اپنے خاندان

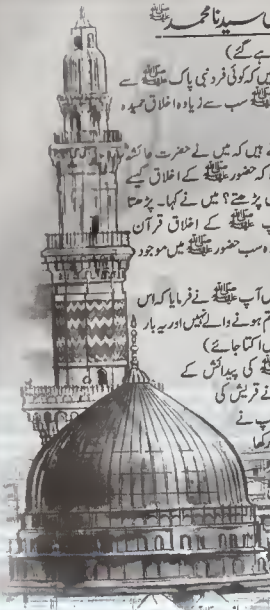
کی روایت اور وحی کو چھوڑ کر یہ نام کیوں

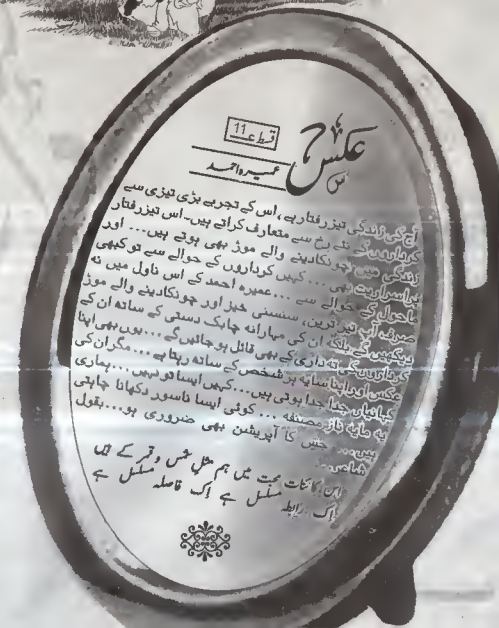
رکھا تو آپ نے جواب دیا۔

”میری آرزو ہے کہ میرے بیٹے کی

ساری دنیا میں تعریف کی جائے۔“

قصیرہ حیات کی کتاب انوارِ اسما لہی ﷺ سے اقتباس





قسط 11

عکس

میرا دھند

آج کی زندگی تیز رفتار ہے، اس کے تجربے بڑی تیزی سے
 کرنا ہوتے ہیں۔ اس تیز رفتاری سے متعارف کراتے ہیں۔ اس تیز رفتاری
 زندگی میں چونکدینے والے موڑ بھی ہوتے ہیں۔ اور
 پر اسراریت بھی۔۔۔ کہیں کوئٹہ کے حوالے سے تو کہیں
 بلوچستان کے حوالے سے۔۔۔ عمرہ احمد کے اس ناول میں نہ
 صوفیہ کی تیز ترین، سنسنی خیز اور چونکدینے والے موڑ
 دیکھیں۔ بلکہ ان کی مہارت چابک دستی کے ساتھ ان کے
 کرداروں کی تیز رفتاری کے بھی قابل پوچھناں کے ساتھ ان کی
 مکالمات اور اپنا سنا پڑ شخص کے ساتھ رہنا ہے۔۔۔ مگر ان کی
 کیا باتیں چلا رہی ہیں۔۔۔ کہیں ایسا تو نہیں۔۔۔ ہماری
 ہم زبان کاڑھ صنفیہ۔۔۔ کوئی ایسا ناسور دکھانا چاہتی
 ہے۔۔۔ جس کا آپریشن بھی ضروری ہو۔۔۔ بلکہ

ایں نکات میں ہم مل مش وقر کے ہیں
 ایک رابطہ سلسل ہے اگر قلمہ سلسل ہے



[illegible][illegible]

20 ماہنامہ پاکیزہ۔ جون 2012ء

کوشش کرتے ہوئے مجھے کمرے کے لیے سر اٹھا کر آسان کو دیکھا جہاں سے ہلکی ہلکی یونڈا باندی ہو رہی تھی..... وہ برسات جواس کی آنکھوں سے نہیں برس پاری تھی وہ کہیں اور سے برسات شروع ہو گئی تھی میں نے ڈرامیور سے کچھ بات کرنے کی کوشش کی تھی جو اس کے لیے دروازہ کھولنے کے لیے باہر آیا تھا۔ خود کو سنبھالنے کے لیے وہ ہر چیز کا سہارا لے رہی تھی۔

پانی کی ہلکی سی پھار نے اس کے چہرے، بالوں اور لباس کو ڈراما سائیک اور برآمدے میں کھڑے اور اس کی بیوی کا استقبال کرتے ہوئے شیر دلنے سے ہانک اس لئے گردن موڑ کر اس کو دیکھا تھا۔ وہ سیاہ موتیوں سے انکیر اینڈ ڈاک فنگ وڈ لاسیا میٹھوں کا لباس پہنے ہوئے تھی جو اس کے متاسب جسم کو کچھ اور بھی متاسب کر رہا تھا۔ عام طور پر کھلے رے والے ہاتھ سیاہ بال اس وقت ایک سیاہ نیٹ میں ڈھیلے جوڑے کی شکل میں اس کی گردن کے پیچھے سنے اس کی پٹلی اور ہلکی گردن کو نمایاں کیے ہوئے تھے۔ وہ اس کے کندھے پر اسٹول کی شکل میں بیٹھ رہا تھا۔ وہ چائے دہا میں ہاتھ میں ایک بہت چھوٹا اور خوب صورت سیاہ پرس پکڑے ہوئے تھی۔ شیر دل نے اس سے نظریں ہٹائیں۔ مشکل کام تھا یہ اور اس نے مشکل سے ہی کیا تھا۔ وہ بیشتر اور ان کی ٹیلی کے ساتھ آئی تھی۔ کھڑے اور ان کی بیوی کا ڈیڑے سے ان کے اندر جانے کے بجائے چند منٹوں کے لیے وہیں برآمدے میں رک گئے تھے۔ کھڑے اور ان کا استقبال کرنے کے بعد شیر دل برآمدے سے نکل کر اس کی گاڑی کی طرف بڑھ آیا تھا۔ کس کی طرف جاتے ہوئے غیر محسوس انداز میں اس نے اپنی جیب میں پرائوٹیکسٹو ٹیوٹا لٹھا۔ اس کی یہ بے اختیار بیٹی شہر بانو نے فوس کی کچی جس کے برابر سے وہ یک دم ہٹا تھا۔ اس نے کھڑکی کی گاڑی کے پورچ سے ہٹ جانے اور کس کی گاڑی کے آگے آنے کا بھی انتظار نہیں کیا تھا۔ وہ یہیں دیکھ پائی تھی کہ کس کے گاڑی سے نکل آئے پر وہ اس کا استقبال کرنے چلا گیا تھا۔ وہ دور دور جاتے شیر دل سے نظریں ہٹانا چاہتی تھی لیکن وہ ہٹا نہیں پائی تھی۔ کھڑکی کی بیوی سے بات کرتے ہوئے بھی وہ عجیب بے چٹن انداز میں شیر دل کو بلے لے ڈیڑے دور بھرتے ہوئے اس گاڑی کی طرف بڑھتے دیکھتی رہی تھی جہاں اس کی طرف پشت کیے ڈرامیور سے بات کرتے ہوئے کس مراد علی کو اس نے ایک عجیب سے اضطراب کا ساتھ دیکھا تھا۔

ڈرامیور سے بات کرتے ہوئے کس جیب میں ہلکی شیر دل اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ فوس بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھ کر کمرے لے گئے۔ اس نے سفر چرائی۔ خود کو سنبھالا۔ پھر اسے دیکھا۔ وہ بہت بار ایک دوسرے کے اتنے ہی قریب آ کر کھڑے ہو چکے تھے۔ بہت بار ایک دوسرے کے بالمقابل اتنے ہی فاصلے پر کھڑے ایک دوسرے کی آنکھوں میں یونٹی نہ جھانکتے بھی رہے تھے۔ اور کس مراد علی نے بھی ان آنکھوں میں پہچان کی کوئی جھلک نہیں دیکھی تھی۔ نہ چڑیا کے لیے۔ نہ اس سترہ سالہ کس مراد علی کے لیے جو ایک اثر کا ٹھیکٹ کے مقابلے میں ایک شیر دل کا نام میں کر بد گئی تھی۔ جس نے اپنے کیریئر کے بدترین تقریری مقابلے میں اسٹاچ پروڈنٹزم کے پیچھے کھڑے ایک ایک لہجہ اس خوف میں گزارا تھا کہ وہ ابھی..... ابھی چڑیا کو پہچان لے گا۔ اور وہ یہ کیوں نہ سوچتی کہ وہ اسے پہچان لے گا۔ چڑیا کی زندگی کے آٹھ سال کا ایک شیر دل کے بارے میں سوچ کر رہے تھے۔ آٹھ سال کا گزر جانے کے بعد بھی ان کو ان کی اس سے ایک کا طبع وہ چھتا وہ ڈیٹیکٹو میں اس کے طبع کی ویشل بتا دیتی۔ اس کے مین ٹیسٹ سے لے کر اس کے زیر استعمال اسٹیکرز اور اسپورس وائر کے

لہجہ اور رائیڈنگ ایکسے جاتے۔ وہ ایک کے ساتھ گزارے ہوئے ان چند منٹوں کو اپنے ذہن کی ڈرامیور کی طرح چڑھ کر دیکھتی تھی..... ایک ایک ایک ایک..... ایک ایک بات..... پھر اگر وہ یہ سوچ رہی تھی کہ وہ بھی ایک ایک طرح یاد ہو گئی تو یہ زیادہ بڑی خوش فہمی نہیں تھی۔ آٹھ سال کا متبادل عرصہ نہیں ہوتا کہ ایک اس کے ہارے کے نقوش میں کوئی یاد کھونچ نہیں پاتا..... لیکن ایک شیر دل اسے نہیں پہچانتا تھا۔ وہ نام سے اسے نہیں پہچان سکتا تھا کیونکہ خیر دین اسے چڑیا کہتا تھا پھر فاطمہ..... اس کے نام کا دوسرا حصہ جس سے وہ چڑیا کے بعد جانی اور پہچانی جاتی تھی..... کس کے نام سے وہ اسکول کے علاوہ اور کہیں نہیں پکاری جاتی تھی۔ نہ کمر میں نہ خاندان میں..... فاطمہ اس کے نام کا وہ حصہ تھا جس کا اضافہ اس کی پیدائش کے بعد اس کے خاندان کے افراد نے کس نام سے اسے پکارنے میں وقت کے بعد کیا تھا۔ خیر دین نے اس کا نام بڑے شوق سے رکھا تھا کہ ان چند منٹوں میں ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا نام کس کے خاندان اور گاؤں والے بھی بھی صحیح تلفظ سے ادا نہیں کر سکتے تھے۔ خیر دین نے چڑیا کا نام نہیں بدلا صرف اس میں فاطمہ کا اضافہ کر دیا لیکن وہ اسکول، کالج میں کس مراد علی کے طور پر ہی جانی جاتی رہی۔ ایک بھی خیر دین کی طرح اس کے کس یا فاطمہ کے بجائے چڑیا ہی کہتا رہا تھا۔ چڑیا کو پھر بھی خوش فہمی تھی وہ کس کا تلفظ سننے ہی چڑیا تک پہنچ جائے گا۔ وہ اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہی اسے پہچاننے لے گا۔ یہ پہچان چڑیا کو بھی خوف زدہ نہ کرتی اگر اس رات اس نے ایک کو وہاں رینگنے کے پاس فٹ سے چلائے نہ دیکھ لیا ہوتا۔ خوف اور دہشت کے عالم میں بھی ایک کے سامنے بے لباہی کا احساس چڑیا کو گاڑ دینے کے لیے کیا تھا۔ اس کی چیخوں نے چڑیا کی جان بھائی تھی کہ ان آٹھ سالوں میں بہت بار چڑیا اس کا نظر سے نام نہ رہی جو اس نے ایک کو خود پر ڈالے دیکھی تھی..... وہ جس حالت میں ایک کے سامنے آئی تھی وہ اس حالت میں بھی اس کے سامنے آنا نہیں چاہتی تھی..... اور اسے جیسے خوف بھی نہیں تھا کہ وہ اسے پہچانے گا تو اس بے لباہی کے حوالے سے اس ایک رات کے حوالے سے پہچانے گا..... ان چند سائبر منٹوں میں اگلے گزارے ہوئے یادگار وقت کے حوالے سے نہیں.....

اس تقریری مقابلے کے بعد بھی اسے یقین تھا ایک کو اگر فوری طور پر وہ یاد نہیں آکر وہ بھی تو گھر جا کر یاد آجاتی..... چند دنوں کے بعد یاد آجاتی..... اور یہ نہیں تو کم از کم چڑیا کا پھر وہ اس کی نظروں میں بھی اٹک جاتا۔ اس کی یہ خوش فہمی اکیڈمی میں دور ہو گئی تھی۔ کس مراد علی کے حوالے سے..... ایک شیر دل کی کسی قسم کی کوئی یادداشت نہیں تھی..... اسے شروع میں یقین نہیں آیا کہ وہ کتنی ہی یاد نہیں تھی۔ کہ وہ اسے انکو رکنی رہی صرف اسی ایک حد سے کہ ختم کر وہ اب اسے ضرور پہچان لے گا..... اگر چڑیا کا چہرہ نہ پہچان سکا تو کم از کم سات آٹھ سال پہلے ہونے والے اس تقریری مقابلے کی تو کوئی میموری ہوگی اس کے پاس.....

اور جب کس مراد علی کو آخر یہ یقین آیا کہ ایک شیر دل کو اس کے حوالے سے..... ”مجھے..... یاد نہیں تھا تو وہاں کر رہی تھی..... شاخ کی ایک عجیب سی کیفیت تھی جس سے وہ دور جا رہی تھی۔ ایک شیر دل کر رہا یادداشت کا مالک نہیں تھا کم از کم کس کو اس حوالے سے کوئی ابہام نہیں تھا اس کے باوجود اس کا یاد نہ رہنا صرف ایک چیز کا اظہار تھا..... چڑیا ایک کے لیے نام نہیں تھی..... وہ اس کے لیے وہ اہمیت نہیں رکھتی تھی جو ایک اس کے لیے رکھتا تھا..... اور کیوں اہمیت رکھتی آخروہ ایلیٹ کلاس سے تعلق رکھنے والے ایک کم عمر بچے کے لیے جس کے

تھی۔

وہ اب باقی لوگوں کے قریب پہنچ چکے تھے۔ شیر دل اسے جواباً کہہ نہیں سکتا تھا۔ کشتہ بازی کی باتیں کرتے ہوئے شہر بانو کس کے استقبال کے لیے کچھ آگے بڑھ آئی تھی۔ دونوں نے بیک وقت ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

”شہر بانو! عکس مراد علی“ چند لمحوں میں شیر دل نے باری باری دونوں کو ایک دوسرے سے متعارف کروایا۔ دونوں ناموں کے ساتھ کوئی سیاق و سباق نہیں تھا مگر یہی دونوں ایک دوسرے کو اس سے کہیں زیادہ جانتی تھیں۔ شہر بانو نے ان کا تعارف کروایا تھا۔ سفید شیخوں کے گلیڈز والے گرتے اور چوڑی دار پاچے میں شہر بانو ایک باری ڈولنگ رہی تھی۔ عکس اس کے لیے کوئی اور تشریح نہیں دے سکتا تھا۔ وہ آج بھی اس کی باری ڈولنگ تھی۔ ڈاکٹر فرح کی بیٹی کی پاس موجود وہ گڑیا جو اسے ہمیشہ لپکا کرتی تھی اور اس جی گڑیا خریدنے کے لیے اس نے خیر دین سے بہت بھرا کر کیا تھا۔

خیر دین اسے لے کر بازاروں میں کھلونوں کی دکانوں پر باری ڈول کی تلاش میں پھر تارہا تھا۔ جو سستی نقل دکانوں پر مل رہی تھی وہ چڑیا کو پھیندیں آ رہی تھیں وہ اصل اور نقل کا فرق بتا نہیں سکتی تھیں لیکن سمجھتی ضرور تھی اور جو اصل باری ڈول اسے چند دکانوں میں نظر آئی تھی اس کی قیمت اتنی تھی کہ خیر دین اسے چڑیا کو دیکھا سکتا تھا اور نہیں سکتا تھا۔ کئی دن بازاروں کی خاک چھاننے کے بعد بالآخر چڑیا کو پتا چل گیا تھا کہ باری ڈول اس کی استطاعت اور اوقات سے باہر کی چیز تھی اور اس کے لیے خدا یا اصرار کا خیر دین کو تکلیف اور شرمندگی کے سوا کچھ نہ دیتا۔ اس نے باری ڈول کی فراہمی ختم کر دی تھی مگر وہ اس کے حواس پر سوار رہی تھی۔ تین سالہ شہر بانو پر پہلی نظر میں بھی اسے خوب صورت اور ایک گاؤں والی وہ باری ڈول ہی یاد آئی تھی اس کے صرف بال شہری نہیں تھے مگر اس کی خوب صورتی، ناز و نگاہ، لباس سب اسی باری ڈول جیسا تھا جو اس کے لیے untouchable تھی۔

اسنے سالوں بعد شہر بانو کو دیکھتے ہوئے عکس مراد علی کو آج بھی باری ڈول ہی یاد آئی تھی۔ دو دو سالگت، سیاہ لمبی خنجر اکھیں، ننھی سی نوک والی کھنکی ناک اور بے حد باریک مسکراتے ہوئے۔ عکس کے ہونٹوں پر موجود مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوئی تھی اسے دیکھ کر..... اسے آج بھی اس پر وہی سی یاد آ رہی تھی جیسا اس کو پہلی بار دیکھ کر آتا تھا۔ اس کا دل آج بھی اس کی طرف..... اسی طرح ہکا بکا، جس طرح پہلی بار اسے دیکھ کر ہنس کر اس کی طرف گیا تھا۔ شیر دل کو اس سے زیادہ پر حریف لپک لپک نہیں لگتی تھی۔ وہ واقعی صرف شیر دل کے ساتھ تھی۔ اس کی طرف بڑھتے ہوئے عکس نے سوچا تھا۔ شیر دل کے ذہن میں سب سے پہلے شہر بانو کے حوالے سے اس طرح کا خیال ڈالنے والی وہی تھی۔

”میرا خیال ہے وہ تم سے محبت کرتی ہے۔“ اس نے فون پر شیر دل سے شہر بانو کے حوالے سے کوئی قصہ سننے کے بعد کہا تھا۔ وہ جواباً ہنسا تھا۔

”یوں کی ہی بات ہے جو تم مجھے بتا رہی ہو، میں جانتا ہوں وہ مجھ سے محبت کرتی ہے..... مجھ پر مروتی ہے۔“ اس نے آخری جملہ بڑے اعتماد سے بڑے جتانے والے انداز میں کہا تھا۔ ”کوئی پہلی لڑکی تو نہیں ہے وہ جسے مجھ سے محبت ہوگی.....“

عکس

مسٹر شاہ چلی اگر تم شیخان بگھارنا بند کرو تو میں کچھ کہوں۔“ عکس نے اس کی بات کاٹتے ہوئے اسے لٹکا دیا۔ ”تم سے زندگی میں پہلی بار کوئی اچھی لڑکی محبت کر رہی ہے۔“

”Now that, s not fair“ شیر دل نے اس کی بات کاٹ کر احتجاج کیا۔ ”تم یہ کیسے کہہ لیا“ وہ نہیں کیا تھا مجھ پر کوئی نون مرتا.....“ عکس نے اس کی بات کاٹی۔

”تم تقریر کرنے کے بجائے ان لڑکیوں کے ناموں کی ایک لسٹ بنا لو جو تم پر مرنے کا شرف حاصل کر چکی ہیں..... ہو سکتے تو تصویریں بھی لکھ لیتا ساتھ.....“ تصویریں تو ہوں گی تاہم لڑکی کی تمہارے پاس؟ عکس نے اسے اظہار بڑی تنبیہ کی سے مشورہ دیتے ہوئے کہا یوں مجھے دونوں اکیڈمی میں کوئی سینئر ٹیچر رپورٹ تیار کرنے کے بارے میں suggestion پر تیار کرنا چاہیے کر رہے تھے۔

”ہر لڑکی اس تصویر پر میرے پاس سوائے تمہارے.....“ شیر دل نے ترکی پر تکی کہا۔

”نہ تو اس کنگری میں ویسے ہی نہیں آئی کیونکہ تم میں تم پر مروتی ہوں، تمہارے ساتھ جی سکتی ہوں۔“ عکس نے بھی اسی انداز میں کہا۔ ”تو اس لیے میں تو تمہاری سوسائٹیز کو کھنکھانے بن ہی نہیں سکتی..... ویسے شہر بانو کی طرح بات کر رہے تھے۔“ عکس نے بات کے اختتام پر اسے پھر شہر بانو یاد دلایا۔

”میں تو مرنے والی ہوں۔“ شیر دل نے اس سے کہیں ہوا تھا۔

”تم کس لڑکی پر نہیں مرنے شیر دل۔“ عکس نے ہنس کر کہا۔ وہ بھی ہنس دیا۔

”یہ بھی ٹھیک ہے۔“ اس نے اعتراف کیا۔

”شہر بانو پر غور کرو.....“ عکس گھوم پھر کر ایک بار پھر اسی موضوع پر آگئی۔

”جی نہیں میری اور شہر بانو کی match making میں اتنی دلچسپی کیوں ہے؟“ شیر دل نے یک دم

سنجیدہ ہوتے ہوئے پوچھا۔ ”جب تمہیں جھٹ میں دلچسپی نہیں ہے تو leave it to..... میں جس سے چاہے شادی کروں تمہیں کیا.....“ شیر دل نے اسی انداز میں کہا۔

”میں چاہتی ہوں تمہیں کوئی تمہارے جیسی نہ مل جائے۔“ عکس نے ترکی پر تکی کہا۔ ”تم دوست ہو.....“

اتنی پر وا تو ہے مجھے تمہاری کس چیز میں دلچسپی ہے؟ شیر دل نے نڈوئے دوں۔“

”نہیں، نہیں تم مجھے کوئی دو تو میں.....“ جی نہیں میں لو۔“ اس نے اطمینان سے کہا عکس کو ہنسی آگئی۔

”تم سے کیا کہنا تھا؟“ شیر دل نے موضوع یاد کرنے کی کوشش کی۔

”تم مجھ سے شہر بانو کی بات کر رہے تھے۔“ عکس بات کو پھر دوہرنے لگی۔ شہر بانو کی طرف بڑھتے

ہوئے عکس کو پتا چل گیا کہ یاد آ رہا تھا لیکن ان تمام یادوں میں کوئی رخ یا شخص نہیں تھا وہ سب کچھ جیسے فلز کی چارہ تھی۔

شہر بانو نے اس سے پہلے عکس مراد علی کا نام سنا تھا یا اس کو شیر دل کے گروپ فوٹو گراف میں دیکھا تھا۔

جہاں وہ لکھ کر گھومنے کے باوجود بھی اس کی شکل و صورت اور طبعیہ میں وہ خاص چیز جو کہنے میں ناکام رہی تھی جو اس کے ذہن میں کسی اور عینے یاد نہ تھی۔ لیکن آج اس پر پہلی نظر ڈالنے ہی وہ عکس مراد علی کی طرح خائف ہوئی۔ یوں ہوئی کہ اسے اس کی احساس کرتی ہوئے لگتا لیکن اس کے باوجود

عکس مراد علی اس حسن و جمال کی مالک تھی جس سے اس کی احساس کرتی ہوئے لگتا لیکن اس کے باوجود

طور پر تو یہ کیونکر مشکل بات نہیں تھی۔

ان دنوں کے درمیان چند اور جملوں کا تبادلہ ہوا تھا ساتھ چلتے ہوئے..... موسم کے بارے میں..... مہمانوں کے بارے میں..... ذہن کے بارے میں اور پھر کس اس کے ساتھ اس ہال کرے میں داخل ہوئی تھی جہاں ڈنکا انتظام تھا۔

اس ہال کرے میں بیٹھ کر اس رات اس نے گزرنے ہوئے کل کی ساری باتوں، ساری آوازوں سے خود کو shut off کر لیا تھا بالکل اسی طرح جیسے بڑک پر خیر دین کے جھلکوں کی ریڑھی پر بیٹھی اسکول سے ملنے والا بوم دھک کرتے ہوئے وہ بڑک پر سے گزرنے والے ٹریفک کے بے بہم شور سے خود کو کٹ لیا کرتی تھی۔

لوگوں کے جھرم کے بیچ بیٹھ کر عکس مراد علی نے اپنے آپ پر اپنی زندگی پر اپنی زندگی میں آنے والی تکلیفوں پر بھی ماتم نہیں کیا تھا..... بھی خود پر ترس کھاتے ہوئے خود کو دوسروں سے مکتز اور دوسروں کو برتر نہیں سمجھتا تھا..... خیر دین نے اسے زہر کے ٹھونٹ پیتے ہوئے بھی جینا اور مسکراتے ہوئے جینا سکھا تھا اور اس ہال میں اسنے سالوں کے بعد بیٹھے ہوئے وہ زندگی کے زہر آلود حصوں کو چھوئے بغیر گزر رہی تھی..... اور وہ گزر رہی تھی۔

☆☆☆

”تم یہ کیوں کرنا چاہتی ہو؟“ خیر دین نے بے حد برائی سے کس کا چہرہ دیکھا تھا۔ بیرون ملک اپنی دگری مکمل کرنے کے بعد وہ چند ہفتے پہلے پاکستان آئی تھی اور اس کی پرورش ہوئی تھی اور پرورش کے بعد اس نے آج خیر دین سے جو بات کی اس سے خیر دین کو حیران کر دیا تھا۔ وہ خیر دین کی زمین واپس لینے کے لیے سیس کرنا چاہتی تھی۔ وہ زمین جس کو خیر دین، جس بھی بیوی بیویا تھا لیکن ہمیشہ بھولنے کی کوشش کرتا رہا تھا..... لیکن روزی حلال پر ڈالا ہوا ڈاکا کسی انسان کو نہیں بھولتا..... خیر دین نے بھی وہ زمین نہیں اپنی ساری زندگی محنت سے کمایا اور بچایا ہوا رزق حلال گنوا لیا تھا..... وہ بھی تب جب وہ پانی پانی کا محتاج تھا..... اور آج اسنے سالوں بعد وہ عجیب عجیبے والی بات کر رہی تھی..... اسنے سالوں سے جا ب میں آنے کے بعد وہ ایک بار بھی گاؤں نہیں گئی تھی..... خیر دین اب گاؤں آنے جانے لگا تھا اور گاؤں میں اسے وہ آکا خاندان استقبال ہوتا تھا۔ وہ اپنے بھائیوں اور ان کی اولادوں کے اصرار کے باوجود وہاں کی کھر نہیں ٹھہرتا تھا بلکہ اپنے اسی دوست کے پاس ٹھہرتا تھا جہاں اس نے مشکل وقت میں پناہ لی تھی۔ اپنے خاندانی گھر میں نہ ٹھہرنے کے باوجود اس نے وہاں سے گزرنے ہوئے اس گھر کے دروازے پر وہ نیم پلٹ و گھبرائی تھی جس پر عکس مراد علی کا فوراً نام اس کے عہدے کے ساتھ لکھا ہوا تھا اور وہ علی بڑے نمایاں انداز میں اس گھر کے دروازے پر کھڑی ہوئی تھی جہاں بھی اس کے، حلیہ اور چہرے کے لیے رہنے کی جگہ تک نہیں تھی۔ خیر دین نے گاڑی رکا کے کمز آنگھوں اور مسکراہٹ کے ساتھ وہ سختی دیکھی تھی۔ اسے دیکھتے ہوئے اسے کئی سال پہلے کی وہ سختی یاد آئی تھی جس پر اس نے بھی ایسے ہی خیر دین انداز میں اپنا نام، اپنا مہد اور اپنے صاحب کا نام بھی لکھوا لیا تھا۔ یہ تینیں وقت زیادہ سے شرم سے یا انسان..... جو رگرت بدلنے میں اپنا ہی نہیں لکھتا خیر دین انداز میں لگی ہوئی وہ سختی دروازے پر نہیں انسان کی بے عیاری پر لگتی تھی..... خونی لہجہ لہجہ و لہجہ طائف جیسی اور سختی و وقار دہی بھی نہیں دکھاتے..... کتا نہیں لیں مادہ پرستی پر یا بیچ بازار میں

اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ عکس مراد علی کو نظر انداز کرنا بے حد مشکل تھا اور اس کو پسند نہ کرنا اس سے بھی زیادہ دشوار۔

مراد علی کی انٹرنس پر ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے وہ دونوں شہر بانو کی فوٹو فریم کا حصہ لگے تھے۔ ایک پر ٹیکٹ بیکر..... دراز قدر، افریکو، براغٹا، اسارت..... سیاہ لباس میں بلبوں وہ ایک ایسا چلک بگ رہے تھے جو کھر سے نکلے ہوئے toe سے top تک پر ٹیکٹ پیچنگ کر کے آئے تھے۔ کوئی بھی ایک نظر میں دیکھ لیتا کہ عکس کے ہونٹوں کی لب اسٹک کا رنگ شیر دل کی نانی کے رنگ کا ایک حصہ لگ رہا تھا..... شہر بانو نے بھی ٹوٹس کیا تھا..... ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے کسی رشتے اور تعلق کے بغیر بھی ان دونوں کی پاؤں لٹکوتج میں ایک عجیب نمکسٹری تھی..... ایک عجیب شاد ربط اور تعلق تھا۔ جس کو نہ چھپانے کی کوشش کی تھی۔ نہ دکھانے کی..... لیکن وہ پھر بھی چھپ چھپ کے دکھ رہا تھا۔

شہر بانو ابھی تھی..... اور پھر چاہتے کے باوجود وہ عکس سے ویسی گرم جوشی کا مظاہرہ نہیں کر سکی جو وہ کرنا چاہتی کی جو وہ دوسرے مہمانوں کے ساتھ کر رہی تھی اور عکس نے یہ محسوس کر لیا تھا۔ وہ نے تلے انداز میں اس کی طرف بڑھی اور عکس نے بھی اس کا ہاتھ اسی احتیاط سے پکڑا تھا جس سے وہ بے ہوا بچا گیا تھا۔ اسے اسکول میں اپنا اور باربی ڈول کا پہلا آمتنا سامنا یاد آیا تھا..... وہ تب بھی اسی طرح کی تھی اس سے..... ڈرتی، بھجتی، چھپتی.....

شہر بانو نے عکس مراد علی کے ہاتھ کی نرمی اور حد تک بیک وقت محسوس کیا۔ دونوں کی نظریں ملیں عکس کو اسے نظریں ملانے میں کوئی کام نہیں ہوئی۔ چار سال کی وہ بچی اسے بھی نہیں پہچان سکتی تھی۔ ”آپ کیسی ہیں؟“ شہر بانو نے اسے کہتے سنا۔ اس کی آواز کی ملاحت نے شہر بانو کے وجود کی سرسبھی کو عجیب انداز میں چمکایا۔

”I'm fine, how are you“ اس نے جواباً اپنی مسکراہٹ کو کچھ گرم جوش کرنے کی کوشش کی۔

”I'm good too“ عکس نے جواباً ایک دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ دونوں کا ذہن بیک وقت blank ہوا تھا۔ اگلا جملہ دونوں کے پاس نہیں تھا۔ شیر دل اب کھڑے کے ساتھ اندر جا رہا تھا۔ شہر بانو کو جیسے ایک عجیب اطمینان ہوا تھا اس فوٹو فریم کے ایک حصے کو وہاں سے ہٹے دیکھ کر۔

”شیر دل سے بہت تنا ہے میں نے آپ کے بارے میں.....“ گفتگو کا ٹوٹا سلسلہ جوڑنے کی کوشش عکس نے کی تھی۔

”اچھا.....؟ میں نے آپ کے بارے میں کبھی نہیں سنا۔“ عکس اس کی بات پر مسکرا دی۔ وہ جانتی تھی شہر بانو نے اسے کچھ جتانے کی کوشش نہیں کی تھی اور وہ جانتی تھی شہر بانو بھوت بھی نہیں بول رہی تھی۔ شیر دل اس کا ذکر شہر بانو سے کبھی نہیں کر سکتا تھا کسی بھی حوالے سے نہیں کر سکتا تھا..... کرنا تو عکس مراد علی کو شک لگتا..... وہ اس کی گرل فرینڈ نہیں تھی، وہ اس کا انگریج بھی نہیں تھی، وہ اس کی بیوی بھی نہیں تھی، وہ اس کی دوست بھی نہیں تھی..... اس کے باوجود وہ شیر دل کا سب کچھ تھی..... اس کا وہ راز جو ایک شیر دل ہمیشہ چھپاتا رہا تھا ہمیشہ جیسا سکھاتا..... ایک نو سالہ بچے کے طور پر بھی وہ چڑا کو guard کر سکتا تھا۔ ایک adult

مجمع اکٹھا کر کے مذمتی تقریریں کر کے نعرے لگوائیں یہ وہ بیماری ہے جس کا کوئی حل نہیں..... جسم کی بیماریاں ہوں تو کوئی علاج کوئی حل نکلتا جو نفس کو لگ جائے وہ کیسے ختم ہو.....

وقت خیر دین کو ناساے جانے سے پہلے سارے تماشے دکھا دینا چاہتا تھا اور وہ دیکھ رہا تھا۔ بعض تحقیق انسان کا دل بھول کر رہی ہیں۔ کس مرد اکی کے نام کی تختی نے بھی خیر دین کا دل اس طرح بھول کر دیا تھا۔ ہر بار گاؤں جانے پر ایک بار پھر اس کے پاس قاضی رہے اور درخواستیں لے کر آنے والے لوگوں کا ہتھکڑا لگنا شروع ہو گیا تھا۔ خیر دین چپ چاپ اپنی کو بیاد رکھتے ہوئے ان درخواستوں کو اٹھا کر جاتا اور پھر واپس آ کر عکس کے سامنے کھڑے ہو جاتے۔ ان درخواستوں کی منظوری اور ان پر عمل درآمد کے لیے ابھاک دوڑ میں مصروف رہتی۔ اس نے بھی نانا کو بیاد دلانے کی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ جن لوگوں کی مدد کے لیے اس سے کہہ رہا ہے وہ بہت بے رحم اور بے حس لوگوں کا ایک ہیجوم ہے جنہوں نے ان کو ان کی زندگی کے مشکل ترین دنوں میں ان کی آزادی اور برائی کی تماشہ دینا شروع کر دیا تھا اور کسی نے ان کو بڑھ کر اس کے حق کے لیے ان کی مدد کے لیے آواز نہیں اٹھائی کہ تماشہ دینا ہی اس کی صرف ان کے اچھے دنوں کی تماشوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے ان کے پاس آتے تھے۔ بدوہدے سے ننانا کا ضمیر ننانا کا ضمیر۔ مگر خیر دین کو یہ سب یاد دلانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اور کس کو اب وقت ضائع کرنے کا کوئی شوق نہیں تھا۔

”تم بڑے قلیب والی ہو چڑھا.....“ خیر دین نے ایک بار گاؤں سے آئے کے بعد عکس کے پاس بیٹھے ہوئے اس کا چہرہ دیکھ کر سگمڑا تو ہوئے کہا۔ وہ ان دونوں اسٹنٹ کمنٹر کے طور پر اسلام آباد میں پوسٹل ڈپسٹری اور خیر دین گاؤں سے سیوا ہاسی کے پاس آگیا تھا۔ وہ شام کے وقت اپنا کچھ کام نہاتا ہوئے ساتھ خیر دین سے گاؤں کے قصے سن رہی تھی جب اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے خیر دین نے یک دم اس سے کہا۔ اس نے کام کرتے کرتے سگمڑا کر ایک نظر خیر دین کو دیکھا اور پھر اپنا کام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

”یہ بیٹھے بھائے آپ کو میرے خوش قسمت ہونے کا خیال کیسے آگیا؟“

”اللہ تعالیٰ نے تمہیں حقیقی عزت دی ہے۔ اس کا ثبوت بتایا ہے کہ تم گھوڑوں کے لیے کچھ کر سکو، گاؤں والے کھر میں درجنوں بچے، چچاں ہیں لیکن اس گھر کے دروازے پر کسی مرد کا نام نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ کچھ تھکرا نام ہے۔ اس پورے گاؤں میں کسی گھر کے دروازے پر کسی عورت کا نام نہیں لکھا ہوا سوائے تمہارے نام کے۔۔۔۔۔۔ اور ہر کوئی پہلی بار جب بھی اس دروازے کے سامنے سے گزرتا ہے تو رک کر اس تختی کو کھنڈر پر دھتا ہے۔ میں تو ہر بار یہ رک کر اس تختی کو دھتا ہوں۔“ خیر وہیں بات کرتے کرتے آخری جملے پر ہنس کر شرمایا تھا۔ لکس کو اپنے نام پر عجیب سا پایا آیا۔ وہ اس سے جیسے کوئی گہرا راز بشیر کر رہا تھا۔

”مناوہ میرا نام نہیں ہے..... میرا عہدہ ہے جس کی وجہ سے اس گھر کے ماتھے پر میرا نام لکھا گیا ہے۔“
عکس نے اپنے کام میں مصروف مسکراتے ہوئے کسی تاثر کو بغیر اس کو جیسے یاد دلایا۔

”یہ عہدہ بھی تمہاری ہی قابلیت ہے..... جاؤں میں ہے کسی کے پاس یہ عہدہ.....؟ کسی عورت کے پاس تو کیا کسی مرد کے پاس بھی نہیں ہے۔“ خیر دین اس کی بات کے جواب میں عجیب انداز میں چنبٹا ہوا گیا تھا۔ کس مسکراتے ہوئے کام کرتے ہوئے خیر دین کی بات سنتی رہی۔

”گاؤں میں کیا پورے ضلع میں کسی اور عورت کے پاس یہ عہدہ نہیں ہے۔ اللہ ہر ایک کو عہدے کہاں

ہے۔ جب تم کالج کی تھیں تو تم اس گاؤں سے کالج جانے والی پہلی تھیں پھر اس گاؤں سے امتحانات میں ٹاپ کرنے والی واحد لڑکی۔ ڈاکٹر بننے والی پہلی لڑکی۔ اسسٹنٹ کمشنر بننے والی پہلی لڑکی۔ سی ایس ایس کے امتحان میں ٹاپ کرنے والی پہلی لڑکی۔ یہ سارے کئی چھوٹے اعزاز تھوڑی ہیں۔ پاکستان میں کتنی لڑکیاں ہیں جن کے پاس اتنی قابلیت ہوگی اور اس قابلیت کا صلہ بھی۔ خیر بد بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے اس کے اعزاز کو اتوار بٹھا۔ انہیں دھند میں تپتی پڑا چڑیا کی ان کا کیا بیوں کو کون کھ کر چلا تھا۔ "یکہ دن تم اس گاؤں سے ڈیڑھ کمشنر بننے والی ہو گئی پہلی لڑکی ہو گئی اور کمشنر بننے والی ہو گئی۔" عکس خیر دین کی اس جذباتی پیش گوئی پچس دی گئی۔

”ناپاکاں پاکستان میں عورتیں ڈیڑھ گھنٹہ اور کمیشنر نہیں بنتیں۔ ہمیں ڈویژن چلانے کے لیے نہیں دیا جاتا۔“ اس نے جیسے خیرین کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ ”منہ میں شاید ایک آدھ خالق اور آدھ کچھ عرصہ کے لیے ڈیڑھ گھنٹہ کے طور پر تعینات کیا گیا تھا لیکن وہ بھی بہت کم عرصے کے لیے..... آپ اور خواب نہ دیکھیں میرے بارے میں۔“

”ایک دن آئے گا کہ یہ بھی ہوگا تم دیکھ لیتا چڑیا تم ڈپٹی کمشنر بھی بنو گی اور کمشنر بھی..... لیکن شاید تب تک میں نہ رہوں۔“ خیر وین کو بات کرتے کرتے ایک دم خیال آیا۔

”آپ اس بات کو چھوڑیں یہ بتائیں دروازے پر کئی اس سختی پر کیا لکھا تھا؟“ عکس نے بڑی مہارت کے ساتھ خیر دین کو جیسے اس ہونے سے روکا۔ وہ اب اکثر اپنی موت کا ذکر کرنے لگا تھا۔

اس کی پس منظر تھا، انوکھس مراد کی، نواسی خردین۔ اس شنف کشر اسلام آباد۔ خردین چچی کی طرح بھلا اور اسے اس کی چچی کی طرح خیر فرماتے۔ لکھنے کے کام کرتے کرتے اپنا ہاتھ درد کر دیا اور وہ خردین کا چچا کر دیکھ گئی۔۔۔ وہ جانتی تھی اس نے خردین کو زندگی میں سفر کے بے شمار دیے تھے۔ اس نے خردین کی سبھی کو، بھر دیا تھا لیکن زندگی میں جو کچھ خردین نے اس کے لیے کیا تھا وہ اس سے بہت زیادہ تھا جو اس کے لیے کر پائی تھی۔ وہ جانتی تھی خردین کی زندگی کا اب آخری حصہ اس کے پاس تھا اور وہ اس آخری حصے کے گزر جانے سے پہلے خردین کے زندگی کے کھوئے ہوئے اٹانے بھی لونا دینا چاہتی تھی۔ اسے۔۔۔ کم از کم وہ چیزیں جو خردین نے اس کی وجہ سے کھوئی تھیں۔

اور کئی سال بعد یہ پہلا کام اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ ”مگر مے مر دے اکھاڑنے کا قاعدہ۔“ اس رات جب اس نے بالآخر خیر دین کو یہ بتایا تھا کہ وہ زمین واپس لینے کی کوشش کرنا چاہتی ہے تو خیر دین نے اس سے کہا

”وہ گڑا مردہ نہیں ہے..... ہمارا حق ہے..... اور اپنے حق کے لیے آواز اٹھانی چاہیے..... جدوجہد کرنی چاہیے..... ہمیشہ آپ ہی سکھاتے رہے مجھے یہ بات.....“ عکس نے بے حد سنجیدگی سے اس سے کہا۔ وہ عکس کی بات پر کچھ دیر بول نہیں پایا۔

”مہمیں بیٹھے بٹھائے زمین کا خیال کیسے آگیا؟“ خیر دین نے جواباً اس سے پوچھا۔

”اب خیال نہیں آیا..... ہمیشہ سے خیال رہا ہے مجھے اس کا۔ آپ کو یاد ہے میں نے آپ سے کہا تھا میں ہا ہا ہا ہا کے بعد دو کام کروں گی۔“ عکس نے مسکراتے ہوئے اسے کئی سال پہلے کی کبھی ہوئی اسی بات یاد

”یہ جملہ سزاؤں تو نہیں ہو رہی۔“ وہ ہار بار عکس کے کانوں میں سرگوشی کرتا۔ ”اصلی کام ہے؟“

”جی ہاں..... بالکل اصلی۔“ وہ ہار بار مسکرا کر اسے جواب دیتی۔

پندرہ گھنٹوں بعد پٹواری اور تمام متعلقہ لوگوں کے جانے کے بعد بھی خیر دین عجیب اچھے بے عالم میں زمین ۱۰۰ فاؤنڈر دیکھتا رہا جو اس خواب لگ رہے تھے۔ چنانچہ اس نے ان کا نفاذ کو کئی بار کھول کر پڑھا تھا۔ اس نے ان کے لئے بڑی معصومیت سے کہا۔

”اب کل میں اس زمین پر جاؤں گا؟“

”نہیں تاتا..... کل ہمیں کہیں اور جانا ہے۔“ عکس نے جواباً کہا۔

اور اگلی صبح وہ عکس کے ساتھ جہاں گیا تھا اس جگہ نے بھی اس کے بہت سارے زخم ہرے کر دیے تھے۔

وہ اپنی سرکاری گاڑی میں پولیس اسیکورٹ کے ساتھ اسی پولیس اسٹیشن میں گئی جہاں کئی سال پہلے خبر ایک صحیح حوالہ کے پیچھے اٹھا کر پھنکوا گیا تھا۔ متعلقہ تھانے کے ایس ایچ او نے اپنے عملے کے ساتھ

کے گیٹ پر ان کا استقبال کیا تھا۔ انہیں بڑی عزت و احترام سے لا کر ایس ایچ او کے آفس میں بٹھایا گیا۔ ایس ایچ او معرقتھا کہ وہ اس کی کرسی پر تشریف رکھیں اور یہ پیش کش عکس نے فکریے کے ساتھ رو کر دی

ایس ایچ او نے تھوڑی دیر بعد خیر دین کے تقریباً تمام بھائیوں اور بھیبوں کو اٹھکڑیوں کے ساتھ اسٹیشن میں پیش کیا تھا۔ وہ خیر دین کی زمین پر ناجائز قبضے کے الزام میں دھرے گئے تھے۔ یکس مرا

ایک دن پہلے درج کرائی گئی ایف آئی آر کے تحت جس کے بارے میں حیدر دین کو علم نہیں تھا وہ نہ
 کس کو ان لوگوں کے خلاف قانونی کارروائی نہ کرنے دیتا لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ زمین کا خدات پر

کے نام ہو جانے سے اس کی ملکیت نہیں ہوتی۔ زمین اس کی ملکیت ہوتی ہے جس کے قبضے میں ہوگی۔ اس سسٹم کی موثر گائیڈوں کو اپنے بوڑھے نانا سے زیادہ بہتر طریقے سے جانتی تھی لیکن خیر دین اپنے

اسی طرح کئی سال پہلے اس تھانے میں وہ پورانے ایس ایچ او نے خیر دین اور عکس سے بات کی تھی۔

سچ اس نے خیر دین کے دو بھائیوں اور دو صاحبوں کو یہ کہا تھا کہ وہ حالات میں موجود اپنے تمام رشتے سے مشورہ کرنے کے بعد یہ طے کر لیں کہ انہیں جلسہ بازی اور فراڈ کے مقدمات بھگتنے ہیں یا

سے زمین سے دستبردار ہو کر صلح صفائی کرنی ہے۔ وہاں موجود پٹواری نے اپنے کھاتوں میں سے
کے اصلی کاغذات ان لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہوئے ان کے پاس موجود جہزی کو جعل سازی کا

ارویا تھا۔ وہ اس بات پر مصرعے کہ انہوں نے ایک بھاری رقم دے کر زمین خیر دین سے خرید لی
 ایس ایچ او نے ان کے کاغذات پر موجود خیر دین کے انگوٹھے کے نشانات کو جعلی قرار دیا تھا کیونکہ

اسی تھے۔

پادری کے پاس زمین کے اس انتقال کا جو ریکارڈ تھا وہ بھی جعلی تھا کیونکہ خبر دین کے بھائیوں میں سے

۲۶۔ یلی کروا آیا تھا لیکن اس تمام چکر بازی میں اس قدر جھول تھے کہ عکس جانی مٹی وہ اگر مقدمہ لڑتی تو وہ

آپ گاؤں کے اتنے لوگوں کے سفارش کرتے اور درخواستیں لے کر میرے پاس آتے ہیں اور مجھے ہر وقت یہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں کا مجھ پر حق ہے اور میرا فرض ہے ان کی خدمت کرنا..... مجھ پر آپ کا بھی حقوق ہے۔“ خیر دین اس کی بات سنتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

”رحم کرنا بہت اچھی بات ہے..... نیکی کرنا، سخاوت کرنا، رشتے داروں کا خیال رکھنا سب اچھا ہے لیکن جس طرح بچے سے آپ یہ کام کرنا چاہتے ہیں؟ وہ اچھا نہیں ہے۔“ وہ اب بہت عجیبہ ہو گئی تھی۔ ”آپ اس گاؤں میں

ایک بہت غلط اور خطرناک مثال قائم کر کے چھوڑنا چاہتے ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ اس گڈل میں خاندان والے جس کو کزور اور نہتا پائیں اس کا حصہ جمن کر کھا جائیں کیونکہ وہ غریب ہیں اور آپ یہ بھی چاہتے ہیں کہ اس

نا انصافی کی کبھی طعانی نہ کی جائے..... آپ غریب کو برائی کا لالٹن دینا چاہتے ہیں، سخاوت اور رحم کا نام دے کر..... اور آپ بہت بڑی غلطی کر رہے ہیں۔“ وہ جدہ بنجیدگی سے کہتی جا رہی تھی، خیر دین خاموشی سے اس کی

باتیں سن رہا تھا۔
 ”میں سمجھتی ہوں ہمیں وہ زمین ضرور واپس لینی چاہیے، اس گاؤں کے لوگوں کے لیے یہ بہت بڑا سبق

ہوگا۔ آپ اپنے بہن بھائیوں اور ان کے بچوں کو بھوکا پیاسا نہیں دیکھ سکتے ان کی مدد کرنا چاہتے ہیں ضرور کریں۔

مدد کریں لیکن ان کے ظلم اور زیادتی پر نیکی کی چادر نہ ڈالیں..... ہم خدا نہیں ہیں اور ہم انسانوں کے راز کی بھی نہیں ہیں۔ ہم ان سے صرف وہ چیز لے رہے ہیں جو ہماری ہے..... انسانوں کو برائیاں کرتے ہوئے یہ ضرور

سوچنا چاہیے کہ اس کا بھی ایک اجر ہوتا ہے۔ اس کی بھی فکھل کاغذی پڑتی ہے۔ میں نہیں سمجھتی اس زمین کو وہاں نہیں لیتا ایک اچھا فیصلہ ہے..... لیکن وہ آپ کی زمین ہے اور آپ جو فیصلہ کریں گے بہتر ہوگا۔“ خیر دین کے پاس لی۔

خاموشی کے سوا بہت دیر تک کچھ نہیں بچا تھا۔ عس بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی لیکن ایک مشکل کام کرنے کو ٹھہر گئی۔ وہ بہت دیر ایسے ہی چپ بیٹھا رہا تھا۔ ہٹا نہیں بڑھایا تھا جو اس کے حواس کو کمزور کر رہا تھا یا پھر کسی کے

دلیل..... وہ خیر دین کو اچھا نا جانتی تھی اور اس نے خیر دین کو اچھا دیا تھا۔ اس نے بالآخر ایک بار پھر سناے گئے فیک دیے تھے۔ ایک وقت تھا جب وہ اس کی انگلی پکڑ کر چلی تھی، خیر دین اسے رستہ دکھایا کرتا تھا اور

اب خیر دین اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی رہنمائی میں چلنے لگا تھا۔

پہلے ہی پوری تھی۔ عسکریک ایک بیج میٹ اس صحن میں ڈھکی گھسنے کے طور پر قافز تھا اور وہ بہت سے احکامات پہنچنے کو دے چکا تھا۔ وہ دونوں اس باروں کے ایک ریٹ ہاؤس میں ٹھہرے تھے۔

ان کے وہاں پہنچنے کے چند گھنٹوں میں ہی علاقے کا پانچواں اپنے بیچ کھانوں سمیت وہیں ریست ہاؤس
میں آگیا تھا۔ اس کے کھاتوں میں خیر دین کی زمین کاری کا رڈ بھی موجود تھا۔ عکس کے اسٹاف کا ایک شخص پہلے ہی

اس شخص کو بھی وہاں لاکھا تھا جس نے حیدر دین کے وہ زمین خریدی کی اور وہ لوامی وہیں موجود تھے۔ بہاول
خیر دین کی ملکیتی زمین کے کاغذات پر دستخط کیے تھے۔

چند ٹھٹھوں کے اندر حیرت دین کی زمین واپس اس کے نام سمل ہو چکی تھی..... بونی کاغذ کی بیوت اپنے پاس ہونے کے باوجود..... خیر دین ہکا بکا تھا۔ وہ ان کاغذات پر انگوٹھا لگاتے ہوئے بھی ایسے ہی بوکھلایا تھا۔

اس واقعے کے حوالے سے لیکن خلاف توقع ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ وہ اس سے ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ انہوں نے اسے اپنی ایک پوتی کی شادی میں دعوت دی تھی اور جب خیر دین نے خوشی سے بے قابو ہوتے دعوت قبول کر لی تھی تو انہوں نے ساتھ ہی اس پوتی کی شادی کی تیاریوں کے لیے کچھ رقم بھی مانگ لی۔ اس کو اس پر قطعاً کوئی اعتراض نہیں ہوا تھا، اس نے بڑی خوش خوشی بھائی سے اس کی پوتی کی شادی کے اہم پہلو کا وعدہ کر لیا تھا۔ اپنے بھائی سے فون پر بات ختم کرتے ہی خیر دین نے بڑے جوش و خروش کے عالم میں کون کون کیا تھا۔

”تم بالکل ٹھیک کہتی تھیں چڑیا، وہ واقعی اب ہمیں نہیں چھوڑ سکتے۔“ خیر دین نے ساری تفصیلات چڑیا کو بتائیں۔ بعد میں اسے Judgement پر اسے داد دی لیکن تمام تفصیلات میں سے اس نے اپنے بھائی کو یاد دلائے والا رقم کا وعدہ چھپایا کیا تھا۔

”نانا انہوں نے آپ سے شادی کے لیے کتنی رقم کا مطالبہ کیا ہے اور آپ نے کتنی رقم دینے کا وعدہ کیا ہے؟“ عکس نے خیر دین کی داؤ پر فخر محسوس کرنے کے بجائے بڑے اطمینان کے عالم میں اپنی اسی بیٹی اور ملائم آواز میں اٹھوانے والے انداز میں خیر دین سے پوچھا۔ خیر دین جواب نہ دینے لگا۔

”چڑیا تم اونی چڑیا کے پر کھن لیتی ہو۔“ خیر دین کی بات پر وہ ہنس دی۔

”چڑیا کے نہیں نانا صرف کوؤں کے۔“ اس نے جواب خیر دین کو کہا تھا لیکن خیر دین سے یہ جاننے پر اصرار نہیں کیا تھا کہ وہ اس شادی میں کیا Contribute کرنا چاہتا تھا۔ خیر دین کے خاندان سے زمین چھین لینے کے باوجود وہ اس خاندان کے مسائل سے واقف تھی۔ مالی طور پر وہ بہت کمزور سماجی حیثیت رکھتے تھے اور پہلے خیر دین اور اب عکس کا نام وہ واحد سہارا تھا جو ان کی عزت نفس اور سادہ سادہ سنبھالنے والے تھے اور وہ گاؤں کے کسی نہیں نہیں کہلاتے تھے۔ عکس کو اعزاز تھا کہ خیر دین کی مالی معاونت کے بغیر وہ عزت سے اپنی کٹی بنی کوئیں بیاہ سکتے تھے اور اسے مالی امداد پر اعتراض نہیں تھا۔

خیر دین گاؤں میں شادی میں شرکت کرنے کچھ بچھڑا ہوا پہنچا تھا لیکن اسے وہاں یہ دیکھ کر عجیب حیرت ہوئی تھی کہ گاؤں اور خاندان میں اس کا استقبال پہلے سے بھی زیادہ گرم جوشی اور مرحومیت سے کیا گیا تھا۔ اسے عکس کی بات یاد آئی کہ اس نے کہا تھا۔ ”نانا اپنا حق لینے کے قائل ہونے کے بعد گاؤں میں آپ کا زیادہ احترام

”میں جانتی ہوں نانا اور مجھے بھی یہ بات اچھی نہیں لیکن اس کے سوا اور کوئی آپشن نہیں تھا۔ وہ سہ حالات میں ضرور ہیں لیکن آپ اطمینان رکھیں اس پر کسی قسم کا کوئی تشدد نہیں ہوگا۔ اس طرح کا وقتی اور جسمانی تشدد جو انہوں نے آپ پر کر دیا تھا اور نہ ہی ان کے خاندان کی کسی عورت کو تھا نہ ... بلوا گیا ہے جیسے مجھے بلوایا گیا تھا۔“ وہ خیر دین کو بتائیں چاہتی تھی کیونکہ یہی انسان کو جہاں بھی کرے مقسم المزاج بناتی ہے، بہتر سے غلط فیصلے کرواتی ہے، بہت سی زیادتیوں بھی کروا دیتی ہے لیکن خیر دین کو قائل کرنے کے لیے وہی دی جانے والی ہر مثال اس کے دل کو عجیب سے رنج سے بھر رہی تھی اور خیر دین چڑیا کی مثالوں میں چھپی تھی اور تکلیف سے واقف تھا۔

”میں صرف ایک چیز جانتی ہوں نانا اور وہ یہ کہ اگر کم اس گاؤں میں دو بارہ بھی کوئی کسی کو بے بس دیکھ کر اس کے ساتھ وہ نہ کرے جو ہمارے ساتھ کیا گیا اور میں آپ کو ایک بات بتاؤں۔ اس زمین کو وہاں لینے کے بعد آپ کا خاندان اور یہ گاؤں آپ کی زیادہ عزت کرے گا کیونکہ آپ نے اپنا حق قانونی طریقے سے لیا ہے۔ بس اسے اور مجبور ہو کر چھوڑ دیں دیا۔“ خیر دین نے ایک بار پھر چڑیا کے سامنے سر جھکا دیا تھا۔ اس کی دلیلیں اب اسے تو اتار سے لا جواب کرنے کی تھیں۔

رات تک ایسے ایسے اور دوسری باتوں کی طرف سے راضی نامہ لے کر آ گیا تھا۔ اس کے خاندان پر حزیہ کی دباؤ ڈال گیا تھا۔ خیر دین نہیں جانتا تھا کہ جس نے اسے بتایا تھا لیکن اگلے دن اس زمین سے اس کے خاندان کا قصہ ختم ہو گیا تھا۔ پولیس کی نگرانی میں اس زمین کی عہد بندی کروا کر اسے اسی علاقے کے ایک دوسرے زمیندار کو فروغ دے دیا گیا تھا۔ اور یہ سب پورے گاؤں والوں کی نظر اور چہ گویوں کے درمیان دن دھاڑ سے کیا گیا تھا۔ خیر دین بڑے سالوں بعد اس زمین پر کھڑا ہوا اس کی عہد بندی دیکھتا رہا تھا۔ اسے فخر ہونا چاہیے تھا لیکن نہیں ہوا تھا۔ اس کے دل پر ایک عجیب سا بوجھ پڑ گیا تھا۔ وہ بھٹکتا تھا کہ اس زمین کے اس طرح اچانک ہاتھ سے نکل جانے پر اس کے خاندان کے کیا تاثرات اور احساسات ہوں گے۔ یہی وہ ایسی ہی کیفیات تھیں گزرا تھا۔ اس کی اذیت ان سے اس لیے زیادہ تھی کیونکہ وہ اپنی چیز سے ناواقف بے دخل کیا گیا تھا۔ لیکن تکلیف اس کے بھائیوں کو بھی بہت زیادہ ہوئی تھی یوں جیسے میلا دیکھنے بھری جیب کے ساتھ کوئی جائے اور وہ دیکھنے سے پہلے ہی جیب کٹ جائے۔

راضی نامہ لیں ایسے ایسے پولیس اسٹیشن پر اس کی نگرانی کے بجائے متعلقہ ڈی بی او اس میں ڈی بی او کی نگرانی میں سامنے ہوا تھا اور اس کے بعد خیر دین کے خاندان والوں کو بالآخر ہائی مل ٹی جی۔ عکس بھی خیر دین کے لیے اسی دن وہاں سے واپس لوٹ آئی تھی۔

اگلے ہی دن خیر دین اس زمین کا دوبارہ مالک بن جانے کے باوجود بھی ایک عجیب سے ملاں میں رہا گاؤں سے واپس آ جانے کے بعد کئی ہفتے اس کے خاندان میں سے کسی نے اس کے ساتھ پہلے کی طرح گرم شپ لگانے کے لیے فون پر رابطہ نہیں کیا تھا، مذہبی کسی نہ شہر آ کر اس سے ملنے کی کوشش کی تھی۔ خیر دین عکس سے بار بار اس بات کی شکایت کرتا رہا اور وہ بڑے اطمینان سے ہر شکایت پر اس سے کہتی رہی۔ ”نانا آدھے گے۔ آپ دیکھ لیجئے گا۔“ اور اس کی یہ بات بالکل ٹھیک ثابت ہوئی تھی۔ اس واقعے کے پورے ایک مہینے کے بعد گاؤں سے اس کے بھائی نے اسے پہلی کال کی تھی۔ خیر دین کا خیال تھا کہ وہ اس سے لیے کھٹکے کرے گا

Be-Belle®
INNERWEAR

Splendor of Silk &
Comfort of Cotton

لا رہا تھا اس نے نظریں چرائی تھیں۔ اس نے اور ایک شیر دل نے ایک ساتھ..... پھر وہ دونوں سیدھے ہو کر
 لہکے تھے اب وہ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ رہے تھے ایک دوسرے کے بالقابل نہیں تھے صرف ساتھ بیٹھے
 رہتے تھے..... قریب، برابر، کنارے.....
 ”تو چڑیا اسے یاد ہے۔“ عکس نے سوچا تھا اور روکی جھپکی لہرائی تھی۔ یہ خالی مہمانی تھا جو اس کی...
 دوا نہیں اٹھا رہا تھا۔ وہ اس سے آگے بڑھ نہیں سکتا تھا۔ کچھ نہیں۔ اسے اندازہ نہیں تھا نوٹس اتنی
 جلدی شیر دل کی شکل تک کیا ہوگا اس کا خیال تھا ابھی ایک دو دن اور عکس کے تب تک شیر دل سگ پور پہنچ چکا
 تھا کہ جو کچھ ہوگا اس کے بعد ہوگا، اندازہ کی ایک معمولی سی غلطی ہوئی تھی۔

اس کے برابر یوں بیٹھے ہوئے اس نے سوچا آخری بار وہ کب اس طرح بھرمانی حالت میں یوں برابر
 خاموش بیٹھے رہے تھے۔ اسے یاد آ گیا۔ جب ایک اپنی کی کہنے پر اس کے ساتھ کیلین چھوڑنے پر تادم ہو کر
 اس کے پاس واپس آیا تھا اور وہ اس کے اصرار پر اس کے پاس آگئی تھی۔ اس دن بھی وہ برآمدے کی بیڑیوں
 میں بیٹھی چپ چاپ بیٹھے رہے تھے۔ ایک ریڈیٹ string کو تادم انداز میں ٹھیک کرتا رہا تھا، ارے
 کچھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اس سے کیا کہے لیکن اس کے باوجود وہ دونوں ایک دوسرے کے پاس بیٹھے رہے تھے۔
 خاموشی اور کچھ سے..... کسی بات کے آکاذا انتظار کرتے کرتے.....

”تم نے بھی چیری کھائی ہے؟“ بہت دیر بعد ایک نے گفتگو کا آغاز اس طرح کیا تھا۔
 ”ہاں۔“ چڑیا نے محل سے جواب دیا تھا۔ ایک بچے کے طور پر بھی اسے احساس تھا وہ بے شک سوال تھا اور
 اس کا آسم کے سیزن میں کرنے کا کوئی مقصد نہیں تھا جب ایک ہر روز دیکھا کہ بیٹھا ہوتا تھا۔
 ”بھی اسٹرابیری کھائی ہے؟“ اٹھل سوال بھی دیسا ہے بے شک تھا۔

”ہاں۔“ چڑیا نے ایک بار پھر وہی محل دکھایا تھا۔
 ”بیڑیوں کھائی ہے؟“ ایک اور سوال۔
 ”نہیں، اس بار چڑیا نے کہا تھا۔

”وہ بہت مزے کی ہوتی ہے۔“ اس بار جواب آیا تھا۔ چڑیا اس کی شکل دیکھ کر رہ گئی تھی۔ ایک کو اس کی
 حال سے جیسے حیرت مند کی ہوتی تھی۔ اس نے ایک بار پھر ٹیس ریڈیٹ string ٹھیک کرنی شروع کر دی

ہوگا۔“ اس نے شاید میں شرکت کرنے کے بعد واپس شہر جا کر عکس کو یہ بات بتائی تھی۔

”تم ٹھیک نہیں سمجھ چکے۔“ خیر دین نے اس جملے سے اپنی بات کا آغاز کیا اور تب اسے ایک اسے احساس
 ہوا کہ اب وہ اس طرح سے اپنی بات چیت کا آغاز اسی اعتراضی جملے سے کرنے لگا تھا۔ وہ بے اختیار مسکرا رہا تھا۔
 ”نانا آپ کچھ کہہ رہے تھے؟“ عکس نے اسے بات شروع کر کے پھر خاموش ہوتے دیکھ کر پوچھا۔ خیر
 دین نے بے پناہ شفقت سے خود پر بھی ان کھری چکی آنکھوں کو دیکھا۔ اپنی چڑیا کی آنکھوں کو..... پھر اسی طرح
 مسکراتے ہوئے کہا۔

”تم ٹھیک نہیں سمجھ چکے۔“ چڑیا اپنا حق لینے کے لیے جدوجہد کرنی چاہے اور اپنا حق لینا کوئی جرم نہیں ہے۔“ عکس
 خیر دین کی بات پر مسکرا دی۔

”یہ نہیں سمجھتی تھی نانا۔“ یہ ساری عمر آپ کہتے رہے۔“ اس نے جیسے خیر دین کو یاد دلایا۔ وہ ہولے سے
 ہنسا تھا۔ عکس نے خیر دین کا ہاتھ بڑی نرمی سے پھیلے ہوئے کہا۔ ”نانا میں اپنی authority کا
 استعمال بے مقصد انتقام لینے کے لیے بھی نہیں کروں گی لیکن میں جس چیز کو اپنا حق سمجھتی ہوں اسے حاصل کرنے
 کے لیے میں سب کچھ کروں گی۔“

خیر دین کو اندازہ نہیں ہوا وہ اسے اپنے اگلے کام کے لیے انکار کر رہی تھی۔ اس نے سر جھکا کر عکس کے اس
 ہاتھ کو دیکھا جس میں اس نے خیر دین کے ہاتھ کو لیا ہوا تھا۔ خوشی انکھوں والا بہت نرم ہاتھ جو کسی بہت چھوٹا سا
 تھا اور خیر دین نے اسے قلم تھا کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے لکھنا سکھایا تھا۔ خیر دین میز پر کھیریں..... آؤں
 ترجمہ حرف..... نوٹے چوٹے لفظ..... اور پھر اپنا نام..... عکس اور ابی..... اور اب جب وہ ہاتھ کاغذ پر اپنا نام
 لکھا کرتا تھا تو وہ کلکتی فریٹ ہوتا تھا۔ اس ہاتھ میں بہت طاقت تھی اور اس قلم میں اس سے زیادہ..... جس
 سے وہ اپنے علم سے دنیا کو سنا کر اور سنا کر کیا کرتی تھی..... وہ اس شخص کی بیٹی کے ہاتھ میں قلم کے بجائے جھانڈ
 پکڑانے پر اصرار کرتا تو وہ بھی وہی ہوتی اور وہی جتنی جتنی گانوں اور خاندان کی ساری لڑکیاں بنی تھیں.....
 بے شناخت وجود..... جن کے پاس انگوٹھا ہوتا تھا تو کتنے گانوں کے

بے شک تعلیم نصیب بدل دیتی ہے اور اسے بھی..... زندگی کا بدل جانا تو پھر مقدر ہو جاتا ہے۔ خیر دین نے
 نرم آنکھوں کے ساتھ اس ہاتھ کو چومنا جیسے ایک مٹھی مٹھی ہوئی مٹھی سے آسان تک پہلے ہوئے بچے تک اس نے اپنے
 خون سے پیچھا تھا۔

☆☆☆

ایک شیر دل کے دونوں ہاتھوں کی گرفت میں اس کا ہاتھ برف کا ہونٹا ہوگا۔ چند لمحوں کے لیے اسے ایسا
 ہی لگا تھا۔ اگر وہ ہاتھ برف کا نہیں ہوا تھا تو پھر وہ خود ضرور کچھ دیر کے لیے فریڈ ہوئی تھی..... وہ اس کا
 سانس..... اس کے دل کی دھڑکن..... کائنات کی گردش اور آس پاس کا شور..... آوازیں..... سب کچھ سب ہی
 کچھ..... چنکے بند..... چند منٹ..... وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں پہنچیں ڈالے دیکھتے رہے پھر وہ
 پہلی..... پہلی آواز شاید دل کی تھی..... دوسری سانس کی..... پھر سب کچھ ایک جھٹکے سے چلنے لگا تھا۔ بالکل
 پہلی کی طرح..... جاتی ہوئی سانس اور اوسان ایک ہی وقت میں لوٹے تھے۔

عکس نے اسی نرمی اور ہولت سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکال لیا تھا جس طرح اس نے اس کا ہاتھ

Be-Belle
INNERWEAR

Pakistan's First
2-Layer Fabric Bra

تھی۔ آج بھی ویسی ہی مشکل آن پڑی تھی اس خاموشی کو توڑنے میں۔

فلائٹ اناؤنس ہونے لگی تھی۔ ان دونوں نے بیک وقت اپنے باقی ساتھیوں کو دیکھا۔۔۔ ان میں سے کوئی بھی ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ ان کے درمیان چند منٹ پہلے کیا ہوا تھا شاید کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ کوئی دیکھ بھی لیتا تو شیردل کو اس کی پروا نہیں تھی۔ وہ سب اپنے اپنے بیگز اٹھاتے ہوئے بورڈنگ پاس ہاتھ میں لیے جہاز میں سوار ہونے کے لیے اٹھ رہے تھے۔۔۔ وہ اور شیردل بھی اٹھ کھڑے ہوئے تھے ایک دوسرے سے کچھ کہہ بغیر۔ جہاز میں ان کی سیٹیں ساتھ نہیں تھیں اور یہ عجیب طمانیت بخش شے تھی جیسے ان دونوں کے لیے۔۔۔ وہ ساتھ بیٹھ کر اتنا لمبا سفر خاموشی سے ایک دوسرے کے سامنے ٹوٹ جانے کے بغیر کیسے طے کرتے۔ وہ دونوں دوسرے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔

کراچی ایئر پورٹ پر ایک بار پھر وہ جیسے میکانیکی انداز میں ایک دوسرے کے پاس آکر بیٹھے تھے اور پھر سنگاپور کی فلائٹ پکڑنے تک اسی طرح بیٹھے رہے تھے۔ اپنے دوسرے ساتھیوں کے کسی سوال کا جواب دیتے ہوئے۔۔۔ ان میں سے کسی کے پاس آجانے پر اس کے ساتھ گپ شپ لگاتے ہوئے۔۔۔ لیکن آپس میں بالکل خاموش۔۔۔ سنگاپور کے لی کو ان یو این سیٹیوٹ آف پبلک پالیسی میں پہلے دو دن بھی انہوں نے اسی خاموشی میں گزارے تھے۔ تیسری شام کو شیردل اور وہ بالآخر شام کو اس عمارت کے لان میں جا کر بیٹھ گئے تھے جہاں وہ رہائش پذیر تھے۔ ”تم ہمیشہ سے جانتی تھیں میں کون تھا؟“ شیردل نے کسی سیاق و سباق کے بغیر اسی طرح ایک بے تکلف سوال سے گفتگو کا آغاز کیا تھا جس طرح تب چری والا سوال کیا تھا۔

”ہاں۔“ عکس نے آج بھی اسی شکل کے ساتھ وہی ایک لفظی جواب دیا تھا۔ اس کے برابر میں شیخ پر بیٹھے شیردل نے اسے دیکھنے کی کوشش کیے بغیر اس فوارے کے گرتے ہوئے پانی پر نظریں جمائے رکھتے ہوئے سر ہلایا جس سے کچھ فاصلے پر وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ یوں جیسے اپنے اندازے کے ٹھیک ہونے کا یقین تھا اسے۔ ”میرے نام سے پہچانتا تم نے۔۔۔ یا میرے چہرے سے؟ اب اسٹرابری والا سوال آیا تھا۔“

”تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟“ اس بار بالآخر بیوی والا سوال آ گیا تھا۔ ”کیا بتاتی تمہیں۔۔۔ کہ میں کون ہوں۔“ اس بار عکس نے اس سے کہا تھا۔ ایک بار پھر ایک عجیب سی خاموشی ان کے درمیان آ گئی۔

شیردل کی بھڑکیں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس سے کیا کہے۔ تمہید باندھے تو تمہید کے بعد کیا کہے۔۔۔ بعض دفعہ انسان کو ٹانگیں ہوتا لفظ کو ٹکے ہو جاتے ہیں اس کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔۔۔ معذرت کرتا تو کیسے اور کس بات کی۔ نہ کرتا تو۔۔۔ وہ اپنی می سے ملنے کے بعد سے جیسے اپنی راتوں کی نیند کو بیٹھا تھا۔۔۔ شاک 26 سال پہلے بھی لگا تھا اس رات اسے لیکن عکس کے تعارف نے جو شاک اب دیا تھا اس کی شدت بھی ویسی ہی تھی۔۔۔ اس رات کے واقعات کئی بار اس کی آنکھوں کے سامنے گزرے تھے اس کے ذہن کی اسکرین پر چلتے رہے تھے وہ یعنی شاہد تھا اس واقعے کا لیکن اب عکس کے سامنے بیٹھے ہوئے اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ یعنی شاہد بن کر بات کرے یا پھر ہر چیز سے لاعلمی اور بے خبری کا ڈھونگ کرے۔۔۔ دوسرا آپشن زیادہ مناسب تھا۔ زیادہ suit کرتا تھا اسے اور وہ دوسرے آپشن ہی کا انتخاب کرتا اگر وہ عکس مراد علی نہ ہوتی اور اسے یقین نہ ہوتا کہ اسے ریٹنگ کے پاس کھڑ

ہوا ایک بھولا نہیں ہوتا۔

”جو کچھ ہوا نہیں ہونا چاہیے تھا.....“ بہت دیر کے بعد شیردل نے بالآخر بات شروع کرنے کے لیے کچھ لے لٹکڑے لفظ ڈھونڈ لیے تھے۔ عکس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ اس کے لفظ مبہم تھے۔

”جو کچھ میں نے کیا وہ؟“ اس نے شیردل کی بات کاٹ کر اس سے پوچھا..... اس بار شیردل نے اسے دیکھا۔

”نہیں..... جو کچھ اس رات ہوا.....“ وہ بات مکمل کرتے کرتے بھی مکمل نہیں کر سکا۔

عکس نے کچھ نہیں کہا۔ وہ سننا چاہتی تھی وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔ جو کچھ ہوا تھا اس میں شیردل کا قصور نہیں تھا وہ اسے کسی لحاظ سے جواب دہ نہیں سمجھتی تھی لیکن پھر بھی سننا چاہتی تھی وہ کیا کہنا چاہتا تھا اس فیملی کے فرد ہونے کے حوالے سے۔

”اور تم یہ بھی جانتی تھیں کہ شہر بانو، انکل شہباز ہی کی بیٹی ہے؟“ شیردل نے وہ بات ادھوری چھوڑ کر اس سے اگلا سوال کیا تھا۔ اس بار وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

”ہاں۔“ عکس نے بھی اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔ شیردل کے چہرے پر بے حد عجیب سا تاثر آیا تھا۔ عکس کو اس تاثر کی توقع تھی اس نے شیردل کے چہرے سے نظریں ہٹالیں اور سیدھا دیکھنے لگی۔ شیردل نے اس کے چہرے سے نظر نہیں ہٹائی تھی۔ وہ اس عورت کو کبھی سمجھ نہیں پایا تھا نہ تب جب وہ اس سے نو سالہ ایک بچے کے طور پر پہلی بار ملتا تھا نہ اتنے سالوں میں جب وہ ایک دوسرے کے بہت قریب آ چکے تھے اور نہ آج..... وہ نہ چڑیا کو کبھی پایا تھا نہ عکس مراد علی کو..... اس نے ایک بار پھر اس کے چہرے سے نظریں ہٹالیں۔

”تم کچھ کہہ رہے تھے؟“ عکس نے یک دم اسے یاد دلایا۔ شیردل جان گیا تھا وہ کیا سننا چاہتی تھی اور وہی موضوع سب سے مشکل تھا۔ وہ دونوں ایک closure چاہتے تھے اور closure نہیں ہو پارہا تھا۔

”تم یہ سب مت کرو۔“ وہ جو اس سے سننے کی توقع رکھتی تھی اس نے وہ نہیں کہا۔ اور جو کہا تھا عکس کو اس سے عجیب مایوسی ہوئی تھی۔

”شیردل تم اس معاملے میں مت آؤ..... یہ تمہارا معاملہ نہیں ہے۔“ عکس نے جواباً بڑے مستحکم لہجے میں اس سے کہا۔

”عکس یہ سیری فیملی کا معاملہ ہے، میں اس سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتا۔ تم جس آدمی کو بنا رہی ہو وہ میرا اکل ہے سیری بیوی کا باپ ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ میں اس معاملے میں نہ آؤں کیونکہ اس معاملے سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے..... تم واقعی سمجھتی ہو کہ میں اس معاملے سے خود کو الگ تھلگ رکھ سکتا ہوں؟“ شیردل نے بے حد ٹھنڈی سی بات کہی۔ وہ خاموشی سے اس کی بات ختم ہونے کا انتظار کرتی رہی پھر اس نے کہا۔

”تم چاہو تو اپنے آپ کو الگ رکھ سکتے ہو.....“

”نہیں رکھ سکتا..... میرے خاندان کی عزت کی بات ہے یہ۔“ اس نے دو ٹوک انداز میں کہا۔ عکس بے اختیار ہنس دی۔ شیردل الجھا۔

”میں یہی سننا چاہتی تھی تمہاری زبان سے..... یہ تمہارے خاندان کی عزت کا سوال ہے اسی لیے تم غلطی پر ہو گئی۔“ عکس نے بھی آخری حد تک جاؤ گے مجھے اس کیس سے روکنے کے لیے۔ تم سمجھتے ہو عزت صرف تمہارے

اکی شرمیں، شہر بانو..... میں..... جی..... تمہیں اندازہ نہیں ہے انہوں نے اپنی زندگی کے آخری سال طرح گزارے تھے..... اور تم جانتی ہو انہوں نے خوشی کی قمی..... "دوبل ہاتھوں کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

"مجھے کوئی افسوس نہیں ہوا۔" شیردل کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزرا۔
"میں تمہاری فیکٹو سمجھ سکتا ہوں اس لیے مجھے کوئی حیرانی نہیں ہوئی تمہاری اس بات سے۔" شیردل نے ہم آواز کیا تھا۔

"شیردل تم کبھی میری فیکٹو نہیں سمجھ سکتے..... اگر مجھ سمجھتے تو شہباز حسین کے دفاع میں اتنا لبا..... argument نہ کرتے۔" عکس نے خنکی سے اس کی بات کاٹ کر کہا تھا۔ "لیکن میں تمہیں blame نہیں کروں گی..... وہ تمہارے انکل ہیں، تم انہی کی سائڈ لوگے..... اور ٹیک بھی ہے۔ تمہیں ان کو defend کرنا بھی چاہیے۔" عکس کا لہجہ دم ہو گیا تھا۔

"تم تجھی ہو میں اگر تمہارے ساتھ نہیں ہوں تو تمہارے خلاف ہوں۔" شیردل نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ "میں تمہیں بھی نقصان سے بچانا چاہتا ہوں۔"
"کیا نقصان؟" عکس نے بے حد سنجیدگی سے اس سے پوچھا۔

"تم تجھی ہو میری جھلی اتنی آسانی سے تمہیں بے گیس جیتنے دے گی اور تمہیں واقعی لگتا ہے تم بے گیس جیت جاؤ گی۔" وہ اب بے حد سنجیدگی سے اس سے پوچھ رہا تھا۔
"تمہیں لگتا ہے شیردل میں نے سوچے کچھ بغیر اس کنوئیں میں چلا جاؤ گا دی ہے میں نے کوئی calculations نہیں کی؟" عکس نے جواب اس سے پوچھا۔ وہ ایک لمحے کے لیے خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

"نہیں، میں کم از کم یہ تو نہیں سمجھتا کہ تم نے کوئی calculations نہیں کی ہوں گی۔ تم تجیں پیٹر ہو رہا جاں بہت سوچ کر چلتی ہو۔" اس کا لہجہ بات کرتے کرتے عجیب ہو گیا تھا عکس نے اس سے نظر نہیں ٹاکی۔
"جس کھیل چھوڑ چکی ہیں میں..... زندگی جوں سے بڑھ کر ہے۔" اس نے دور فوارے کو ایک بار پھر دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے شیردل سے نہیں پوچھا تھا اسے یہ کیسے یاد تھا کہ وہ جس کھیل کی تھی..... اسے اندازہ ہو گیا تھا صرف وہ نہیں جیسے چیزیں یاد رکھتی آتی تھیں..... کبھی کبھار کوئی ایسا ہی نہ بھولنے والا ملتا تھا۔

"وہ تمہارا سفر کر دین گے اس کے بعد تم کیا کرو گی؟" فوارے کے پانی کو ریشمیوں میں اچھلتے دیکھتے اسے اسے شیردل کی آواز آئی۔ اس نے گردن موڑ کر شیردل کو دیکھا۔
"وہ..... یعنی تمہاری جھلی؟" عکس نے بڑی سنجیدگی سے شیردل سے پوچھا۔ وہ اس کی جھلی کے اثر دور سوخ سے واقف تھی۔

"پھر کیا کرو گی تم؟" شیردل نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اگلا سوال کیا۔ "تم نے اس طرح ایڈیشن شریں کو ڈسے دائرہ مضامین ہے کہ سوچ کر کہ تم وہاں بیٹھی ہو اور تم اس کیس میں شہباز حسین کے احوال کو غلط ثابت کر کے خیر دین کو بے قصور قرار دے گی اور اس کے حق میں ثبوت اکٹھے کر کے جیٹ کر دو گی تمہیں

خاندان کی ہوتی ہے اور اس کی حفاظت کرنا صرف تمہارا حق ہے؟" وہ بڑی سزومہری سے کہہ رہی تھی۔ شیردل نے کچھ الجھ کر اس کی بات کاٹی۔
"میں نے ایسا نہیں کہا کبھی۔"

"تمہاری بات کا یہی مطلب لگتا ہے۔"
"غلط مطلب لگا رہی ہو تم۔"
"پھر تو سارا مسئلہ حل ہو گیا۔ میں بھی جو کچھ کر رہی ہوں اسے تانا کی عزت کے لیے کر رہی ہوں۔ مجھے کچھ ان کی عزت اتنی ہی پیاری ہے جتنی تمہیں اپنے انکل کی۔" شیردل چند لمحوں کے لیے اس کی بات پر کچھ بول نہیں پایا پھر اس نے جیسے کچھ بخانا ہو کر کہا۔

"تم غلط comparison کر رہی ہو کس۔"
"ہو سکتا ہے۔"
"انگل شہباز پر کچھ ہیں..... تمہیں اندازہ نہیں ہے انہوں نے کتنا suffer کیا ہے..... تم انہیں معاف کیوں نہیں کر رہی۔" وہ عجیب لکڑے انداز میں بولتا تھا۔ وہ انگل شہباز کی وکالت نہیں کرنا چاہتا لیکن اسے احساس ہوا وہ وکالت ہی کرنا تھا عکس کو بھی ایسا ہی محسوس ہوا تھا۔

"شیردل میں نے تم سے شادی کیوں نہیں کی تم جانتے ہو؟" اس نے عجیب رنجیدگی سے اس سے کہا۔ وہ نہ بھی کہتی تو بھی شیردل کو اس سوال کا جواب ہی دن مل گیا تھا جس دن خیر دین کی برطانی کے خلاف اور اس کی پیشین اور دوسرے واجبات کے لیے فائل کیے گئے تھے میں اس نے عکس مراد علی کا نام دیکھا تھا۔

"ہاں جانتا ہوں۔" شیردل نے اس سے نظریں ملانے بغیر کہا۔
"شہباز حسین جیتنے میں ہے اس کی۔" عکس جیسے اس کا ذہن پڑھ رہی تھی۔ "یہ کلاس ڈفرنس ہے جو اس کی جو بار بار تمہاری باتوں میں جھٹکتا رہا ہے۔" شیردل نے چونک کر اسے دیکھا۔ "تمہارے لیے تمہاری تکلیف بڑی ہے دوسروں کی چھوٹی۔" شیردل نے اسے بات کرتے کرتے ٹوک دیا۔

"میں نے بھی ایسا نہیں کیا۔"
"ہاں تم نے بھی نہیں کیا لیکن تم نے ہمیشہ جیتا۔ کبھی شوری طور پر کبھی لا شعوری طور پر..... جیسے ابھی سمجھتے ہو تمہارے انکل نے بہت suffer کیا ہے..... خیر دین نے نہیں جس کو صفائی کا ماسک دے دیے بغیر چوری کے الزام میں ملازمت سے برخاست کر دیا گیا۔ پیش اور برطرغ کے واجبات سے محروم کر دیا گیا۔ اس نے کوئی تکلیف نہیں کائی ہوگی۔" وہ بے حد خنکی سے بول رہی تھی۔

"تم نے....." شیردل نے کچھ کہنا چاہا۔ عکس نے اس کی بات کاٹ دی۔
"تمہیں شیردل تم پہلے میری بات سنو تم مجھ پر یہ جتنا چاہتے ہو کہ خیر دین کی تکلیف شہباز حسین کی تکلیف سے اس لیے کم ہے کیونکہ شہباز حسین کا گھر ٹوٹ گیا۔ بیوی بچی چھوڑ کر چلی گئیں اور وہ مر گیا تو اس لیے اس نے خیر دین سے زیادہ suffer کیا۔"

"نہیں، میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ انگل شہباز نے جو غلط کام کیا انہیں اس کی سزا ملنی چاہی اور اس سے بہت زیادہ نیکی جتنی کورٹ انہیں دے سکتی تھی۔ انہوں نے اپنے ہراس ریشم کو ٹھونکا جس سے وہ پیار کرتے

.....

لیکن عکس مراد علی اس کی طرح عقل سے پیدل نہیں ہوئی تھی۔ وہ بہت کچھ چھپا سکتی لیکن عالی اور مہارت کے ساتھ کہ کوئی دوسرا کچھ بوجھ نہیں سکتا تھا۔

”وہاں بیٹھے اسے یاد آیا تھا جب چٹا فریزر بی بی کی ڈسک میں یہ تکلف کیے کا وجود بار بار چکرنے کی کوشش کرتا رہی تھی اور اس نے اپنے ہاتھ منظر کے لیے تھے۔ ایک اس پر شریہ تھا ہوا تھا وہ اسے اسے نو سالہ بچی کی بے دلی کی جگہ پر تھا۔ وہ قوت برداشت تھی۔ وہی قوت برداشت جو اس نے کھوڑے سے گرنے کے بعد چند سال میں دوبارہ اسی کھوڑے سے پیچھے گر دکھائی تھی۔ وہ درد تھا اور درد سمجھ جاتا ہے انسان۔ لیکن محبت پر بند ہے ہاتھ تھے اس نے۔۔۔ ایک ایک شہر دل کو اس سے کیسکا تھا۔

☆☆☆

”مگر ہم بھی یہاں کیسے کر لیے آئے ہیں یہاں مارنے کو نہیں آئے یا پھر آپ میں اجازت دیں ہم باہر نکل آئیں۔“

”اچھا! لیجئے ہیں آپ تک میڈم کو پھل شوٹنگ کی پریکٹس کراتے رہیں، ہو سکتا ہے آپ کی بہت رنگ لائے اور میڈم اچھے اوپنکس میں پھل شوٹنگ میں گولڈ میڈل کے آپ کا اور پاکستان کا نام روشن کر کے آئیں۔“

”نکس! کوئی آئی تمی شیر دل کی جھلٹا نہیں لیکن اس نے سر جھکا کر تھک میں بکڑے۔ پھل کابلٹ چیر کر کھولے ہوئے اپنی لمبی چھائی۔ اسے بہت دیر سے دفاتر قائم کر لیں کو کہتے ہوئے اندازہ ہو رہا تھا کہ شیر دل اب کی بھی وقت بھٹنے والا۔“ وہ اس کی شکل اور باتا دیکھ کر بھی اس کی جھلٹا میں اور سے زاری کو پھانسا کر تھی۔

وہ لوگ ایلیٹ فورس کے ٹریننگ اسکول میں نشاۃ بازی کی تربیت کے لیے آئے تھے۔ وہ پہلا ڈی ایف جی گروپ تھا جن کی تربیت کا ایک حصہ نشاۃ بازی میں مہارت بھی تھا۔ تین روز اس تربیت کے پہلے ہی دن شہر لاکھنؤ کا موڈ اس وقت بری طرح آف ہوا تھا جس نے اسے اپنے گروپ کے اسٹرکچر کو مکمل طور پر یکس طرف متوجہ کر دیا۔ نتیجہً یہاں تھا۔ وہ لوگ چار جگہ کے گروپس میں تھے اور کل اسی کے گروپ میں تھی۔ انہیں پاکستانی پولیس کے بہتر استعمال اسلحے سے متعارف کروائے ہوئے اسٹرکچر نے پورا ٹھیکس کرکھ کر دیا۔ وہ دیا تھا بلکہ اس کا شاید بس یہاں تو وہ اس ٹریننگ سینٹر کو صرف وہاں ٹون کر دیا۔ ایلیٹ فورس کا وہاں پہلی بار ڈی ایف جی کی اس خاتون ایف کے ہتھے لگا تھا جو اسے سرکھری نہی اور خاتون ایف بھی وہ جن کے لیے اکیڈمی میں موجود بہتر سارے اسلحہات کلمہ بننے کے لیے تیار تھے اور وہاں بخار خوش قسمت تھا کہ 18 کے اس گروپ کی ”ہیروئن“ اس کی فلم کی اس اور اس اپنی اس خوش قسمتی اور اپنی اسٹرکچر کی بدلتی کا احساس بھی تھا۔

[illegible]

یہ اس لیے آسان لگتا ہے کیونکہ ہم پڑھ رہے ہیں۔ اسے پڑھنے کے لیے اس کا کوئی بھی شاہد نہیں ملے گا۔۔۔ وہ لوگ جنہوں نے انکھل شہزادے کے ماتحت عملے کے طور پر تہوارے ہمارے ہمارے خلاف بیانات ریکارڈ کروائے تھے اب اسے سالوں بعد انہیں بڑی آسانی سے غلط ثابت کر دیں گے۔ سب اتنا سیدھا وار آسان نہیں ہے۔ تم پڑھنے کے بعد وہاں پہنچنا اور دعوے استعمال نہیں کر سکتے۔ ہمیں فرض کرنا ہوگا کہ وہاں ڈی بی ایس ہیں تو کیا کرو گی تم پھر۔۔۔؟“ شیری دل اسے بڑی جھجکی سے مضمرات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”میں کہیں اپنی سٹھن سے ہونی تو تجھی میں ملے گا کہ زندگی میں ایک بار اپنے ہانا کو چوری سے اس کیس سے عزت بری کروا کر لانت سے کیٹھڑا اور ناجائز طریقے کا فیصلہ غلط قرار دوانے کی کوشش ضرور کرتی..... ان کی پشیم اور اوجاہت بجالا کر ان کی کوشش بھی ضرور کرتی۔“ اس نے جواباً یہ حد تک آواز میں شریل سے کہا تھا۔

”میں نے زندگی میں ایسے ہی نہیں سوجھا تھا کہ میں وہاں پوسٹ ہوں گی، جن میں نے ہمیشہ یہ سوچا تھا کہ میں اپنے تئیں کسی ساتھ پہننے والی اس یادگار کا الزام دہر کر دوں گی۔ دہر کر کا ملازمت میرے تانے کے لیے بہت مہینے تھی۔ انہوں نے بڑی جلد جھڑکے حاصل کی تھی۔ اس کے سر کا تاج تھا جو زندگی بھر کا انکا تھا۔۔۔ اور وہ deserve نہیں کرتے تھے کہ ایک رات۔۔۔ ان کے سر کے گرد ایک مٹی کی شیر دل کو لگا دیا جیسا کہ ہماری ہوئی آواز پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ شیر دل کے دل پر ایک عجیب سا جھب جھب آجے گا۔۔۔ اچھا۔۔۔

”میرے نانابوت بوڑھے ہو چکے ہیں اور ان کے اس باب زیادہ وقت نہیں ہے اور میں جانتی ہوں کہ میں ان کے ماتھے پر کئی ہوئی یہ واحد تہمت بٹا دوں۔ جس کا باعث میں تھی۔ میرے لیے یہ اہم نہیں ہے کہ میں یہ کیس جیتتی ہوں یا نہیں۔ اس کا کوئی فائدہ ہوتا ہے یا نہیں۔ میرے لیے اہم بات صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ میں نے اس کام کے لیے کوشش تو کی۔ میں کم از کم یہ جتاتا رہیں اور کھانا جانتی کہ میں نے کوشش بھی کی کہ اپنے انا کے لیے کچھ کرنے کی۔ میں جنہیں بالکل نہیں روکتی تھی اپنے انا کو defend کرو۔ اپنے خاندان کی سپورٹ کرو۔ جنہیں بالکل ایسا ہی کرنا چاہیے۔ میں صرف یہ جانتی ہوں کہ تیرے بھی ایسا ہی کرنے دو۔ تم میرے دوست ہو۔ اس مسئلے کی وجہ سے دوست نہیں رہنا چاہتے تو بھی تمہیں ہے۔ وہ مزید کچھ کہ بغیر اٹھ کر ہاں سے چلی آتی تھی۔ شیر دل وہ ہیں بیٹھا شام کے اندر میرے میں اسے دور جاتے دیکھا ہاں اس کے پاس عکس مراکلی سے کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے پھر مجھ کی کوشش کی تھی۔ ایک واحد اور آخری کوشش۔ وہ بیٹھا بیٹھا تنک تک عدس کو دیکھا کہ باجربک وہ نظر آتی رہی۔

”تم جانتے ہو میرا دل میں نے تم سے شادی کیوں نہیں کی؟“ عہدیار حسین جب نہیں سے اس کی وہ
ملاں ڈفرنس جو دیر سے جو بار بار تنہا رہی باتوں میں جھٹکتا ہے۔ تمہارے لیے تمہاری تکلیف بڑی ہے دوسروں کی
بھونٹی۔ ہاں تم نے کبھی زبان سے نہیں کہا کہ میں ہمیشہ جتایا۔ کبھی شعوری طور پر۔ کبھی لاشعوری طور پر۔“
وہ بات نہیں کر کے کبھی تھی اس کی انکے غبارے میں کل کارنگ تھی۔ ایک شہر دل کو کبھی اندازہ نہیں ہوا۔ کیا
یہ وہی ہے برتن جو وہ اپنے وجود کے گرد چڑھتا ہے۔ تمہارے اسرار رکھتی تھی۔ طبقاتی فرق اس کے اعتبار اور
ب۔ لیکن میں اتنا نمایاں تھا کہ دوسروں کو چھتا تھا کہ اس کو اس عورت کو کھڑو چھتا تھا جس سے اس نے واقعی
بیت کی تھی۔ اور پائیں وہاں بیٹھے بیٹھے اگلے بار کیوں یہ یقین ہوا تھا کہ وہ بھی اگلے ہی طرح اس کی
بیت میں جا لیں گی۔ اس پر مرنے کی جس کے لیے جان دے سکتی تھی۔ وہ جس چیز کو صرف اپنا جا لیں جیتتا رہا

میں ہے۔“ شیر دل جانتا تھا وہ اسی کے استقبال کے ہوئے لفٹا کو لے کر اس پر چوٹ کر رہی تھی۔
 ”دیکھیں گے۔“ شیر دل کرسی جھلاتے ہوئے سکر گیا تھا۔
 ”مروور.....“ عکس نے سکر کے کہا۔

”تم چیخ کر رہی ہو کہ تم مجھے فرائی نہیں لینے دو گی؟“ شیر دل نے اس کے جواب پر کہا۔ عکس جواب دینے کے بجائے اس کے کچر کسر کرادی۔“ ایک بے حد مگر..... بے حد حسی خیز..... لیکن چیخ کر رہی ہوئی سکر اب۔
 تقریباً آٹھ ماہ کے بعد CTP کے ٹریفک کے انتظام پر اس بار کوئی کارکنے دار مقابلہ نہیں ہوا تھا۔ اسپورٹس کا ایونٹ شیر دل کا نام رہا تھا۔ لیکن کوس کے تمام بچے زبوں دہائی میں ایک ہی نام نہیں کر سکا تھا۔ صرف وہی نہیں کر سکا کہ دوسرے آفیسرز میں سے کوئی بھی اکیڈمکس میں کسی ایک بچے میں بھی سمر اوپنل beat نہیں کر سکا تھا۔ اکیڈمکس میں اتنی داخ اور کٹر فز پر فارمٹس کے پروڈیوسر کی فرائی جیتنے کے لیے عکس کی باقی چیزوں میں بہت معمولی اور بیچ پر فارمٹس بھی بہت کامی تھی۔ اس نے شیر دل کو کڑا جواب دیا تھا۔ پاکستانی آؤٹ ceremony اینڈ کرتے ہوئے شیر دل نے پہلی بار عکس مراد کے لیے کسلے دل سے تالیاں بجائی تھیں۔ وہ ڈی ایم جی کی میسٹ پر ویڈیو کی فرائی حاصل کرنے والی پاکستان کی پہلی خاتون آئیڈل تھیں اور اس کے ایوارڈ سے پہلے اس کا یہ اعزاز بھی دیا ہوا تھا۔

دو سال کی ٹریفک کے دوران شیر دل ایک حریف کے طور پر اسے جتنا سخت مقابلہ دے سکتا تھا اس نے دیا تھا۔ اس نے بھی کہیں عکس مراد کی کیسٹ اور قابلیت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ یہی کچھ اس کو رب کے باقی 16 آفیسرز نے کیا تھا عکس مراد کی وجہ سے وہ بھی وہ اس کے ساتھ ایسا ہی کڑا مقابلہ کرتے لیکن اس کا عورت ہونا ان 17 مرد آفیسرز کے لیے جیسے ایک اور چیخ تھا۔ ان میں سے ہر ایک وہاں اپنی ذاتی prestige کے لیے تو لڑ رہا تھا لیکن وہ 17 لوگ اپنی صنف کی prestige کے لیے بھی لڑے تھے۔ جتنا اور جیسٹ لڑ سکتے تھے اور اب اس فرائی کے انتظام پر وہ 17 لوگ بالآخر ڈاکٹر سمر اوپنل کو تسلیم کر دے تھے۔ کسلے دل سے۔ اعلیٰ طرف ترقیوں کی طرح شیر دل نے بھی بالآخر عکس مراد کی کیسٹ کو خوش دلی سے تسلیم کر لیا تھا۔ اس عورت کے لیے عکس اور عظیم کے جذبات کے ساتھ اس کے باوجود کہ وہ اپنے چیخ میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

ہاں میں جیت پر ویڈیو کے لیے فخر یہ اعزاز میں تالیاں جھلاتے ہوئے فخر دین کو اس شام ممتاز شیر دل کی سال بعد پہلی بار دیکھا تھا۔ پہلی خاتون کیسٹ پر ویڈیو کے نام کے اعطائے پر ہاں انیڈنگ اوپنٹن اپنے کے لیے کڑا ہوا تھا اور وہ پہلا تھا جب پاکستان کے باہر اور اسٹارٹ لوگوں کی gathering میں ممتاز شیر دل نے فرسٹ رو میں اپنے اور اپنے شوہر سے کچھ فاصلے پر بے حد خوش و خوش سے تالیاں جھلاتے ہوئے فخر دین کو دیکھا تھا۔ کئی سال گزرے اور چہرے پر دراڑیں ہونے کے باوجود ممتاز شیر دل نے اس کو کچھ پیانے میں چند سینڈویچ لگاتے تھے جو ان کے خاندان میں ہونے والی سب سے بڑی ٹریفکی کا اہل رہا تھا۔ ان کا دیا عکس مراد کی سے بہت گیا تھا۔ کچھ دیر کے لیے وہ اس صدمہ کو کبھی بھول گئی تھیں جو ایک بار پھر اس فرائی کے شیر دل کو نہ ملنے پر انہیں ہوا تھا۔ کچھ دیر کے لیے ان کا ذہن جیسے بالکل blank ہو گیا تھا۔ مسافر فز میں وہ کوئی نہ کوئی کائنات تھا۔ فز میں وہ ایک گٹرنگ میں دیکھنے کا تھا۔ وہ کس دلاؤ کی وجہ سے وہاں موجود تھا۔ یہ بھی بہت دیر تک ان سے چھپا نہیں رہا تھا۔ انہوں نے شاک کے عالم میں

شروع کر دیا تھا اور پھر جب ایک بار انٹرکونکس کے بلانے پر آنے کے بجائے اسے عکس کی وجہ سے انتظار کروانا رہا تو ایک نے کانوں پر چڑھانے ہوئے ear pluge لگا کر بڑی فکری سے انٹرکونکس سے کہہ دی تھا۔
 چند لمحوں کے لیے انٹرکونکس کی بات کی سمجھ ہی نہیں آئی۔ بات مزاحیہ کی تو اسے لیکن یقیناً جسنے کے لیے نہیں کی تھی۔

”سراپ پہلے ان کی بات نہ لیں۔“ عکس نے انٹرکونکس سے کہا۔ وہ انٹرکونکس کی اس قدر توجہ کو خود بھی مضمر نہیں کر پا رہی تھی۔ انٹرکونکس بلانے کا خواستہ شیر دل کی طرف چلا گیا۔

بریک میں شیر دل اس کے پاس آکر بیٹھ گیا تھا۔ یہ اب روشنی میں ہونے لگا تھا وہ بے مقصد اس کے پاس آکر بیٹھا تھا اور پھر بات چیت شروع کر دیا آج بھی اس نے یہی کیا تھا۔

”اس طرح کے دو چار اوتھیں پھر لے تو یہ تو بیٹ پر ویڈیو کی فرائی ایک بار پھر تم لے جاؤ گی۔“ بڑے سرسری انداز میں بولی آئی اس بات میں بڑی تھیک تھی جو عکس نے عرض کی تھی۔

”ایکسی کو..... میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھتی۔“ اس نے بڑی شائستگی سے شیر دل کو کانٹے چا نہیں شیر دل کس موڈ میں تھا لیکن اس نے بڑے اطمینان سے اس کی CTP کی میسٹ پر ویڈیو کی فرائی کا ریڈٹ ان دودر دود کو دیا تھا جن میں سے ایک کا نام لینا وہ سونکا نام لینے کے مترادف سمجھتا تھا اور دوسرے کو وہ کھانا نہیں چھر سمجھتا تھا۔ بڑے استہزاء سے انداز میں اس نے عکس کو جتنا تھا کہ وہ اسپورٹس کے ان دو ایونٹس میں مردوں کی پانٹر شپ کی وجہ سے جیت سکی تھی اور صرف ان فوہات کی وجہ سے شیر دل اور اس کے پوائنٹس میں فرق آ گیا تھا ورنہ وہ بھی میسٹ پر ویڈیو کی فرائی اپنے بل بوتے پر نہیں جیت سکتی تھی۔ پانی کی بوتل سے پانی پیئے ہوئے عکس نے شیر دل کی یہ بکواس بے حد اطمینان سے کی تھی۔

”تمہارا خیال ہے وہ اسپورٹس پوائنٹس مجھے نہ ملے تو فرائی اب بھی تمہارے خاندان کے پاس جاتی؟“ اس کی بات سننے کے بعد اس نے بے حد شائستگی کے ساتھ شیر دل سے پوچھا تھا یوں جیسے وہ بہت اہم مسئلے پر اس کی رائے لے رہی ہو۔

”fact ہے یہ۔“ شیر دل نے کندھے اچکا کر کہا تھا۔

”شیر دل اس بار تو کوئی مکسڈ کمر نہیں ہیں نا..... تم اس بار میسٹ پر ویڈیو کی فرائی لے لو۔“ شیر دل چند لمحوں سے نظر نہیں ہٹا سکا۔ وہ عجیبہ دلی لیکن بلا کے اطمینان کے ساتھ اسے میسٹ پر ویڈیو کی فرائی جیتنے کا چیلنج یوں دے رہی تھی جیسے کسی بیکری کے کیک کھلانے کا کہہ رہی ہو۔

”تمہیں لگتا ہے میں نہیں جیت سکتا؟“ ایک ایرو بے حد جھکے انداز میں اچکاتے ہوئے شیر دل نے اس سے پوچھا۔

”کیوں نہیں جیت سکتے۔ تم ہمارے کان کے جیسٹ راکٹر ہو، جیسٹ سوکر ہو، جیسٹ ٹینس پلیئر ہو، مجھے یقین ہے جیسٹ شوٹنگ می تھی ہو گے۔ کیوں نہیں جیت سکتے تم۔“ اس نے اس طرح اطمینان سے کہا تھا جیسے ایک فام نچرا اپنے اسٹوڈنٹ کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اسے اس کی قابلیت کا یقین دلاتے ہوئے کسی بڑے مقابلے میں پیچھے کے لیے تیار کر رہی ہو۔

”لیکن بات یہ ہے ایک شیر دل کہ یہ اوپنٹس ہوئے تو تمہیں جیتنے پر کیمل ہیں لیکن خوش قسمتی سے یہ اوپنٹس

”چنانچہ میری بھی اس معاملے پر اس سے تفصیلی بات نہیں ہوئی۔ اس کے نانا کی تو وال کی ایک بڑی مشہور دکان ہے میں نے آپ کو بتایا تھا۔“ شیردل نے کہا شروع کیا۔
 ”اور جو اس کے سوتیلے والد ہیں وہ.....“ منزہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”اس کے نانا وال کی دکان کھولنے سے پہلے کیا کرتے تھے؟“ شیردل مائی کی بات پر ہنس دیا۔

”مئی ان کا بزنس ہے یہ اور بات established ہے..... یہی کرتے ہوں گے وہ ہمیشہ سے.....“ اس نے بے پروائی سے کہا۔ منزہ اب اس کا چہرہ بڑے غور سے دیکھ رہی یوں جیسے یہ جانچنے کی کوشش کر رہی ہوں کہ وہ اس کے کچھ چھپانے کی کوشش تو نہیں کر رہا تھا لیکن شیردل کے چہرے پر ایسا کوئی تاثر نہیں تھا جس سے انہیں یہ شک ہو سکتا کہ وہ ایسا چھپ کر اچھا۔

”یادہ اچھا چھپائی بیک گراؤ نہیں ہے اس کا۔“ منزہ نے بالآخر کہا شروع کیا۔ ”ویسے تم تو اس کے نانا سے اکثر ملنے رہتے ہو گے؟“ منزہ نے بات شروع کر کے یک دم کہا۔
 ”نہیں اکثر تو نہیں لیکن ہاں اس نے مل چکا ہوں چند بار پہلے بھی..... کبھی کبھار دوستوں کے ساتھ ڈانٹ و ٹانٹ کے دوران ڈاؤن آئی آئی جاتے ہوئے وال کھانے لے جاتے تھے میرے دوست وہاں..... یہ تو مجھے بعد میں پتا چلا کہ کس کے نانا ہیں وہ..... اچھے آدمی ہیں ویسے.....“ شیردل نے بے پروائی سے تبصرہ کیا تھا۔

”خاندان بڑا matter کرتا ہے۔“ منزہ نے یہ بات اس ساری گفتگو کے جواب میں کیوں کہی تھی اس کی کچھ میں نہیں آیا۔ ناس کی کچھ میں آیا..... منزہ شیردل کی کچھ میں..... لیکن وہ تھوڑی اور عکس کے بیک گراؤ ڈھکے حوالے سے منزہ کی باتیں سن رہا تھا۔ نہ جانے وہ منزہ کی بہت سی باتوں سے متفق تھا۔

ایک ڈیڑھ سے پاس آؤٹ ہونے کے ایک سال بعد منزہ کے سامنے شادی کے تذکرے پر سرسری انداز میں عکس کا نام لینے پر اس نے ماں سے دوبارہ یہی پچھرا تھا اور اس وقت اسے احساس ہوا اس کی ماں بہت پہلے اس خطرے کو محابہ بچ گئی تھی، نہ محابہ بچ ہوئی تو اسے ڈھکے چھپے لفظوں میں اپنے خاندانی ہونے اور خاندانی بننے کی اہمیت کو جاننا چاہی ہوئی۔ وہ ماں سے زیادہ بحث نہیں کر سکتا تھا۔ کہیں نہ کہیں لا شعوری طور پر وہ بھی طبقاتی فرق اور اچھے بیک گراؤ ڈھکے کی اہمیت پر یقین رکھتا تھا اور کہیں نہ کہیں وہ بھی عکس سرکاری سے شادی کرنے کی شدید خواہش کے باوجود اس ایک معاملے کی وجہ سے ہچکچاتا تھا۔ وہ ایک چمکا کا پروڈنل جو اس نے بظاہر بغیر غمخیز کی سے عکس کو دیا تھا اس نے ٹھیک کوئی پچھ کر لکھ کر دیا تھا..... اس کے کسی طرف سے اس کی دلچسپی کا اظہار ملا ہوتا تھا۔ مائی کی باتوں پر کسی نہ کسی حد تک عکس کا دفاع کرتا..... بالکل ایسی طرح جس طرح اس نے عکس کو دوسری بار پروڈنل کرنے کے وقت منزہ سے اس معاملے پر شدید بحث کی تھی..... وہ کہہ کہم کہم دوسری بار عکس سے شادی کرنے میں اس کے خاندانی بیک گراؤ ڈھکے کی وجہ سے متاثر نہیں تھا، مذہبی وہاں کو اس بات کے لیے blame کرتا تھا کہ عکس نے اس کی شادی نہ ہونے کی وجہ یہی تھیں..... اسے یقین تھا کہ اگر عکس راضی ہو جائے تو وہ ہاں کو مٹا لیتا..... شیردل کو اندازہ نہیں تھا کہ یہ اس کی خوش فہمی تھی..... وہ بخیر شیردل کو مٹا سکتا تھا۔ وہ منزہ بخیرا کو بھی راضی نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ یہاں مسئلہ خاندانی بیک گراؤ نہیں تھا، یہاں مسئلہ بہانہ نہیں تھا۔

☆☆☆

شرین شہباز حسین کو کبھی نہیں بھول سکتی تھی بالکل ایسی طرح جیسے شہباز حسین اس کی زندگی سے نکل جانے کو

بھول کر نال ہوئے نہیں ہو سکتا تھا۔ ان دونوں کی کم عمری میں شادی ہوئی تھی۔ شہباز ان دنوں امریکا میں اپنی زندگی گزار رہا تھا جب وہاں کسی ٹیلی فرینڈ کے ہاں اس کی شرمین سے پہلی ملاقات ہوئی اور تیسری ملاقات میں اس نے شرمین کو پروڈنل کر دیا تھا۔ وہ اس وقت 17 سال کی تھی شہباز 22 سال کا تھا۔ دونوں بہت اچھی تعلیم یافتہ تھے اور عمل و صورت میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔

”ان کی شادی پکچھلے ہیج تھا۔ سٹڈنٹ لائف..... Love birds temperamental تھا لیکن شرمین کے لیے یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ وہ اس سے اتنی محبت کرتا تھا کہ کسی قسمہ کر بھی لیتا تو بھی اسے خود ہی منایا کرتا تھا۔ وہ کبھی کبھار روک کر تھا لیکن شرمین اس کی اس عادت سے..... شادی سے پہلے ہی واقف تھی۔ اس کا اپنا فلیٹ سیٹ بھی اسے اپنا تیار لیا تھا کہ کبھی کبھار کسی شرب نوش اس میں زیادہ بات نہیں تھی۔ شہباز حسین میں اور کوئی خاصی نہیں تھی کم از کم جب تک شرمین ایسا کچھ اس میں دیکھ نہیں پاتی تھی جس طرح اسے کبھی پریشانی یا تشویش ہوتی۔ شادی کے بعد وہ سول میں رہا آیا تھا اپنے خاندان کے دوسرے لوگوں کی سہارا اور شرمین پاکستان شفٹ نہ ہونے کی خواہش رکھنے کے باوجود اس کی محبت میں اس کے ساتھ پاکستان چلی آئی تھی۔ اسے وہاں آ کر ایڈجسٹ ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگتی تھی۔ شہباز کی صرف ایک بہن تھی اور وہ بھی میری زندگی لیکن اس کی extended family کافی زیادہ تھی۔ شرمین کو اس کی ٹیلی میں بڑی گرم جوشی سے لیا گیا تھا۔

شادی کے دس سال بہت آرام سے گزرے تھے۔ شادی کے شروع کے چند سالوں میں اوپر نیچے کے تین بار miscarriages کے بعد شہباز شرمین کے بارے میں ضرورت سے زیادہ پر دیکھو ہو گیا تھا۔ شہر ہالو کی ہڈیاں کے بعد اس نے شرمین سے کہہ دیا تھا کہ اسے مزید بچوں کی ضرورت اور خواتین نہیں تھیں۔ شرمین خود بھی زیادہ اولاد میں دلچسپی نہیں رکھتی تھی۔ ان کی زندگی میں آنے والا واحد طفلانہ خردین اور چارہ کی وجہ سے آیا تھا اور وہ بالواسطہ ہی ان کے شہرے کی جڑیں اکھاڑ گیا تھا۔

سسرالینس سے شرمین کی کئی سالوں کے بعد لاہور کا ٹونٹ میں ملاقات ہوئی تھی۔ شہباز کی اگلی پوسٹنگ بہت عرصے کے بعد واپس لاہور میں ہوئی تھی۔ شہر بارہ لوتھ آٹھ سال کی تھی۔ سسرالینس ان کو ٹونٹ میں تھیں لیکن اس بار وہاں پر ہل کے طور پر نہیں تھیں۔ شرمین سے ان کی ملاقات اتفاقی ہوئی تھی۔ شرمین خود بھی لاہور کا ٹونٹ میں بہت بچپن میں چند سال پر تعلیم رہی تھی۔ سسرالینس کے ساتھ چھ سال پہلے ہونے والے تلخ تجربے کے باوجود شرمین ان سے بہت گرم جوشی سے ملتی لیکن سسرالینس اس سے جب بھی کچھ بھی تھی رہی تھیں۔ ان کے رویے نے شرمین کو ایک بار پھر چند سال پہلے ہونے والے اس واقعے کے حوالے سے جیس کا شکار کر دیا تھا اس نے اس بار شہباز حسین کو سسرالینس کے بارے میں بتانے کی حماقت نہیں کی تھی۔ وہ ایک بار پھر شہر ہالو کی کھولنے کے حوالے سے شہباز حسین کے رویے میں کوئی آفراتفری نہ دیکھنا نہیں چاہتی تھی لیکن اس بار اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ سسرالینس سے ان کے اور شہباز حسین کے درمیان ہونے والے تنازعے کی اصل وجہ جاننے کے لیے ضرور کوشش کرے گی اور اگر ممکن ہو تو وہ اس تنازعے کو بھی کھل کر اسے کی۔

وہ سسرالینس سے اس تنازعے کی وجہ جاننے پر اتنا اصرار نہ کرتی تو سسرالینس چڑا اور خردین کے ساتھ اگلے والے واقعات بھی شرمین کے ساتھ شیئر نہ کرتیں۔ سسرالینس سے سب کچھ سننے کے بعد شرمین اگلے کی



مجھ سے ملیے

مجھے نور افشاں فتح کہتے ہیں، میں سندھ کے ایک بیارے سے شہر شکار پور میں پیدا ہوئی۔ ہم چار بہنیں اور دو بھائی ہیں۔ میں سب بن بھائیوں میں آخری نمبر پر ہوں۔ مجھے میری سب دوستیں ”نور“ کہتی ہیں۔ دن کا آغاز میں اللہ پاک کے بیارے نام سے کرتی ہوں۔ میری تعلیم ڈبل ماسٹر ہے ایک انکسٹن میں دوسرے انگلش میں جو ابھی تکلیف ہوا ہے۔ میں مختلف سندھی اخباروں میں صفائیں بھی لکھتی ہوں۔ پانچ سال پہلے گلستا شروع کیا اور پہلا آرٹیکل ہی سیرٹ پر پرنٹ ہو گیا تھا۔ میرے ایک مونسے زیادہ آرٹیکل اور سات کہانیاں چھپ چکی ہیں۔ کھانے میں نیچے والی، چاول، میرانی، کلم، باریکی، کوفتے، شامی کباب، مچھلی بہت پسند ہے۔ چائے بھی میں بہت شوق سے پیتی ہوں۔ مجھے انجھی انجھی خوشبوؤں والے سارے پرنیوز اچھے لگتے ہیں۔ مہسووس میں مجھے سادوں کا موسم اچھا لگتا ہے جب میرا دل خوش ہوتا ہے۔ مجھے انیف ایم ریڈ پوسٹن کا بھی بہت شوق ہے، شکار پور اور گمرانف ایم کے لایو پر کراسز میں بھی حصہ لیتی رہتی ہوں۔ فارغ وقت میں ڈائجسٹ پڑھتی ہوں۔ دردو پاک پڑھتا، بھی آرٹیکل لکھنے کا کام، مجھے اپنی بہنوں کے ساتھ بہت محبت ہے اور وہ بھی مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں میں اپنی چھوٹی سے چھوٹی بات انہی بہنیں کو بتاتی ہوں، مجھے آج اور عمر کرنے کا قوت بہت بہت شوق ہے۔ اللہ کرے میری یہ خواہش اس سال ہی پوری ہو، آمین۔ آپ دعا کریں گا بلیز۔

مرسلہ نور افشاں، شکار پور

معلوم ہو سکا وہ سب تسلی بخش تھا۔ چنانچہ آج جب اریب کے گھر والے رشاکو کھینے آ رہے تھے تو رشاکو کے گھر والے مضہن تھے کہ بظاہر ہر کسی کا دھن نہیں ہو رہی تھی۔ امید بھی کمرشٹھ طے ہو جانے کا۔

”مسیر اللہ بہت مہربان ہے۔ دلی سب کی سننے والا ہے، ورنہ یہ دنیا والے تو کسی کے کام نہیں آتے۔ اس پاس، خاندان، برادری میں رشاکے جوڑ کے کسی لڑکے سے تھر گران کی ماؤں، بیٹوں کے مزاج آسانوں سے باتیں کر رہے ہیں لیکن میرے اللہ نے مجھے گھڑا کی بھی بن لی۔ ایسا نیک خوبو اور پیسے والا دام

لڑا اٹھی تھی کہ اس کی نور شادی ہو جائے۔ مگر انسان کی غراہش میں دن پوری ہو اس قدر آسان نہیں ہوتا۔ اس اثنا میں رشتے تو کئی آئے مگر بات نہیں بن سکی۔ رشاکو نے گھر میں فارغ ہونے کے بجائے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ ابھی چند ہفتے پہلے کسی عزیز کے ہاں ایک تقریب میں کسی خاتون نے رشاکو کو اپنے بیٹے کے لیے لہا کر لیا۔ رشاکو ای اور بھائی سے ملاقات بھی کرتی اور اپنی خواہش کا اثنا میں اظہار بھی کر دیا۔

رشاکے بھائی اور والد نے اریب کے بارے میں معلوم کیا بھی کسی حد تک کہ نہیں۔ ابھی تک جو کچھ

ہے عادت اچھی تھی کہ وہ بیبلے کے پیچھے پیچھے بھر کر اس کے ہر کام کا باریک بینی سے سرزنش کی طرح معائنہ نہیں کرتی تھیں۔ سرزنش تو فیصلوں کے کف، کار، شلوار کے پانچے پھر شکر کو دیکھتیں۔ ذرا سادہ دکانی دے جاتا تو دوبارہ دھواؤں لیکن ان کی اس میں بخ ٹکا لے والی عادت کو جیلہ خوش دلی سے اس لیے برداشت کرتی تھی کہ وہ اجرت بہت فراخ دلی سے دیتیں۔ مقررہ تنخواہ کے علاوہ بھی اکثر ہی اسے کچھ نہ کچھ دیتی رہتی تھیں۔

عقیدہ باجی بچن میں کھانا بنارہی تھیں، ساتھ ہی ساتھ کپڑے دھونے کے لیے مشین لگا رکھی تھی۔ جیلہ نے ہماڑ پور پر گھر کی لگا دی لیکن پوچھا صرف لاڈ اور ڈانگ روم میں لگایا۔ ہاتھ روم میں صرف وغیرہ ڈالنے کے بجائے صرف پانی بہا کر اپنا کام ختم کیا۔ البتہ لاڈری اور بچن اسے انجھی طرح صرف اور عام ڈال کر گڑ گڑ کر دھویا۔ عقیدہ اس کی جانفشانی دیکھ کر خوش ہو گئیں۔ فرخ نے اسے رات کا پچاسا سن اور چاول ڈال کر جیلہ کے حوالے کیے۔

عقیدہ باجی کی مہربانی پیتے کچھ کھانے پرانے کپڑوں تک کچھ دور دیتی کی۔ حمید، بقرمید پر تنخواہ کے علاوہ نقد رقم ہاتھ میں رکھتیں۔ جیلہ کے خیال میں انہیں صاحبہ یعنی عقیدہ کے میاں کی تنخواہ اچھی تھی لیکن عقیدہ باجی کافی کفایت شعار تھیں۔ تیوں نے ابھی چھوٹے ہی تھے لیکن وہ ابھی سے ان کے مستقبل کے حوالے سے منصوبہ بندی کرتی رہیں۔

”باجی، میں کھانا ابھی اپنے فرخ میں ہی رکھے رہتے دیں۔ کل لے جاؤں گی۔“ جیلہ کو فرخ لے کے ہاں سے زیادہ اچھے مال کی توقع تھی۔

فرخانہ کے ہاں کافی کام پھیلا ہوا تھا۔ عرفانہ کی ساس نے پورے گھر کو کپڑی بنا رکھا تھا۔ رشاکو بھی لیکن ہوئی خوش شکل لڑکی تھی جو بچپن کے بعد اس کی ای کی تو

امید تھی، پھر وہاں سے اسے قریبی صاحب کے ہاں جانا ہوتا تھا۔ جب تک شام ہو جاتی تھی۔ وہ اس کمر میں کپڑے دھوئے اور اس کی کام کرتی تھی۔ گھر سے جاتے تھے کہ کچھ ہو جاتی مگر پھر اسے گھر کے کام بھی کرنے پڑتے۔ تیوں نے ابھی چھوٹے تھے۔ بڑا بیٹا بارہ، تیرہ برس کا تھا۔ اس سے چھوٹی بیٹی دس برس کی اور سب سے چھوٹا بیٹا سات برس کا تھا۔ تیوں نے کچھ کچھ کے سرکاری اسکول میں پڑھتے تھے۔ بے شک پرائیوٹ اسکول کی طرح شاندار خرچ نہ تھا مگر کچھ کتاہیں، کاپیاں، پیٹھارم وغیرہ کا خرچ تو تھا ہی۔ جیلہ کی طرح اس کے شوگر ہو بھی شوق تھا کہ اس کے بچے پڑھ لکھ جائیں۔ مذہب ایک فیکری میں روزانہ کی اجرت پر کام کرتا تھا۔ بیچ تان کر گزارہ ہو ہی رہا تھا مگر اس مذہب کی جو کسی عفریت کی طرح پھیل چکی تھی اب تو وہ وقت کی روٹی بھی دو بھر کر دی تھی۔

گئیں، بجلی کی کٹی کی گھنٹوں اور دونوں کی بندش نے فیکری کی بجلی کو بھی پریشان کر رکھا تھا۔ ان کی پریشانی کا اثر پڑنا تھا۔ روزانہ اجرت پر کام کرنے والے کارکنوں پر یہ لوگ آئے دن چھائی کی زد میں آتے رہتے۔ مذہب بھی اس آفت کا شکار رہتا۔ اگرچہ جیلہ بھی اس کی نوکری جاتی رہتی تھی مگر اس قدر پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ وہ ایک سختی کا گھر تھا۔ اسے جلد ہی دوسری جگہ نوکری مل جاتی تھی مگر آج کل جس طرح ملک کے معاشی حالات دگرگوں تھے اسی طرح مذہب اور جیلہ کی پریشانی بھی روز بروز بڑھ رہی تھی۔

اب کی بار جب مذہب کی نوکری ختم ہوئی تو دوسری مل ہی نہیں رہی۔ جیلہ کی تنخواہ میں پورائی نہیں پڑتا تھا۔ گھر کا کرپ، بجلی، گیس کا بل۔ جیلہ نے اچھے دنوں میں جو عورتی بہت بچت کر کے رکھی تھی کہ اپنا گھر بنائیں گے، وہ تیزی سے خرچ ہو رہی تھی۔ جیلہ نے مہرئی سے اپنا کام ختم کیا۔ عقیدہ باجی کی

اب سے کوئی خاص حساب رکھنا نہیں، اس بات مان لی۔ اس نے درخواست کھی، میرے

فوتبصورت کہانیوں کا مجموعہ

شام کی چائے پزلے کے والے آئے اور اگلے ہفتے
 ہمشاکے گھروالوں کو مدعو کر گئے۔ اریب کی امی کہہ
 لگیں کہ انہیں رہنمائی بہت پسند آئی۔

یہ سچ تھا کہ عروج اور مسعود کی باقاعدہ منگنی وغیرہ

یہ طے ہوا تھا کہ اللہ کو منظور ہوا تو عروج کی تعلیم مکمل

65 جون 2012ء

خزل

کچھ دیر مجھے بھی مہکاڑ بستی میں اُجالا بن جاؤ
انست پون کے جھوکوں سے بھولوں کی لالائیں جاؤ
ہے اپنے حسن پہ ناز اگر تو روپ گھر میں بس جاؤ
یہ چاند پرستی چھوڑ کے تم خود چاند کا ہالہ بن جاؤ
گم سایہ بن کر چلے ہو، گم دھوپ کی صورت چلتے ہو
گر جیتنا چاہو دل میرا تو روپ نرالا بن جاؤ
کیون قطعہ قطرہ پیتے ہو، نہ مرے نہ ہونہ جیتے ہو
یا چھوڑ دو مجھ سے یہ وہ نوشی یا زہر کا پیالہ بن جاؤ
دل بس کر دکھ کھلے گا، ہے شرط تہا راسخا لے
تم رشت بنو یا شہر بنو یا پاؤں کا چھال بن جاؤ
یہ لیاں لیا ہے بھئی نے، ہے نشہ تہا ر ہاتھوں میں
یا بادہ بنو یا جام بنو یا ایک نرالا بن جاؤ

☆☆☆

دوبا

اپنے دلیں کے لوگوں نے یوں رسوا کر دی تار
کھینچ کے چادر اک بٹنی کی جتنے رہے سر دوار
کلام بھٹی احمد، کراچی

۱۰۰ مارا کی گئی اور کھانا کھایا گیا کھانے کی تعریف
کرتے ہوئے سب خاتمن مسز قریشی کو تسلی دے رہی
تھیں

”آپ پریشان نہ ہوں، آپ کے بیٹے کی مشکل
آسان ہوگی“ (اگرچہ مسز قریشی نے مشکل کی تفصیل
فہم نہ تھی مگر خاتمن سن پنداش آرائیوں میں
مصرف تھیں لیکن مسز قریشی سے بات کرتے ہوئے
ان کا لہجہ اور انداز بدل گیا تھا۔

”ہاں، بالکل، دو تین گھنٹے میں آتے کریمہ کا
ختم آسان ہو نہیں، جب یہ ہو گیا تو ہر مشکل بھی آسان
ہوگی، انشاء اللہ“

”تمہاری صاحب بیٹے سمجھ کر تیار نہیں تھے کہ ہم
صرف ختم قرآن کے لیے جاتے ہیں مگر میں نے کہا آپ
بتانا نہیں گئے مدت کے لیے چندہ دوں گی۔ بس اللہ
کرے میرا فیضان مشکل سے نکل آئے“ مسز قریشی کہہ
رہی تھیں اور خاتمن ان کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھیں۔

”بالکل، آپ پریشان نہ ہوں، اللہ بہت مہربان
ہے اسے جب بھی کیا جائے وہ ختم ہے۔ (شبکے)
اس کے سوا کوئی مچھونڈیں، وہ پاک ہے، ہر صیب بے
ہرگز وری ہے، اسے کسی کی ضرورت نہیں اور سب کو
اس کی ضرورت ہے، وہ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا
ہے۔ بغیر مانگے، بغیر استحقاق کے دینے والا ہے۔“

لیکن انسان بے دل سے یہ کلمات بھی کب کہتا
ہے؟ اسے ہمارے سب ہم نے اپنی جانوں پر چڑھایا۔ ہم
مسلمان اس اوزم اترائیں گی بھئی کا حق ادا کرنا تو ہر
ایک طرف زبانی اقرار بھی کسی کی کرتے ہیں اور جب
ادمان پر اپنے نگہگار ہونے کا اعتراف ہوتا ہے تب جب
دل میں کسی اور گناہ کا منصوبہ ہوتا ہے۔ شاید ہم سب یہ
اکل جاتے ہیں کہ وہ رحمان اور رحیم ہونے کے ساتھ
لہا دمی ہے۔



میں صاحب اور بیگم صاحبہ مجھے دے چکے ہیں اور ابھی
کام کرتے صرف دس دن ہوئے ہیں۔ میں تو سوچ رہا
ہوں تمہیں بھی اسی پنکٹ پر کامل جانے“

”ہاں..... چرش عقیلہ باجی کے گھر کا کام چھوڑ
دوں گی۔ وہاں سے ملتا ہی کیا ہے، خالی سوچی خواہ۔“
”اور میں تو وہاں کر رہا ہوں ان کا چکیہ ادا نہیں نہ
آئے اس کی بیماری لمبی ہو جائے“

”نہ تو خوب محنت سے کام کر، صاحب لوگوں
پر اپنی دھاک بٹھاؤ، جب تک ادھر ہے تب تک تو
انعام لیتا رہ۔ اللہ کرے تیری ہی نوکری کی ہو جائے۔“
☆☆☆

جیلہ مسز قریشی کے گھر آئی تو وہ پریشان ہی تھیں۔
بار بار فون پر بات کر رہی تھیں۔ ان کی ایک بیٹی اور ایک
بیٹا ملک سے باہر تھے جب کہ ایک سب سے بڑا بیٹا
اسلام آباد میں کسی اعلیٰ سرکاری عہدے پر تھا۔ شاید
کسی بچے کا کسی کو مسئلہ تھا۔ مسز قریشی کہنے لگیں۔

”جیلہ، ڈرائنگ روم اور لاؤنج اچھی طرح
صاف کرنا اور لاؤنج میں چاندی بچھاؤ آیت کریمہ کا
ختم کروانے۔“

”تیرے بیٹے صاحبہ!“
”ہاں، تیرے ہی ہے، جس پر دنیا والے حسد کسی کو
خوش اور مطمئن اور ترقی کرتا نہیں دیکھ سکتے۔ فیضان
(بڑا بیٹا) کے کسی حسد نے اس کی شکایت کر دی۔
انکو انری ہو رہی ہے۔ اللہ میرے بیٹے کی حفاظت
کرے، آمین۔“

اکٹھراؤں کی طرح مسز قریشی بھی اپنے بیٹے کے
کرڈوں کے فرائض اٹھائیں بند کیے تھیں۔ جیلہ نے
بھی زور دھرتے ہی

عصر کے بعد سے ہی عورتیں آنے لگیں۔ کسی
مدرسے سے طالب علم بھی بلوائے تھے۔ سوا لاہر تہ
آیت کریمہ پڑھنا تھا۔ کسی باہر تہ اور جانے دی گئی۔
تورم، برائی، دروست جہت اچھا بنوایا گیا تھا۔ عشا کے

شباتھی کارڈ کی کاپی بھی مجھ سے لی اور پھر کہنے لگا میرا
ایک دوست اس ٹیکسری میں کام کرتا ہے اسے کہوں گا
کہ انڈیو کی درست تاریخ وغیرہ بتا کرے آئے۔
مشتاق نے کہا میں اخبار میں اشتہار آیا ہے۔ تاریخ وغیرہ
لکھی ہے۔“

”ابھر بھی وقت یا تاریخ تبدیل ہو سکتی ہے، میرا
دوست صحیح اطلاع دے گا پھر اس نے مجھے آج کی تاریخ
بتائی۔ آج ہی فیکسوری کی تو معلوم ہوا انڈیو کو کل
ہو گیا۔ منظور سے بات کی تو آئیں بائیں نہیں کرنے
لگا۔ مشتاق نے ہی مجھے بتایا کہ منظور نے اپنے بھائی کو
اشروہ دیا۔ اسے نوکری مل گئی۔ منظور کو ڈرتا کرتا تھا

تجربہ زیادہ ہے اگر تم آگے تو تمہیں نوکری ملے گی اس
کے بھائی کو نہیں۔ اسی لیے اس نے تمہیں غلط تاریخ
بتائی۔“

جیلہ کو بھی انوس تو بہت ہوا مگر نڈر کو تسلی دلاسا
دینے لگی۔

”تم پریشان نہ ہو، اللہ ہے نا، ہم غریبوں کا
سہارا۔ وہ بہت رحم کرنے والا ہے، کوئی نہ کوئی دیکھتا ہے
ہی دے گا۔ مسز قریشی کے ہاں، رہتے درس ہوتا ہے۔
درس والی ہائی اسکول میں جاتی ہیں اور دیکھو آج عرفانہ
باجی کے گھر سے اکٹھے اچھول گئے ہیں۔“

”ہاں یہ تو ہے۔۔۔۔۔ مشتاق..... کہہ کر ہاتھ
جب تک مجھے نوکری نہیں ملتی، پنکٹ میں بیٹھ کر
لے چو کہ راری کی ضرورت ہے، مشتاق کا بھائی اسی پنکٹ
میں ڈورا پڑے۔ اس کی حفاظت پر نوکری ملے گی۔“

”چلو، چلو تو سہارا ملا۔“ جیلہ بھی مطمئن ہو گئی پھر
کچھ دنوں بعد نہر نے جیلہ کو بتایا۔

”بہت دل والے ہیں اس پنکٹ والے، دولت تو
بہت لوگوں کے پاس ہوتی ہے لیکن تو دنوں اور غریبوں
پر فرج کرنے کا حوصلہ کسی میں ہوتا ہے۔ جتنی میری
انکو اضر ہوئی ہے تقریباً اس سے آگے تو بچی انعام

ایسے دلِ نادران

میمنڈو شرید

افق سو رہی تھی کہ اس کا
فون بجا۔ وہ نیند سے
جاگی اور فون سنا۔
فون ماہ پارہ کا
تھا۔

”حادثہ برنس کے سلسلے میں ملک سے باہر چلا
گیا ہے۔“ ماہ پارہ نے حال پوچھنے کے بعد بتایا۔
”آخرانی بھی کیا جلدی بھی حادثہ کو۔ مجھے بتایا
تک نہیں۔“ افق حیران ہوئی اور بے ساختہ کہہ بیٹھی۔
”بتادے گا۔ فون پر ہی تو بتانا تھا اس نے
تمہیں۔ اصل میں اسے امیر جنسی میں جانا پڑا ہے۔
قریباً ایک مہینے تک وہ ایسی ہوئی اس کی، تم ایسا کرو
اسنے دن تک اپنی ای کی طرف ہی رہ لو۔ تمہیں بھی
تھوڑا چنچل مل جائے گا۔“ افق کے داغ میں
آندھاں چلنے لگیں۔

”میرے ایڈیشن اشارت ہو گئے ہیں خالہ۔ یہ
وقت نکل گیا تو پھر میرا ایڈیشن بہت مشکل
ہو جائے گا۔“

”یہ کام تو حادثہ نے کرنا تھا۔ میں تو
ان معاملات کو نہ سمجھتی ہوں نہ ہی
کچھ کر سکتی ہوں۔“ ماہ پارہ نے
اس بات کو بغیر ضروری سمجھتے
ہوئے کہا۔

”تو خالہ آپ کو
بات تو کرنا تھی
حادثہ
سے۔“

”کسی اپنی باتیں کر رہی ہوتی۔ اس کے برنس
کر رہی کچھ ہے اور میں اپنی جلدی میں اس
بات کرتی۔ کیا اپنی نادان ہوتی۔“ افق کو ایسا لگا
اس کا بتایا تاج محل سی سے مسکرا رہا ہو۔

”اچھا سنو! اپنے کپڑے وغیرہ اور ضروری
میں جوتے لے لیتی ہوں آکر لے جانا۔ آخر تم اسنے
مل روکی اپنی ای کی طرف، تمہیں کپڑوں وغیرہ کی تو
اورت پڑے گی نا۔“ ماہ پارہ بولیں۔ ”اور سنو اپنی
صحت وغیرہ کا خیال رکھنا، حادثہ آئے گا تو میں نہیں
ہلک اپ کے لیے ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گی۔“
”وہ کس لیے؟“ افق نے خشک سے سچے میں
کہا۔

”ارے ابھی اتنی کمزور ہوتی تمہیں چیک اپ کی
ضرورت ہے۔“

افق نے فون بند کر دیا۔ غم و غصے سے افق کی
حالت تباہ تھی۔ اس نے فون کیا لیکن حادثہ فون انشیز
نہیں کر رہا تھا، افق کا غصے سے برا حال تھا۔

اگلے روز حادثہ کا خود ہی فون آگیا لیکن افق
نے فون انشیز نہیں کیا۔ حادثہ کو یہ بات بہت چھی۔
اس سے بات کی تو انہوں نے حادثہ کو منع کر دیا کہ
اب وہ فون نہ کرے کیونکہ افق نے ان کے ساتھ بہت
بگڑ چکی ہے۔ خوب زبان درازی کی ہے۔ حادثہ
کو اس کی عزت زیادہ عزیز تھی، اسے یہ بات اور بری
لگی۔

افق کی بے چینی اور پریشانی دیکھتے ہوئے عمارہ
گھر سے اسے ٹھونے کی کوشش کی کہ وہ کس پریشانی میں
ہے۔ افق نے عمارہ کو سارے حالات کے بارے میں
تفصیل سے عمارہ بتائے۔ افق کو سمجھایا کہ وہ حادثہ کو فون
کرے اس سے بات چیت کرے یوں سلسلہ منقطع کر
کے نہ دیتے۔ افق کو یہ بات سمجھ گئی کہ اگر وہ حادثہ
سے رابطہ نہیں رکھے گی تو اور پریشانی میں مبتلا ہو جائے

گی۔ افق نے حادثہ کو فون کیا اور عمارہ بتیکم کے
سمجھانے پر حادثہ سے شکوہ کیا۔

”بغیر بتائے اور بغیر مجھ سے ملے دیار غیر چلے
گئے۔ کیا آپ کے دل میں اپنے جیون ساتھی کی یہی
قدر ہے۔“ حادثہ پہلے ہی بھرا بیٹھا تھا۔ افق کی
دلجوئی کے بجائے اسے ہی برا بھلا کہا اور افق کو ہی
الزام دینے لگا۔

”تم نے کون سا جیون والا حق ادا کیا ہے کہ
میں تمہیں اس قابل سمجھتا۔“ افق حادثہ کی باتوں سے
بدول ہو گئی اس لیے اسے مقصد کے بارے میں بات
نہیں کی۔ عمارہ بتیکم نے افق کو سمجھایا کہ فی الحال وہ ممبر
کرے اور حادثہ کے آنے کا انتظار کرے یوں جلد
پاڑی سے کام نہ لے۔ ایک مہینہ افق کا جلنے کڑھتے
گزر گیا۔

ایک مہینے بعد حادثہ آیا تو ماہ پارہ بتیکم نے عمارہ
کو فون کیا اور وہ روکے سچے میں حادثہ کے آنے کی
اطلاع دی۔

”میری تو طبیعت ٹھیک نہیں جو آسکوں تم افق کو
عمارہ کے میرے راز کر دو۔“

یہ بات افق کو ہی کیا سارے گھر والوں کو بہت
بری لگی اس کے باوجود عمارہ، افق کو اس کے گھر
چھوڑ آیا۔

عمارہ حادثہ سے ملنے کے لیے
ڈرائنگ روم میں بیٹھا رہا لیکن
حادثہ، عمارہ سے ملنے نہیں
آیا۔ ماہ پارہ بتیکم نے
جھوٹا جواز دیا کہ
حادثہ گھر پر
نہیں

انتاہی یاد آ

انتاہی یاد آئے

کہ زندگی کی کا زار نہ بنے

سائنس جسم کا بار نہ بنے

خوشی ملے تو خوشی میں

کوئی دکھ کی مجال نہ ہو

آنکھ کی روشنی کے پیچھے

ہلکی سی نمی نہ ہو

انتاہی یاد آ

کہ زندگی کا نیا سفر

آسان ہو جائے

ہمسفر جو ملے

زندگی کا

ہوم ہو جائے

خوشی کے رنگوں میں

خوشبوؤں کے ریلے میں

میں ڈوب جاؤں

تو میرے اس

ڈوبنے میں

میر اور تمام تر آبادی کے ساتھ

شامل ہو

ہر صبح سے آزاد ہو دل

برخیال سے بے نیاز ہو دل

انتاہی یاد آ

شاعرہ نسیم غازی، لاہور

کی ہے آپ نے میرے ساتھ۔“
”یہ تم کس لیے میں ای سے بات کر رہی ہو۔“

کبھی میں نے اس طرح بات نہیں کی ای سے۔“
”تو کس لیے میں بات کروں میں۔ وعدہ خلافی

کی ہے انہوں نے میرے ساتھ۔ جھوٹ بول کر میرا گھبراہٹ میں بھاگے۔“

”بھوسا بند کرو اپنی۔“ حارث نے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ وہ چپکرا کر گر گئی۔ حارث کا ہلے

افق کے لیے بالکل غیر متوقع تھا۔ وہ گنگ رہ گئی۔ وہ حیرانی سے حارث کو دیکھتی رہی پھر اپنے کمرے میں جا کر رہ گئی۔

”سارا دن ہو گیا ہے تمہارا یہ ڈراما دیکھتے ہوئے مجھے۔ یا تو تم سیدھی طرح سے اپنا کمرہ باندھ لو یا اپنا بول

بستر بیکار اور یہاں سے نکلو۔ کیوں زندگی بھر کی بات کر رہی ہو۔“

”یہ تم نے میرے لیے کی۔“ پورا دن گزرنے کے بعد ماہ پارہ بیٹھ کر کمرے میں آ کر کہا۔

”زندگی تو میری خراب کی ہے آپ نے۔ دھوکا دیا ہے مجھے۔ جھوٹے اور دعا باز لوگ ہیں آپ۔“

”تو کس لیے میں بات کر رہی ہوں۔ تم نے عیش و آرام میں رہ رہی نہیں ناں۔ گھر والوں نے

پرانے کا ٹھکانہ کی طرح تمہیں اسٹور میں پھینکا ہوا تھا۔ میں نے تمہیں سچا سنوار کر ایک نیا بپا موتی

تمہارے گھر میں ڈالا اور تم نے اس موتی کی کسی قدر نہیں کی۔“

”آپ کے لیے ہو گا وہ نیا بپا موتی میرے لیے تو ایک بچہ ہے احساس سے لائق۔ غرض پوری

کرنے والا ہے۔“

”لو کی زبان بند کرو اپنی ورنہ میں تمہارا منہ لوچ لوں گی۔“

ہے۔ مہاراجاں چلا گیا۔

افق غم و غصے سے بھری بیٹھی تھی۔ اپنے ساتھ ہونے والی زبانی اور وعدہ خلافی پر بھی احتجاج کرنا

چاہتی تھی لیکن یہاں تو اجڑا ہوا کچھ اور تھا۔ ماہ پارہ بیٹھ کر مچھلا ہوا تھا اور حارث الگ بھر اپنا بیٹھا تھا۔

”اس سے پوچھو کہ اسے فون کر کے میں نے کہا تھا کہ نہیں اپنے کپڑے وغیرہ یہاں سے لے جائے یا

منگوا لے۔ اس کے باوجود یہ انہی دو چیزوں میں وہاں بیٹھی رہی۔ ہر آئے گئے سے آ کر مجھے ہلکا ہلکا

کہ اس کا پہننا تو دیکھی ہے جو شادی سے پہلے کپڑے پہنا کر تھی۔ کیا میں نے اس کا سامان بجوری میں

بند کر دیا تھا جو اس نے ہماری عزت کا یوں ٹھانسا لگایا وہاں بیٹھ کر۔“ ماہ پارہ نے حارث سے کہا۔

”کون لوگ ہیں آپ کہ بتانے والے؟“ افق غصے سے بولی۔

”تمہارا خاندان..... ہمارا خاندان جو بھی آتا تھا یہی بتاتا تھا کہ اس نے نوارے پن والے کپڑے

پہن رکھے ہیں۔ ہمارے یہاں تو بچیاں رخصت ہوتی تو ان کے کپڑے مایوں کو دے دیے۔ تم نے

یا تمہاری ماں نے وہ کپڑے کیوں دے دیے ہیں۔ اس لیے ناں کہ بعد میں ہمارا تمام شال گوا۔ یہ کتنی بڑی

بدگلوئی کی بات تھی یہ بھی نہیں سوچا تم ماں بیٹی نے۔“

ماہ پارہ بولیں۔

”بات نہیں خالہ! مجھے ان فصول کی باتوں میں مت الجھنا میں مجھے پروا نہیں دنیا والوں کی۔ میں ابھی

طرح سے جاتی ہوں کون لوگ ہیں جو آپ کو بکھڑکتے رہتے ہیں۔ مجھے ان سب چیزوں کی کوئی پروا

نہیں۔ آپ وعدہ کر کے لائی نہیں مجھے کہ میری ایکوشن شروع کروائیں گی۔ کہاں گیا وہ وعدہ تائیں

مجھے، ایڈیشن اوپن ہو کر بند ہو گئے اور آپ کو ذرا سی پروا نہیں ہے، احساس ہے آپ کو کتنی بڑی وعدہ خلافی



غزل

جسے دلیل کا ممبر عطا کیا گیا تھا
وہ سر بلند سناں پر چڑھا دیا گیا تھا
میں اپنے نور کو تقسیم کس طرح کرتی
مجھے چراغ سے پہلے بجھا دیا گیا تھا
ہوا کے دوش پر موقوف مٹی اڑان مری
مجھے گلاب سمجھ کر بجا لیا گیا تھا
میرے خیر سے اٹھی تھی اعتبار کی خد
مجھے فرار کا رستہ بتا دیا گیا تھا
وہ حوصلہ کسی مجذوب کی امانت تھا
جو میری ذات کی زد سے بچا لیا گیا تھا

شاعر: معصومہ شیرازی کراچی

”تم اتنی کسمپاسا کو وہ اتنی نادانی کیوں کر رہی
خالہ طعنے انداز میں یوں۔۔۔ اپنا گھر
بھانپ سکتی اور ہماری بھی برائیاں کرتی ہے خالہ
دیکھ کر۔“

”اور آپ۔۔۔ آپ نے جو میری برائیاں کیں
میں نے کہہ دیں ہیں۔۔۔ پتھر بڑھوں، کیسے بیاہ لیا
ہوں نے اپنا بیٹا یہاں۔۔۔ وہ کیا تھا؟ اتنی غصے سے
کہ۔۔۔“

”ہائے۔۔۔ تم تو ہم پر تہمت لگا رہی ہو۔“
”میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔ آپ
کی برائیاں کر رہی تھیں ویسے کے روز۔۔۔ اور ایک
مہینہ میں یہاں بیٹھی تو آپ لوگوں نے جاکر بتایا
خالہ کو کہ میں اسنے برے حال میں ہے پرانے چوتھروں
میں یہاں پر ہی ہوں۔ کون سے بڑے بچن کا کردار ادا
آپ لوگوں نے۔“ عمارہ بکا کاٹق کو بولنے سے
رہ گئی رہیں لیکن کب تک خالہ غصے سے لال چلی ہو کر
وہ رہے یوں۔

”جتنی خاطر تواضع ہوگئی ہے اس کے بعد میں
یہاں نہیں سمجھتی۔۔۔ آپ سمجھیں اپنی بھانجی اور بہنیں
لوں تو ایک جہل یہاں نہیں رہیں گی جاری ہوں
میں۔“ خالہ غصے سے کہہ کر چلی گئیں۔ حسنین بھی
پہ پیچے چلے گئے۔

”وہ تمہارا معاملہ سلجھانے آئے تھے تاکہ
میں نے۔۔۔ تم اپنی بات کرتیں حمایت حاصل کرتیں
میں کی یہ کیا کہ تم نے انہیں یہی برا بھلا کہا شروع
کیا۔۔۔ اس کے عمل لڑکی تمہیں احساس ہے تمہارے
بھائی کا بنے ہیں میں نے اس گھر میں۔“ عمارہ
اپنی منہ سے برس پڑیں۔

”جانتی ہوں میں بہت اچھی طرح سے جانتی
ہوں آپ کو اس وقت میرا نہیں انہی کا احساس ہو سکتا
میں اس دور رہے پر کھڑی ہوں۔ سن لوگوں کی

”جیسے کچھ نہیں سناتا۔۔۔ بہت کم لیں میں
نے سب کی نصیحتیں۔۔۔ آپ نے زندگی پر بادی ہے
میری۔ شروع سے اب تک نہ تو پہلے بھی آپ نے
مجھے سپورٹ کیا تھا اور نہ ہی اب کریں، میں یہاں
ایک پلی نہیں رکوں گی۔ آپ بتائیں مجھے لے کر چل
رہی ہیں یا میں۔۔۔ یہاں سے نکل جاؤں۔“ تیز
اور عمارہ جیسے اس کی ہٹ دھرمی اور ضد کو خوب اچھی
طرح سمجھتے ہوئے فی الحال تو اسے اپنے ساتھ لے کر
گھر آگئے تاکہ گھر جاکر اسے بریف کر سکیں، اسے
سمجھا سکیں لیکن عمارہ کو یہ نہیں پتا تھا کہ ان کا یوں بیٹی کو
لے کر چلے آتا کتنا بھاری بڑے گا۔ باہر ہر جگہ بیٹھے
کر نہ صرف اتنی کو بدنام کریں گی بلکہ عمارہ کی ناص
ترتیب اور تیزلی کی بے راہ روی کے ترانے بھی گانے
پھر رہی۔

”پارہ نے حسنین کے گھر جاکر اتنی کی ہٹ
دھرمی اور بدتمیزی کی داستانیں بڑھا چڑھا کر
سنائیں۔ باہر کے چلے جانے کے بعد حسنین اور
خالہ حیران اور پریشان تھے۔

”میں تو یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوں کہ بظاہر
تو عمارہ بہت سوچ بوجھ والی دماغی نظر آتی ہے۔ بیٹیوں کی
ترتیب کبھی کر بھی ہے اس نے۔ میں عمارہ کی جگہ ہوتی
تو دوپٹہ مارا تپتی بیٹی کے اور کتنی مروت یا جوتیوں رہو
اور عمارہ وہ تیزلی اسے ساتھ لے کر چلے آئے۔“
خالہ حسنین سے بولیں۔

”میں بھی یہی سوچ رہی ہوں کوئی ایک کی دو بننا
سکتا ہے بنا ہوئی کیسے بنائی جاسکتی ہے۔ باہر آہا کو
اگر چھٹا دل کر دے اتنی یا عمارہ پر تہمت گڑھ رہی ہیں تو
کسی حد تک یہ چھٹا پاؤں گا۔ سب کا سب تو جھوٹ
نہیں ہو سکتا۔“ حسنین پریشانی سے بولے۔

”آپ یہ دیکھیں اتنی کے دل میں کتنا زہر ہے
ہم لوگوں کی طرف سے۔ کہتی ہے ماموں ممانی نے

”میں تو بھائی جان اس لیے چپ ہو کر گھر
میں بیٹھی تھی کہ کہیں کوئی تباؤں۔“
”ہم سب کی میں شامل نہیں ہیں عمارہ، بھائی ہوں
میں تمہارا۔“
”مگر مجھے یہ بھی تو دیکھنا پڑتا ہے کہ آپ کے گھر
میں اپنے دو بیٹے جیسے جارہے ہوں۔ کوئی غلط بات
آپ تک نہ پہنچے کہ جس کی معلوم تھا کہ آپ کے
گھر سے ہی آگ لگنا شروع کریں گی۔“

”تم اتنی کسمپاسا کو وہ اتنی نادانی کیوں کر رہی
خالہ طعنے انداز میں یوں۔۔۔ اپنا گھر
بھانپ سکتی اور ہماری بھی برائیاں کرتی ہے خالہ
دیکھ کر۔“

”اور آپ۔۔۔ آپ نے جو میری برائیاں کیں
میں نے کہہ دیں ہیں۔۔۔ پتھر بڑھوں، کیسے بیاہ لیا
ہوں نے اپنا بیٹا یہاں۔۔۔ وہ کیا تھا؟ اتنی غصے سے
کہ۔۔۔“

”ہائے۔۔۔ تم تو ہم پر تہمت لگا رہی ہو۔“
”میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔ آپ
کی برائیاں کر رہی تھیں ویسے کے روز۔۔۔ اور ایک
مہینہ میں یہاں بیٹھی تو آپ لوگوں نے جاکر بتایا
خالہ کو کہ میں اسنے برے حال میں ہے پرانے چوتھروں
میں یہاں پر ہی ہوں۔ کون سے بڑے بچن کا کردار ادا
آپ لوگوں نے۔“ عمارہ بکا کاٹق کو بولنے سے
رہ گئی رہیں لیکن کب تک خالہ غصے سے لال چلی ہو کر
وہ رہے یوں۔

”امی مجھے کوئی اعتراض نہیں..... لیکن خاندان والے باتیں باتیں کریں گے۔“ اقی بھانجی ہے آپ کی۔ اس کی حمایت میں آپ کے سنے کی گھر آ جائیں گا۔ مجھے بھی اقی کی بات ہے۔ سوچنے کی بات یہ نہیں ہے کہ ایسا کیا ہو یا عینا کا کیا ہوگا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ حارث کے بارے میں اس کی باتیں کیا ہو چکی ہیں۔“ اقی نے اپنے بیٹے کو چند دھڑکیں کی خوشی بھی حاصل نہ کر سکا بچہ..... سچ دہرا ہے پر چھوڑ کر چلی گئی کجنت.....“ ماہ پارہ آبدیدہ ہو گئی۔

”امی آپ پریشان نہ ہوں۔“ حارث کمرے میں آیا تو ماں کو آبدیدہ دیکھ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

”ارے کیسے پریشان نہ ہوں..... میرے بیٹے کی زندگی خراب ہو گئی اور میں پریشان بھی نہیں۔“

”میں تو کہتی ہوں امی آپ حارث کی دوسری شادی کر دیں۔ جب خالد نے ہی کہہ دیا کہ ہم لوگ حارث کا کہیں ابویہ کر لیں تو پھر کیا سوچ رہی ہیں آپ؟“

”ماں، بہنوں کو اطلاع دے۔“

”نیک ہے، وہ ایسا ہی چاہتی ہے تو میں ایسا ہی کر دوں گی۔ میں تمہاری زندگی برباد نہیں ہونے دوں گی۔“ ماہ پارہ بولیں۔ عاصمہ اور ساجدہ ماں کے فیصلے پر خوش ہو گئیں۔

”میں آپ کو ایسی جگہ لے جاؤں گی حارث کے لیے کہ آپ کی حیران رہ جائیں گی۔“ عاصمہ جذباتی پن سے بولی۔ ماہ پارہ نے حارث کو لاڈ سے دیکھا حارث کے چہرے پر بھی مسکراہٹ تھی۔

☆ ☆ ☆

فازتہ نے عینا کو عمار کے ساتھ ہوئی میں کھانا کھاتے ہوئے دیکھا تو اسے بہت برا لگا لیکن وہ برداشت کر کے گھر آ گیا۔

ابویہ لیں۔ اقی گھر میں بیٹھی ہے، بیٹھی رہے گی۔“

”تو کیا کریں امی..... اقی جو جیسے خد ہی ہوگی۔“

”سبھی تمہیں امی کی بھانجیوں پر ہی ترس رہا ہے۔ سوچنے کی بات یہ نہیں ہے کہ ایسا کیا ہو یا عینا کا کیا ہوگا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ حارث کے بارے میں اس کی باتیں کیا ہو چکی ہیں۔“ اقی نے اپنے بیٹے کو چند دھڑکیں کی خوشی بھی حاصل نہ کر سکا بچہ..... سچ دہرا ہے پر چھوڑ کر چلی گئی کجنت.....“ ماہ پارہ آبدیدہ ہو گئی۔

”امی آپ پریشان نہ ہوں۔“ حارث کمرے میں آیا تو ماں کو آبدیدہ دیکھ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

”ارے کیسے پریشان نہ ہوں..... میرے بیٹے کی زندگی خراب ہو گئی اور میں پریشان بھی نہیں۔“

”میں تو کہتی ہوں امی آپ حارث کی دوسری شادی کر دیں۔ جب خالد نے ہی کہہ دیا کہ ہم لوگ حارث کا کہیں ابویہ کر لیں تو پھر کیا سوچ رہی ہیں آپ؟“

”ماں، بہنوں کو اطلاع دے۔“

”نیک ہے، وہ ایسا ہی چاہتی ہے تو میں ایسا ہی کر دوں گی۔ میں تمہاری زندگی برباد نہیں ہونے دوں گی۔“ ماہ پارہ بولیں۔ عاصمہ اور ساجدہ ماں کے فیصلے پر خوش ہو گئیں۔

”میں آپ کو ایسی جگہ لے جاؤں گی حارث کے لیے کہ آپ کی حیران رہ جائیں گی۔“ عاصمہ جذباتی پن سے بولی۔ ماہ پارہ نے حارث کو لاڈ سے دیکھا حارث کے چہرے پر بھی مسکراہٹ تھی۔

”امی مجھے کوئی اعتراض نہیں..... لیکن خاندان والے باتیں باتیں کریں گے۔“ اقی بھانجی ہے آپ کی۔ اس کی حمایت میں آپ کے سنے کی گھر آ جائیں گا۔ مجھے بھی اقی کی بات ہے۔ سوچنے کی بات یہ نہیں ہے کہ ایسا کیا ہو یا عینا کا کیا ہوگا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ حارث کے بارے میں اس کی باتیں کیا ہو چکی ہیں۔“ اقی نے اپنے بیٹے کو چند دھڑکیں کی خوشی بھی حاصل نہ کر سکا بچہ..... سچ دہرا ہے پر چھوڑ کر چلی گئی کجنت.....“ ماہ پارہ آبدیدہ ہو گئی۔

”امی آپ پریشان نہ ہوں۔“ حارث کمرے میں آیا تو ماں کو آبدیدہ دیکھ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

”ارے کیسے پریشان نہ ہوں..... میرے بیٹے کی زندگی خراب ہو گئی اور میں پریشان بھی نہیں۔“

”میں تو کہتی ہوں امی آپ حارث کی دوسری شادی کر دیں۔ جب خالد نے ہی کہہ دیا کہ ہم لوگ حارث کا کہیں ابویہ کر لیں تو پھر کیا سوچ رہی ہیں آپ؟“

”ماں، بہنوں کو اطلاع دے۔“

”نیک ہے، وہ ایسا ہی چاہتی ہے تو میں ایسا ہی کر دوں گی۔ میں تمہاری زندگی برباد نہیں ہونے دوں گی۔“ ماہ پارہ بولیں۔ عاصمہ اور ساجدہ ماں کے فیصلے پر خوش ہو گئیں۔

”میں آپ کو ایسی جگہ لے جاؤں گی حارث کے لیے کہ آپ کی حیران رہ جائیں گی۔“ عاصمہ جذباتی پن سے بولی۔ ماہ پارہ نے حارث کو لاڈ سے دیکھا حارث کے چہرے پر بھی مسکراہٹ تھی۔

وجہ سے کھڑی ہوں یہ احساس نہیں ہوگا آپ کو، آپ کو تو انجی کی فکر ہوگی۔“ عمار سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

☆ ☆ ☆

”ارے میں کیوں لینے جاؤں اسے ماں لے گئی تھی ماں ہی چھوڑ کر جائے۔“ بیٹی کو بیانے والوں کے یہ جھن نہیں ہوتے۔ جس دن بیٹی کو لے کر گئی ہے نا عمار وہ اسی دن مجھ سے فون کر کے پوچھ رہی ہے کہ حارث نے کیوں مارا اس کی بیٹی کو۔ لو بھلا بتاؤ میں جواب دوں اس بات کا، حارث سے ہی پوچھ لیتیں وہ اس قدر زبان چلاتی ہے، بتاؤ کون سا مرد برداشت کر سکتا ہے یہ سب کچھ۔“

”ٹھیک کہہ رہی ہیں آپا آپ۔ میں تو خود اس لڑکی کے تیردیکھ کر اپنے اوسان بھول گئی۔ صاف کہہ دیا ہے میں نے تو حسین کو ہرگز رشید نہیں کروں گی میں عمارہ کے گھر میں۔“ ماہ پارہ ہی دل میں اپنی جیت پر اپنی کامیابی پر خوش تھیں۔

☆ ☆ ☆

”عمار وقت ضائع نہ کرو ٹیلی کے حالات بگڑتے جا رہے ہیں۔ اس سے قبل کہ اقی کے حالات ہماری زندگی پر اور زیادہ اثر انداز ہوں ہمیں شادی کے لیے گھر والوں کو رضامند کر لیتا چاہیے۔“

”کیسے کروں رضامند..... ممانی جان نے ایسا کو لینے سے صاف انکار کر دیا ہے۔ امی اور ابو کو یہ بات بہت ہی بگڑ رہی ہے۔“

”تو تم اس انتظار میں ہو کر امی، ابو مجھے بھی دینے سے انکار کر دیں۔“ عینا غصے سے ہلکی عمار بے بس تھا۔

”تم تھوڑا انتظار کر دینا..... وقت بہتر ہو جائے گا۔“

”بالکل بھی بہتر نہیں ہوگا۔“ بھلا یہ بات کہنے کی کیا ضرورت اس عمارہ بچہ کو کہ وہ حارث کو کہیں

ضرورت مند

ایک شوہر اپنی بیوی کا جنازہ لے کر جا رہا تھا، جنازے کے آگے ایک کتا اور اس کے پیچھے بہت سارے لوگوں کی لائن تھی۔ ایک اور آدمی نے دیکھا تو اس سے پوچھا۔ ”یہ جنازے کے آگے کتا کیوں ہے؟“

شوہر بولا۔ ”اس کتے نے میری بیوی کو کاٹا ہے اور وہ مر گئی۔“

آدمی۔ ”یہ کتا میریانی کر کے مجھے دے دو۔“ شوہر غصے سے۔ ”تم کیا سمجھتے ہو یہ سب لوگ

جنازے کے لیے لائن بنا کر آ رہے ہیں بلکہ یہ سب بھی کتے کے لیے آئے ہیں چلو تم بھی لائن میں لگ جاؤ۔“ مرسلہ: سیدہ رقیہ، سائل شاہ، بزمان

دجہ خوف

اسات کے استاد صاحب کی عادت تھی کہ جب ان کا کڑو قبرستان سے ہوتا وہ یہ آواز بلند کرتے، ”السلام علیکم یا اہل القبور، چند منٹے شاگردوں کو شہادت دے گا، میری وصیت ہے کہ ایک روز قبرستان میں تیروں لوگوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئے اور استاد صاحب نے آئے ان کا انتظار کرنے لگے کہ ان کے کھارسات ادھر سے گزرتا تھا۔ جو نبی استاد صاحب قبرستان میں مل ہوئے انہوں نے حسب عادت یہ آواز بلند السلام علیکم یا اہل القبور کہا، تمام لڑکوں نے یہ آواز بلند کیا ان کو کہا۔

ولیک السلام یا عبد الغفور! ان کا کہی نام تھا۔ استاد صاحب وہاں سے ایسا کر کے پیچھے ہو کر نکل گیا۔ مرز فیدہ افتخار واپس لپڑی

غل

روز وشب معروف رہنے کے سہارے تلاش کرتی ہوں جو چھوڑ گئے مجھ سے اپنے وہ چارے تلاش کرتی ہوں خواں کا پہرہ ہے میری ویران زندگانی پر ہر لمحہ مانی کی بے حقوق بہاریں تلاش کرتی ہوں جو اٹھا کے بوجھ میرے غم تھکانی کا تا عمر میں ایسے مکان قلب کی پختہ دیواریں تلاش کرتی ہوں جو کوسے روشن میری صبح کو کسی روز شب تار یک کے تباہوں میں ایسے غمے تلاش کرتی ہوں کوئی ہے مجھ سے مطلق حیات کی کوئی جو پھنسا ہے مجھ کو منزل تک ایسے اشارے تلاش کرتی ہوں سامع ملک پرور، بیگنا

ای ٹیک

برسات میں ایک بڑے کچے ایک لڑکی خاموش کھڑی تھی آنکھوں میں پیاس لے آسمان کو دیکھ رہی تھی دیوانی ہے میں نے سوچا آج ہر اک پیر کے نیچے برسات میں ایک لڑکی خاموش کھڑی ہے کون ہے یہ مگر میرے سوا کوئی نہیں ہے مرسلہ: سیدہ شبنم عامر زیدی، کراچی

بحث کر رہی ہیں۔ یہ بات آپ بھی جانتی ہیں اور میں بھی کر عارضینا کو بچپن سے پسند کرتا ہے۔ دونوں میں کتنی دوستی رہی ہے اور یہی دوستی ان کی محبت بن گئی۔ اب یہ محبت کسی مقدس رشتے میں بندھنے جا رہی ہے تو آپ میری وجہ سے رکاوٹ کیوں پیدا کر رہی ہیں۔ چند ہی دن تو رہی ہے میری مٹنی فائز کے ساتھ اور مجھے اس کا کوئی فوس نہیں۔“

”مگر مجھے تو ہے نا۔۔۔ مٹنی دھوم دھام سے کی گئی، سب میں مضامین تقسیم ہوئیں اور پھر ایک دم انکار کیا یہ بے عزتی نہیں ہماری۔ کان کھول کر سن لو عمار تمہارے ابو اس شادی کے لیے قطار حاضر مند نہیں ہوں گے۔“

☆☆☆

”دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا تم اس رشتے سے انکار کر رہی۔ وہ بھی مجھ سے مشورہ کیے بغیر۔“ تزیل کو

ماہنامہ لبلاکھ۔ جون 2012ء (77)

میں نے ایسا کر رشہ ختم کرو یا ہے، سامان بھجوا دیا ہے ان لوگوں کا واپس۔“ ”نہوں نے تو نہیں بھجوا یاں میرا سامان۔“ ”خستین نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے خالہ کے الفاظ سنے۔ خالہ کی نظر حسنین پر پڑی تو ہنسنے لگی۔“

☆☆☆

عمار نے ماں سے شادی کی بات کی تو وہ ہنسنے لگی۔ ”تم کس منہ سے وہاں شادی کی بات کر رہے ہو۔ ایسا کام سامان واپس بھجوا دیا ان لوگوں نے، تمہیں سب شرم نہیں آتی تو اب یہ کچھ خیال کرو کہ تم کہا کہ ہو کیا کرنے جا رہے ہو۔ ایسا ہمارا کی محبت کے لیے میں اچھی طرح واقف تھی اسی لیے ماں کو قائل کرنے کی کوشش کی۔“ ”میرا خیال ہے اب آپ عمار سے بلا دیجی

اپنی آنکھوں سے ان دونوں کو جوش میں ڈگر کرتے ہوئے۔“ ”کیا ہو گیا ہے تمہیں عینا، تم نے دیکھا ہے کس قدر بے عزتی کی ہے ابھی نے ہم سب کی۔“ خالہ نے حیرانی اور غم سے عینا کو دیکھا۔ ”اُمی میں کہہ چکی ہوں میں عمار سے ہی شادی کروں گی۔“ ”تم اُفق کو کیسے برداشت کرو گی۔ نہایت بدترین لڑکی ہے وہ زندگی حیران بنادے گی تمہاری۔“

”اُمی ایسا کچھ نہیں ہے۔ چاہئیں آپ کیا سمجھ رہی ہیں اُفق کو۔ اور وہ میرے عمار پیچھے کا لڑکا چھپتا ہے، مگر میں سب سے زیادہ اہمیت اور حشیت عمار کی ہے۔ آپ بلا دیجی مگر میں مت پاپس۔“ ”عینا اپنے ابو کو مشکل میں مت ڈالو کس منہ سے وہ اس شادی کے بارے میں بات کر سکتے ہیں۔“

”تم اب بھی عمار کے ساتھ مجھ پر رہی ہو چکے حالات سارے ہی تمہارے سامنے ہیں۔ کہاں سرگرمی تمہاری شرم ہے؟ فائز نے پوچھا۔ ”اُفق جو کچھ کر رہی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم لوگ اس کا نکاح ادا کریں، میں اُمی اب اسے کچھ چلی ہوں میں شادی کروں گی تو صرف عمار سے ورنہ کسی سے بھی نہیں اور عمار سے میں بھی پوچھتا پوچھتی تھی کہ وہ کیا چاہتا ہے۔“ ”تم اُفق بڑی ہو گئی ہو کہ اپنے فیصلے خود کرو۔ کیا ہم سب کے ہیں اُمی اب کریں گے یہ فیصلہ۔“ ”کیوں جھگڑا کر رہے ہو تم لوگ؟“ خالہ نے فائز اور عینا کو آپس میں الجھتا دیکھ کر پریشانی سے پوچھا۔ ”پوچھیں اپنی لاڈلی سے اس قدر بے عزتی کی ہے اُفق نے آپ لوگوں کی اس کے باوجود یہ عمار سے چھپ چھپ کر رہنے جانی ہے۔ خود دیکھا ہے میں نے

جب عمارہ بیگم کے خیالات کا پتا چلا تو وہ بکڑ کر بولے۔
 ”ہاں، میں اس رشتے سے انکار کروں گی.....
 حسنین بھائی نے اپنی حیثیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے
 ہمیں ذلیل کیا ہے ناں..... اب میں جواب دوں گی
 انہیں۔“

”عقل سے کام لو عمارہ بیگم..... تمہاری بھتیجی
 سونے کی چڑیا ہے، یہ کتنی بڑی خوش قسمتی کی بات ہے
 کہ حسنین اور خالدہ یہ رشتہ لے کر خود آئے تھے
 ہمارے گھر۔ عمار پسند کرتا ہے عینا کو تو ظاہر ہے عینا بھی
 عمار کو پسند کرتی ہوگی۔ کیوں بچی پکاکی ہانڈی کو بد مزہ
 اور کرکرا کر رہی ہو۔ عمارہ حسنین کی بیٹی سے ہی بیاہا
 جائے گا۔ کیا ہوا ہماری ایسیا وہاں نہیں جا سکی اور پھر
 ابھی ایسیا کی عمر بھی کیا ہے۔ بہت اچھے اچھے رشتے
 آجائیں گے اس کے۔ تم اس رشتے کو ہاتھ سے مت
 نکلنے دو اور نہیسا کی فکر بھی مت کرو۔ خالدہ اور حسنین
 سے اپنی بیٹی کا بدلہ لینا چاہتی ہو ناں تم..... بے فکر
 رہو، وہ شادی کے بعد یہ آسانی لے سکتی ہو۔“ عمارہ
 بیگم کو تنزیل کی بات سمجھ میں آ گئی۔

”تنزیل کا لالچ اپنی جگہ لیکن میں یہ بات نظر
 انداز بھی تو نہیں کر سکتی کہ عمار میرے گھر کا واحد کفیل
 ہے۔ میں اس کی محبت چھیننے کی کوشش کروں گی تو وہ
 بد دل اور بدظن ہو جائے گا مجھ سے۔ انگاروں پر چل کر
 ہی مجھے عینا کو بیاہ کر لانا ہو گا۔“ عمارہ بیگم نے دل میں
 سوچا۔

☆☆☆

”ہم لوگ تو شادی کی تاریخ لینے آئے ہیں
 بھائی جان.....“ حسنین اور خالدہ جیسے پیشیان اور
 شرمندہ تھے۔

”دیکھیں حسنین بھائی جوڑے تو آسانوں پر
 بنتے ہیں۔ ہمیں کوئی دکھ نہیں اس بات کا کہ ہماری بچی
 اس گھر میں نہیں آ رہی۔ اللہ جو کرتا ہے بہتر ہی کرتا

ہے۔ کیا معلوم یہ فیصلہ ہی ہم لوگوں کے لیے زیادہ
 بہتر ہو تو بجائے اس فیصلے پر پچھتانے کے اس فیصلے کو
 پار لگائیں۔“ تنزیل نے ان کی حالت سمجھتے ہوئے
 کہا۔

”بعض اوقات بہت زیادہ جلد بازی ہمیں
 بہت بڑی سزا دیتی ہے۔ ایسیا اور فائز دونوں ہی بڑھ
 رہے ہیں۔ بڑا وقت ہے دونوں کی شادی میں لیکن
 بس خالدہ کو جلدی تھی رشتہ دینے کی..... اور پھر واپس
 کر دینے کی بھی اسی کو جلدی تھی۔“ حسنین نے بڑے
 ٹھوس انداز میں سنبھل کر کہا۔

”اب سارا معاملہ آپ مجھی پر ڈال دیں۔“
 خالدہ نے برا سا منہ بنایا۔ تنزیل ہنسنے لگے جبکہ عمارہ کو
 ایسیا کا ذکر بھی یہاں بہت برا لگ رہا تھا۔

”بجائے اس کے کہ ہم اس بات پر جھگڑا کریں
 کیوں نہ شادی کے بارے میں بات چیت کر لی
 جائے۔“ تنزیل بولے۔

”کیوں نہیں تنزیل بھائی، ہم اپنے گھر میں
 مشورہ کر لیں پھر آپ کو بتا دیتے ہیں۔“

”اتنی ابھی ادھر ہی ہے یا کوئی لینے آیا
 اسے۔“ خالدہ کو یکدم اتنی کا خیال آیا تو پوچھا۔ عمارہ
 بیگم کو خالدہ کا سوال گراں گزرا اور وہ چاہ کر بھی اپنی
 کڑواہٹ دبا نہیں پائیں۔

”بھابی آپ اتنی کی فکر نہ کریں، اس کی زندگی تو
 اسی طرح گزری ہے اور گزر جائے گی۔“

”میرا مطلب یہ تو نہیں تھا عمارہ..... ماہ پارہ
 آیا کو سوچنا چاہیے گھر کی بچی ہے۔ ایسی بدسلوکی کرتی
 وہ اچھی نہیں لگ رہیں۔“

”بھئی میں نے تو بہت سمجھایا آپا کو لیکن وہ کہتی
 ہیں میں اپنے بیٹے کی زندگی برباد نہیں کر سکتی۔“
 حسنین نے دونوں کے درمیان مداخلت کی۔

”سنا ہے لڑکی دیکھتی پھر رہی ہیں آپا حارث کے

”خالدہ بولیں۔

خدارا © خدارا شوگر مریض ذرا عقلمندی سے کام لیں

کیونکہ ساری زندگی عارضی وقتی گولیاں ہی کھاتے رہتا آخر کہاں کی عقلمندی ہے؟ آج کل تو ہر انسان صرف شوگر کی وجہ سے بے حد پریشان ہے۔ شوگر موڈی مرض انسان کو اندر ہی اندر سے کھوکھلا، بے جان اور ناکارہ بنا کر اعصابی طور پر کمزور کر دیتی ہے۔ حتیٰ کہ شوگر کی مرض تو انسانی زندگی ضائع کر دیتی ہے۔ شفاء منجانب اللہ پر ایمان رکھیں۔ ہم نے جذبہ خدمت انسانیت سے سرشار ہو کر ایک طویل عرصہ ریسرچ، تحقیق کے بعد دیسی طبی یونانی قدرتی جڑی بوٹیوں سے ایک ایسا خاص قسم کا ہرمل شوگر نجات کورس ایجاد کر لیا ہے۔ جسکے استعمال سے آپ شوگر سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر آپ شوگر کی مرض سے پریشان ہیں اور نجات چاہتے ہیں تو خدارا آج ہی گھر بیٹھے فون کر کے بذریعہ ڈاک VP وی پی شوگر نجات کورس منگوا لیں۔ اور ہماری چٹائی کو آزمائیں۔

المسلم دار الحکمت (رجسٹرڈ)

(دیسی طبی یونانی دوا خانہ)

ضلع و شہر حافظ آباد پاکستان

0300-6526061
0308-6627979
0547-521787

آپ ہمیں صرف فون کریں
شوگر کورس آپ تک ہم پہنچائیں گے

”تذلیل ہمیں چلنا چاہیے وقت کافی ہو گیا ہے اور ہاں بھائی جان ماہ پارہ آپا سے کہہ دیجیے گا وہ اپنے بچے کا بیاہ کر دیں۔ جہاں بیاہنا چاہتی ہیں۔ میں بھی تو بچوں کو نئی بیٹی دے گا حارث کو۔ دنیا اندھی نہیں ہے، سگی بھانجی کو بچوں گھر میں بٹھا کر وہ اپنے بیٹے کو بیاہ لیتی ہیں تو بیاہ کر دکھائیں۔“ عمارہ کو خالدہ اور حسین کا اس طرح اس موضوع کو کریدنا سخت ناگوار لگ رہا تھا بالآخر وہ بول ہی اٹھیں۔

”مگر ماہ پارہ آپا اور حارث لینے کے لیے آئے تھے انہی کو۔“

”لینے کے لیے آئے تھے وہ لوگ یا میری بیٹی کا لاشا لگانے آئے تھے۔ صرف یہی تو خواہش کی تھی ہاں اس نے کہہ وہ آگے پڑھنا چاہتی ہے۔ اس بات کو رنگ وے دیا انہوں نے کہ انہی بچے پیدا کرنا نہیں چاہتی۔ حارث سے ازدواجی تعلق بنانا نہیں چاہتی۔ حالانکہ آپا ہی یہ سنہرے سپنے دکھا کر گئی تھیں میری بیٹی کو۔ اور وہاں لے جا کر اتنا ذلیل اور رسوا کیا اسے..... اس کی خواہش پر، تماشا بنا کر رکھ دیا۔ کوئی بات نہیں..... بیٹیاں سب کی ہیں۔ آپا کی بھی ڈوٹیاں ہیں، جو کچھ آپا نے میری بیٹی کے ساتھ کیا ہے آپا کے اپنے ہی آگے آئے گا۔“ عمارہ دکھ اور افسوس سے بولیں۔

”سنجاولو خود کو عمارہ، یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔“ تذلیل نے بیوی کو سمجھایا اور وہ دونوں واپس اپنے گھر چلے گئے۔ دونوں کے جانے کے بعد بھی اس پر تناؤ چھایا ہوا تھا بھی خالدہ نے حسین سے کہا۔

”عمارہ کا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ بیٹی کی ممانعت کر رہی ہے۔ اس بیٹی کی جس نے کبھی وقت پر اصرار کیا کو چائے کا ایک کپ تک بنا کر نہیں دیا۔ آج

عمارہ اس کے لیے آنسو بہا رہی ہے۔ اوہ۔۔۔ میں تو عمار سے صاف صاف کہہ دوں گی۔ میاں اپنی رہائش ذرا اپنی ماں یا بیویوں سے الگ ہی رکھنا۔ اوپر کا پورشن تمہارا فارغ ہی پڑا ہے۔ وہیں سیٹ کر لینا چیز کا سامان وغیرہ۔ عینا ان قومی حکومتوں کے بیچ میں رہ سکے گی۔

عنا ماں کے خیالات جان کر چرسکون اور مطمئن ہی ہو گئی۔

☆☆☆

ماہ پارہ کو جب عینا اور عمار کی شادی کی خبر ملی تو ان کے دل پر جیسے انگارے لوٹ گئے۔ نفرت سے دل میں سوچا۔

”کتنا بے غیرت ہے حسین اور اتنی ہی بے غیرت اور بے حس عمار ہے۔ ایک رشتہ تو ڈر دوسرا رشتہ جھٹاتا چاہ رہے ہیں دونوں۔ عمارہ کے نزدیک بیٹیوں کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں ساری عمر اس کو سوتیلی ماں نہ کر رکھا پھر اس کی خواہش کو میرے گئے میں لٹکا دیا اور میں بھی کتنی پاگل ہوں ابھی تک عمارت کو ایسے ہی لیے بیٹھی ہوں۔ کیا مجھے عینا کا اب بھی انقزار تھا۔ کوئی بات نہیں۔۔۔ حسین کی بیٹی بیاہ کر اجڑے کی جیسی عقل آئے گی ان لوگوں کو ابھی عاصمہ اور ساجدہ سے بات کر لی ہوں۔ اپنے رشتہ کو عینا سے پہلے بیاہ کر دکھاؤں گی۔“

☆☆☆

”کون بیٹی دے گا مجھے۔۔۔ یہی کہا تھا ان عمارہ نے، اب جا کر متانا تم اسے کرا لکھو گا چیز اور شہزادوں جیسے دہن لے کر آئی ہوں۔ ایسی جو ہاتھ لگانے سے بھی منگی ہو۔ بولتی ہے تو منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ صحیح معنوں میں تو اب جوڑی بنی ہے میرے بیٹے کی۔“ ماہ پارہ نے فخر سے خالہ کو بتایا وہ بھی عمارت کی قسمت پر رشک کر رہی تھیں۔

”آپا یہ تو بتائیں افق کا جینز کہاں رکھ دیا ہے؟“

”ارے تمہاری کیا۔۔۔ ایک بیڑ اور ایک سنگا دان۔۔۔ اور کٹھن کا ڈر سا صندوق جس میں نہ جانے کیا بلا لگا تھی۔ ہم نے تو آج تک ہاتھ نہیں لگایا۔ حسین۔۔۔ سے کہہ دیا ہے میں نے کہ عمارہ اور تنزیل سے کہہ دیں کہ اس ماں انٹو ایس یہاں سے ویسے جیسے میرے گھر میں تو اتنا چیز آج ہے کہ نہ ہی چھوڑنا پڑے میرا۔ میں اس کا ٹھکانہ کوا کہاں رکھوں گی۔“ ماہ پارہ غرور لہجے میں بولیں پھر جیسے ماہ پارہ کو کوئی خیال آیا۔

”اور تم سناؤ عینا کیسی رہ رہی ہے اپنی سسرال میں؟“

”ٹھیک ہے آپا۔۔۔ میں زیادہ دن کے لیے چھوڑتی نہیں۔ ایک دن چھوڑتی ہوں دو دن اپنے گھر میں رہتی ہوں۔“

”ارے وہ کیوں۔ کیا کھانے پینے کی کمی ہے عمارہ کے گھر میں؟“

”نہیں نہیں آپا۔۔۔ اصل میں آپ کو معلوم ہی ہے پرانے زمانے میں اس طریقے سے شروعات کی جاتی تھی بیٹیوں کو سسرال میں ایڈجسٹ کرنے کے لیے تو مجھے بھی طریقہ پند ہے۔ ایک دفعہ ہی بیٹی کو سسرال میں جا کر پھینک دو تو سسرال والوں کی نظروں میں جلد بے وقعت ہو جاتی ہے۔ دو چار دن کے بعد ہی کام پر لگا دیتے ہیں۔ بھیجی تو اپنی بیٹی کی ایک سال تک بیٹی کو بیٹی کر رکھوں گی۔“

”عزیز ارض نہیں ہوتا اس کی سسرال والوں کو اس کے شوہر کو اس شہر ڈول پر؟“ ماہ پارہ نے خالہ کی بات پر استہزا سے اعزاز میں پوچھا۔

”ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں آپا۔۔۔ جب اعراض ہوگا تو دیکھ لیں گے۔“

”یہ سناؤ افق کا کیا حال ہے۔ عمارت کی شادی ہو چکی تو ضرور رگہ ہوگا اسے۔“

”رہنے دیں آپا۔۔۔ عجیب ہی ہے جس لڑکی ہے، اسے تو جیسے احساس ہی نہیں البتہ عمارہ کھاٹ سے لگ چکی ہیں۔ عینا بتا رہی تھی سارا دن عمارہ آپ کو اور عمارت کو کوئی رقتی ہیں۔ اتنی بدعائن دیتی ہیں کہ ہاتھیں نکلتی۔“

”کیچھ لو میرے گھر۔۔۔ عمارہ کی بدعائنوں کی کرامت ہیں کیسے جھگ جھگ کر رہا ہے۔“ ماہ پارہ نے ہنس کر کہا۔

”ارے بدو عمار بھی مظلوم کی گتتی ہے ظالم کی نہیں۔“ خالہ نے ماہ پارہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔

☆☆☆

افق اپنے کمرے میں بیٹھی جیسے سوچوں کے گرداب میں پھنسی تھی۔ عمارہ کمرے میں آئیں تو افق کو الجھا بکھرا دیکھ کر ان کا دل ٹک کر رہ گیا۔ وہ افق کے نزدیک آکر بیٹھ گئیں۔

”اگر تم اپنی ضد چھوڑ دیتیں تو آج یہ نوٹ نہیں آتی، بیاہ رہا گیا ہے اس نے دوسرا۔ کتنا بڑا دکھ ہے ایک عورت کے لیے یہ۔ پہلے ہی تمہاری زندگی کون ی اچھی کر رہی تھی اوپر سے یہ عذاب بھی مسلط ہو گیا تم کیسے سنبھالو گی سب کچھ افق آج تک تم خود کو سنبھال نہیں پاؤ، اب یہ حالات۔۔۔ کیا ایسی طرح ہو سکتی ہے۔“ عمارہ بیگم دکھ اور افسوس سے بولیں۔

”میری قسمت میں سب کچھ تھا جو ہو گیا۔ اگر عمارت یا خالہ میرے لیے شخص ہوتے مجھ سے محبت کرنے والے ہوتے تو ضرور میری خواہش کو پورا کرتے لیکن سب کی طرح انہوں نے بھی وہی کیا جو میرے مقدر میں چھن آ رہا ہے۔ میں نے کہا تھا ان آپ سے مت کریں آپ میری شادی۔“ افق کو خود

لہجے میں سادہ اس کا بھی دکھ اور افسوس تھا عمارت کی شادی پر لیکن اس کا اظہار کر کے نیچا نیچا ہونا چاہتی تھی لہذا اسی بہت دھری سے کہتی رہی۔

”مگر بعد میں تو خاندانی تہناری ہی تھی۔“

”صرف اس لیے کہ خالہ نے مجھے امید دلائی تھی وہ میری تعلیم میں میری مدد کریں گی اور کوئی وجہ نہیں جس کی مرئی میں اس کے عشق میں۔“

”اب وہ لوگ تمہیں بھی لینے نہیں آئیں گے افق۔“

”تو میں کون سا جانے کے لیے تڑپ رہی ہوں۔ آپ بلا میری کنٹینس کیوں لے رہی ہیں۔“

”کنٹینس نہ لوں تو کیا کروں، پورے خاندان میں جگہ بھائی ہو گئی میری صرف تمہاری وجہ سے۔ افق تم نے یہ سوچا ہے کہ عینا کی زندگی اور کتنی زیادہ متاثر ہوگی تمہارے معاملات سے۔ پہلے ہی تمہاری وجہ سے اس کی منگی ٹوٹ گئی ہے۔“

”دراصل آپ کے کہنے، بھائی جو ہیں نا کوئی گیم سیکھ رہے ہیں آپ کے ساتھ۔۔۔ اور آپ سمجھ رہی نہیں ہیں۔“ افق ماں کی باتوں سے چڑھ کر بولی۔

”آہستہ بولو، عینا گھر میں ہی ہے۔“

”جانتی ہوں میں۔۔۔ ساری خبریں پہنچا رہی ہے وہ یہاں سے وہاں گھمے کوئی فرق نہیں پڑتا، کتنا نقصان پہنچانے کی وہ مجھے۔“

”دیکھو افق، تم اپنے معاملات سے عینا کو دور ہی رکھو تو زیادہ بہتر ہے۔ ویسے بھی وہ کون سا بیاہاں روز رقتی ہے۔ ایک ادھ دھل کے لیے یہاں آتی ہے۔ تم لوگوں کی ایسی باتیں سننے کی تو اس کے دل کو برا لگے گا۔“ عمارہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے افق کے الفاظ سے تواسے تنبیہ کی۔

”اس کے دل کو برا لگے گا اور میں جو سن رہی ہوں میرے دل کو برا نہیں لگے گا۔“ افق نے غصے سے

حادث کی شادی کو مجھیز ہونے کو آ رہا تھا لیکن
 ۱۶ برس کے کام کو با تھ تک نہیں لگا یا تھا بلکہ عروہ کے
 پہونے مونے کام بھی ماہ بارہ خود ہی کر دیا کرتیں
 اہے اس کا ناشنا بنا، اس کے پڑے وغیرہ استری
 کر دینا۔ ماہ بارہ خوش خوشی سب کرتی چلی آ رہی
 تھیں۔ گھر میں ایک ملازمہ کی جو گھر کی صفائی بکن کی
 صفائی اور کپڑے دھویا کرتی تھی۔ اس کے علاوہ باقی
 سارے کام ماہ بارہ خود کرتی تھیں لیکن عروہ کا گزارہ
 نہیں ہو رہا تھا اس لیے اس نے اپنے لیے ایک نئی
 ملازمہ کا بندوبست کر لیا تھا۔ عروہ کی ملازمہ کو دیکھ کر
 باپا بارہ چونک گئیں۔
 ”کیا ضرورت تھی ایک اور ملازمہ کی چھوٹا سا تو
 گھر ہے ہمارا اور چھوٹی سی بیٹی، تین لوگوں کے لیے دو
 ملازمائیں کچھ عجیب سا لگتا ہے۔“ ماہ بارہ عظیم
 بولیں۔ عروہ چونکہ شے اور دھسے لچے میں بولنے کی
 حادث کی شادی کو مجھیز ہونے کو آ رہا تھا لیکن
 ۱۶ برس کے کام کو با تھ تک نہیں لگا یا تھا بلکہ عروہ کے
 پہونے مونے کام بھی ماہ بارہ خود ہی کر دیا کرتیں
 اہے اس کا ناشنا بنا، اس کے پڑے وغیرہ استری
 کر دینا۔ ماہ بارہ خوش خوشی سب کرتی چلی آ رہی
 تھیں۔ گھر میں ایک ملازمہ کی جو گھر کی صفائی بکن کی
 صفائی اور کپڑے دھویا کرتی تھی۔ اس کے علاوہ باقی
 سارے کام ماہ بارہ خود کرتی تھیں لیکن عروہ کا گزارہ
 نہیں ہو رہا تھا اس لیے اس نے اپنے لیے ایک نئی
 ملازمہ کا بندوبست کر لیا تھا۔ عروہ کی ملازمہ کو دیکھ کر
 باپا بارہ چونک گئیں۔
 ”کیا ضرورت تھی ایک اور ملازمہ کی چھوٹا سا تو
 گھر ہے ہمارا اور چھوٹی سی بیٹی، تین لوگوں کے لیے دو
 ملازمائیں کچھ عجیب سا لگتا ہے۔“ ماہ بارہ عظیم
 بولیں۔ عروہ چونکہ شے اور دھسے لچے میں بولنے کی

کہا۔ ”میں اپنے کمرے میں رہتی ہوں۔ کسی کے
 معاملات میں مداخلت کرنے نہیں جاتی تو کسی کو کیا
 ضرورت ہے میرے کمرے سے کان لگا کر باتیں سننے
 کی۔۔۔۔۔ کیا میں یوں انا بھی چھوڑ دوں۔“
 ”ہاں تو تمہیں روکا کرنے ہے۔ بولو۔۔۔۔۔ جی
 بھر کے بولو لیکن عینا کا نام لینے کی کوئی ضرورت نہیں
 تھیں۔ تم اپنا گھر تو باتیں نہیں دوسروں کا گھر
 تو میں خراب کرو۔“ اقی کو شہدہ دیکھا کہ حیرانی سے
 اس کی طرف دیکھا۔ عمار کہہ کر کمرے سے باہر چلا
 گیا۔
 ”چند ہی دن میں بدل گیا ہے عمار۔۔۔۔۔ بیوی
 کے سامنے اسے کھینچ لکھا نہیں دیتا لیکن تم ٹکڑے کر دو
 میں سب سنبھال لوں گی۔ تم خود کو سنبھالو۔“ عمارہ بیگم
 دکھ اور صدمہ سے بولیں۔

☆☆☆

”کیا ضرورت تھی تمہیں اقی کے ساتھ اس
 طرح بولنے کی۔ وہ کون سا نہیں دیکھنے یا تمہارے
 معاملات میں بولنے آ رہی ہے۔“
 ”تم نہیں جانتیں ایسا، اقی کی بہت دھری اور
 خند ہمارے پورے گھر کے لیے نئی نقصان دہ ثابت
 ہو رہی ہے۔ میں ایسا نہیں تھا تو میں ایسا نہیں تھا
 لیکن مجھ میں جو بدلاؤ آیا ہے وہ اقی کے معاملات کی
 وجہ سے آیا ہے۔“ سنی بد نصیبی کی بات ہے یہ ہمارے
 لیے کہ حادث نے دوسری شادی کر لی۔ اقی یہاں
 بیٹھی ہے اور کچھ نہیں کر سکتے ہم حادث کا، اسے شادی
 کرنے سے روک نہیں سکتے صرف اس وجہ سے اقی کی
 خند کی وجہ سے۔ آج ہم نے جو بے عزتی برداشت کی
 ہے۔۔۔۔۔ اقی کی وجہ سے جاتی ہو لوگ سنی باتیں
 بنا رہے ہیں۔ اے کے متعلق ابو کے متعلق۔۔۔۔۔ اور اقی
 کو کچھ احساس ہی نہیں۔ مجھے تو یہ حیرت ہو رہی ہے
 اب ای کو اس سے ہمدردی کیوں ہو رہی ہے۔ ای

☆☆☆

سرگزشت

مجاہد اعظم

لاریزہ یورپ

کھانی محبت کی

کھانی محبت کی

”اس میں ہمدردی کی کون سی بات ہے افق، اصول کی بات ہے۔ تم بھی گھر کی فردہ۔ تمہاری بھی ضرورت تھی۔ اس اگر وہ کپڑے ہے تمہارے لیے بھی لے آتا تو کون سی مصیبت آ جاتی۔“

”افق اس میں سے جو لیتا جا رہی ہے لے لے۔“ عمار کو ماں کی بات بہت نرمی ملی لیکن وہ عینا کے سامنے کوئی ناشائش کرنا چاہتا اس لیے بولا۔

”مجھے نہیں لینے جاؤ تم یہ سب یہاں سے۔۔۔۔۔ اور آئندہ ہلٹر کم سے کم مجھے اس وقت آخرت کرنا جب تم اپنی بیوی کے لیے کچھ لاؤ۔ ای، ایو کے کہنے سے بھی نہیں کیونکہ نہ دیکھو خود پر ترس کھانا پسند ہے اور نہ میں کسی کی چیزوں پر نظر کرتی ہوں جس کی وجہ سے تمہیں صدمے میں مجھے کچھ دینا پڑے۔“ افق عمار کی اس پیش کش پر چڑ کر بولی۔

”کتنی نیکیو سوچ ہے تمہاری، افق، اس میں صدے والی کون سی بات ہے۔ تم بھائی کی محبت کو اس نظر سے دیکھتی ہو۔“ عینا، افق کی سوچ پر قدرے حیران ہو کر بے ساختہ بولی۔ عمار کو عینا کا یوں مدخلت کرنا کھانا نہیں لگا۔

”عینا تم سچ میں ہی بولو تو بہتر ہے۔ یہ ان کہن بھائیوں کا معاملہ ہے۔“

”لیکن چھو، آپ افق کی سوچ تو دیکھیں۔ کتنا دکھ ہوا ہوگا عمار کو افق کی اس بات سے۔“

”بڑی ہمدردی ہے تمہیں اپنے شوہر سے، ساتھ دے رہی ہو اس کا۔“ افق غصے سے بولی تو عینا سے برداشت نہیں ہوا۔

”ظاہر ہے شادی ہوئی ہے ان سے میری، میں ساتھ نہیں دوں گی تو اوروں کو دے گا۔“

”عینا تم اندر سے میں جاؤ۔“ عمار نے عینا کو روکا۔

”جاری ہو، آپ کو پریشان ہونے کی

ضرورت نہیں اور ہلٹر ہے چیزیں اب میرے کمرے میں مت لاے گا۔“ عینا ہلٹرک کر بولی اور اسے کمرے میں چلی گئی۔

”دیکھ لیا آپ نے۔۔۔۔۔ یہی تمہارا تھا میں نے۔۔۔۔۔ دن سے آپ کو گھر آپ کی سمجھ میں تو سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ دیکھا جان کی مظلوم تو افق ہے۔“ باقی ہم سب غلام ہیں۔ جو کچھ بھی افق کے ساتھ ہوا ہے گویا ہمارا وجہ سے ہوا ہے، ہاں۔۔۔۔۔ عمار کو اس سے لالا۔

”بکواس بند کرو عمار اپنی۔۔۔۔۔ کس طرح بات کر رہے ہو تم ہاں سے۔ چار دن میں ہی تمہارے توجہ بدل گئے۔ بیوی اتنی پیاری ہوئی تمہیں کہ تم گھر کے مسائل ہی سے دستبردار ہو بیٹھے۔“ تنزل غصے سے کہتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئے۔

”گھر کے نہیں افق کے مسائل سے دستبردار ہونا چاہتا ہوں میں۔ تم تک میں جسے ہم بھی افق کے مسائلوں سے۔“ عمار غصے سے کہتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ عمارہ بیگم کے چہرے پر غصہ اور بے کسوٹھی۔ افق کے چہرے پر حیرت اور غصہ تھا۔ افق سب کے درمیان سے اٹھ کر اندر چلی گئی۔ تنزل اور عمار پریشان اور بے بس ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

☆☆☆

ماہ پارہ کی بچیاں آئیں تو انہوں نے عربہ کے بارے میں بیٹیوں کو بتایا اور دبے دبے انداز میں عربہ کی پریشانی اور شکایت کی۔

”دیکھیں اس عروہ بھائی بڑے گھر کی بیٹی ہے امیر والدین کی اگلی اولاد ہے نہ وہ آپ کی تلاش برداشت کرے گی اور نہ ہی طعنے۔ بہتر ہے آپ رواجی ساس کا کردار ادا نہ ہی کریں۔“ حاتمہ مار سے بولی۔

”کیا بکواس کر رہی ہو عاصمہ۔۔۔۔۔ میں روانا ساس کا کردار ادا کر رہی ہوں۔ ارے مجھے ناشائش

دلی ہوں میں اسے۔۔۔۔۔ کپڑے استری کر کے دیتی ہوں اس کے۔ جاتی ہو رواجی ساس ہوتی کیا ہے۔“ جاتی ہوں ای اچھی طرح سے جاتی ہوں۔ بس یہی کہنا چاہتے ہیں ہم لوگ آپ سے کہ افق کو تو آپ نے تھپڑ مار لیا تھا۔ سچی بھانجی تھی آپ کی۔۔۔۔۔ گھر اس کے بارے میں ایسا مت سوچے گا۔“

”وہ تو بد زبانی کرتی تھی اس لیے میرا اس پر ہاتھ اٹھا گیا تھا لیکن یہ تو اندر ہی اندر میرے لیے گھو کاٹ رہی ہے مجھ سے۔ حارث اتنا بدل گیا ہے اب بیٹھتا لیکن تب میرے پاس۔۔۔۔۔ آفس آئے ہی سیدھا کمرے میں۔۔۔۔۔ اور اس تجربہ کے پاس تو وقت ہی نہیں میرے پاس بیٹھ سکا۔“ افق کے کم بد زبانی محسوس صاف تھی۔ جیسی اندر سے کئی دہائیوں سے لیکن وہ پوشیدی بھری ہے۔

”ایسا ہی ہوتا ہے ای۔۔۔۔۔ ہر گزرجانے والی چیز کی انسان کو بعد میں ہی قدر آتی ہے لیکن ہماری بد قسمتی یہ ہے کہ آپ کو اس پتھر کی یاد آ رہی ہے جو احساس اور محبت سے خالی تھا۔“

”چنانچہ میں ان چھوٹے لوگوں کا مسئلہ کیا ہے۔“ میاں جی کو کساتھ وقت گزارنا دیکھ ہی نہیں سکتے۔ اپنی حسد اور ملن ہوتی ہے ان لوگوں میں۔“ عروہ دروازے سے کان لگا کر کڑی۔۔۔۔۔ ساری باتیں سن رہی تھی۔ وی وی وی میں غصے اور ملن سے سوچا۔

☆☆☆

”افقی معمولی سی بات پر عمار گھر چھوڑ کر چلا گیا۔۔۔۔۔ اتنی سی بات پر۔۔۔۔۔“ عمارہ بے بسی سے رو رہی تھیں۔

”ای۔۔۔۔۔ عمار برداشت نہیں کرے گا کچھ بھی۔ اس نے ڈوبتے ہوئے ٹائٹیک کو بچایا ہے۔ احسانات کے ہیں ہم۔۔۔۔۔ دینا ہے آپ کا، یہ بات آپ اچھی طرح سمجھ سکتی ہیں۔ واقعی حالات پہلے

جیسے نہیں ہیں۔ افق کو چاہیے بدلے خود کو۔۔۔۔۔ افق آپ کو اس کے حال پر چھوڑ کر لے گا اور غلطی کر رہی ہیں۔ عمار گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ عینا ماں باپ کے گھر جا کر بیٹھ گئی ہے۔ کتنا برا اثر پڑے گا ہمارے گھر کا ماموں بھائی پر جب آپ کا بیٹا بھی وہیں جا کر بیٹھ جائے گا۔“ ایسا بھانسا ہے بولی۔

”آخر بات ہوئی ہی کیا تھی جو ان لوگوں نے اتنا برا ایش بنالیا۔ افق اور عمار کا معاملہ تھا عینا کو درمیان میں بولنے کی کیا ضرورت تھی۔“ عمارہ چڑ کر بولیں۔ ”افقی معمولی باتیں تو گھروں میں ہو رہی جاتی ہیں لیکن عینا نے جان بوجھ کر بات کو بڑھا یا ہے تاکہ اسے ماں باپ کے گھر جا کر بیٹھنے کا موقع ملے اور وہ کھل کر ہماری مخالفت کرے اور عمار کو لے کر علیحدہ ہو جائے۔ یہی منصوبہ تھا اس کا اور وہ بڑی آسانی سے اپنے منصوبے میں کامیاب ہوئی۔“ عمارہ بدگمانی اور دکھ سے روئے ہوئے بولیں۔

افق اپنے کمرے میں کڑی سب کچھ سن رہی تھی۔ اسے ان سارے حالات کا کچھ بھی تھا اور غصہ بھی آ رہا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ ابھی عمار سامنے آجائے اور وہ اسے کھری کھری سنائے۔ لیکن ایسا نہ کیا کیا ہے کہ سارے حالات میری وجہ سے ہی ہیں۔“ اس نے غم دھسے سے سوچا۔ ”چاہے میں مدخلت کروں یا نہ کروں، میں بایوں یا نہ بایوں۔۔۔۔۔ تمام حالات کی میں ہی ذمے دار ہوں اس لیے کہ میں اس گھر میں پڑی ہوں۔ کون سا ٹھکانا ہے میرا جہاں میں چلی جاؤں۔“ اس نے غصے اور نفرت سے سوچا اور پھر چیزیں اٹھا کر پیچھے لگنے کی۔ شور اے کی آواز پر عمارہ اور ایسا۔ تیزی سے۔۔۔۔۔ افق کے کمرے میں آئیں تو غصے سے چلائے گئی۔

”کہاں جاؤں میں۔۔۔۔۔ کون سا ٹھکانا ہے میرا۔ کیوں میری زندگی اجیرن کر دی ہے تم سب نے“

ملخصہ: باب ۱۰۔۔۔۔۔ جون 2012ء

عروہ یہ اپنی اتنی عزت کرتی ہے اور آپ اس پر ہر وقت تنقید کرتے ہیں۔ عروہ شہرام میں بڑی زلفی ہے تو کیا ہوا اور اگر آپ گھر کے دوسرے کام دیکھیں گے تو..... اور وہ بھی گھر میں گھر میں ہیں..... صرف ان پر عمرانی ہی تو کرنا ہوتی ہے۔ آپ کیوں کہتی ہیں بار بار عروہ ہر وقت اپنے کمرے میں رہتی ہے۔“ حارث نے آکر ماں سے کہا۔

”کیا ہوا ماہ پارہ آیا..... آپ کچھ بول نہیں رہیں۔“ ماہ پارہ نے چونک کر خالدہ کو دیکھا جیسے خود کو سنہنڈا۔

”نہیں..... نہیں میں سن رہی ہوں۔“ عینا کے کوالی بچہ ہوا نہیں۔“

”ابھی تک تو کچھ نہیں ہوا۔ علاج کر رہی ہوں میں اس کا۔ عمار بہت ڈسٹرب رہتا ہے۔“ علیہ کمر میں لے تو آیا ہے وہ مٹا کو..... لیکن اس کا الٹی ماں کے قدموں میں ہی پڑا رہتا ہے۔ وہ اور حسین تو یہ سوچ رہے ہیں عمارہ اور اس کا بیٹا ٹاپا میں بھی آئیں گے جب ہم لہیا کو بیٹا کر اپنے کمرے آئیں گے۔“ خالدہ براسانہ بنا کر بولی۔

”میں نے تو چاہا تھا رشتے داری سے لے کر تعلق تک سب ختم ہو جائے تم لوگوں کے بیچ لیکن..... یہ کیا وقت دین لوٹ گیا جہاں سے میں نے اسے دھکیلا تھا۔“ ماہ پارہ نے دل ہی دل میں سہا۔

”اور سنا میں آیا..... کسی رات وہی آپ کی گئی۔“

”جو..... سنا ہے دوسری بار ماں بیٹے جاملے ہے عروہ.....“ بھی بہت خوش قسمت ہیں آپ ہونے پوتیاں کھانے کا ہی شوق تھا آپ کو کبھی مارٹ کی شادی کی جلدی چائی تھی آپ نے..... اور اللہ نے آپ کی سنی۔“ ماہ پارہ جبراً سکرا گئیں۔

”جلدی تو میں نے اس لیے چائی تھی تاکہ

جب میں یہاں ہوں تو میرا سامان بھی نہیں ہوتا چاہیے۔“ افق ہٹ دھری سے بولی۔

”کیا کرے تم اس سامان کا۔ عزت تو تمہاری گئی اس سامان کا کیا تاج محل بناؤ گی؟“

”مجھے معلوم ہے کتنی مشکل سے آپ نے میرے لیے جینز بنایا تھا۔ اس سارے سامان کو سنبھال کر رکھ دیجیے ابھی کے کام آئے گا۔ علاوہ اس زیور کے..... لیکن فکرت کیجیے گا میں یہ زیور جلد لو دوں گی آپ لوگوں کو۔“ افق یہ کہتے ہوئے زیورات اپنے کمرے میں لے گئی۔ عمارہ اور تنزیل نے حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

☆☆☆

”ماہ پارہ آپا کا فون تھا۔ بتا رہی تھیں افق نے خود فون کر کے اپنا جینز واپس منگوایا ہے ان لوگوں سے۔“ قہ قہ..... بھی اتنی بہت دھرم اور بدتمیز لڑکی میں نے۔ دیکھی نہنی..... مجھے تو یقین نہیں آتا حسین کہ وہ آپ کی بھانجی ہو سکتی ہے۔“ خالدہ نے حسین اور عینا کو بتایا۔

”پورے خاندان کا نام ڈبویا ہے اس لڑکی نے ٹھیک کیا تھا تم یہاں آئیں نہ جانے وہاں اور کیا کچھ ہونے والا ہے۔ عمار کا کچھ پتا چلا وہ گھر چلا گیا اپنے دوست کے ہاں ہی ٹھہرا ہوا ہے۔“ حسین رنج اور انہوں سے بولے۔

”ابو عمار اپنے کھر چلے گئے ہیں..... بھپو کی طبیعت خراب ہو گئی تھی اس لیے آپ تو جانتے ہیں عمار اپنی االی سے کتنی محبت کرتے ہیں۔“

”قہ قہ تم جب واپس اپنے سرال جاؤ گی؟“

”چنانچہ اب..... عمار جیسا کہیں گے..... فی الحال تو میں نہیں ہوں۔“ خالدہ اور حسین چپ ہو گئے۔

☆☆☆

”زندگی ہم نے نہیں خود تم نے اجرت کر رکھی ہے۔ ایک خدا نے تمہاری پوری زندگی برباد کر دی مگر تم نے وہ ضد نہیں چھوڑی۔ روتھ اپنی ضد پر قائم اور دیکھو تمہارا.....“ لہیا نے غصے اور انہوں سے افق کو بھینچوڑتے ہوئے کہا۔ پھر لہیا، عمارہ کو افق کے کمرے سے لے کر کپڑی لگئی۔

☆☆☆

ابھی صبح ڈھنگ سے بھی نہیں ہوئی تھی کہ افق کا جینز ٹرک میں لوڈ ہو کر آ گیا۔ عمارہ اور تنزیل ماہ پارہ کی اس پیش قدمی پر اور بھی نوٹ لگے۔ تنزیل نے سارا سامان ٹرک سے اتار دیا تو ڈرائیور نے کچھ چیزیں ہاتھ میں دیں۔ وہ افق کے زیورات تھے جو عمارہ نے چڑھائے تھے۔

”صاحب سامان چیک کر کے آپ اس پرچی پر دستخط کر دیں تاکہ ہم لکان کو جا کر بتا دیں کہ سامان مکمل پہنچ گیا ہے۔“ ڈرائیور بولا۔ تنزیل صدمے کی حالت میں تھے۔ افق کمرے سے نکل کر آئی اور زیورات کھول کر دیکھے، چار چوڑیاں اور ایک نیگلکس سیٹ ہتھ اور بڑا کباب بچھو چھو دکھا۔ افق نے ڈرائیور سے پرچی لی اور سائن کر دیے۔ عمارہ اور تنزیل نے حیرانی سے افق کو دیکھا۔ وہ بالکل بھی شاک نہ ہوئی تھی جیسے وہ اس عمل کے لیے پہلے سے ہی تیار تھیں۔

”یہ سامان میں نے خود فون کر کے منگوایا ہے۔“ ڈرائیور کے جانے کے بعد افق بولی۔

”اور کتنی کا لگاؤ کی تم ہمارے منہ پر.....“ عمارہ پیچھے سے جدبانی پنے سے افق کے منہ پر تھپتھر مار دیا۔

”جینز کا سارا سامان میرا ہے، اس پر حق بھی میرا ہے۔ کسی کی ملکیت نہیں ہے یہ کوہاں پڑا رہتا۔

عروہ کے ماں نے خبر کی ہے یہ ماہ پارہ نے سنی تو سب کچھ بھول بھال گئیں۔ حارث بھی اس خبر پر بہت خوش تھا۔ عروہ کو اور بھی چاہت سے نواز رہا تھا۔ حارث باپ بننے کی خوشی میں بھول کر گیا تھا کہ وہ بھی کسی کا بیٹا ہے۔ ہر وقت عروہ کی ناز برداریاں اور اس کی ضرورتوں کا خیال حارث کو نیکر سامان سے دور رکھتا تھا۔ کچھ عروہ میں بھی ایسی ہوشیاری اور چالاکی تھی کہ وہ حارث کو ماہ پارہ سے روز بروز بدلتی کر رہی تھی۔ دیئے عروہ، ماہ پارہ سے بھی اکثر نہیں بولتی تھی، بھی بدیمیزی نہیں کرتی تھی لیکن ماہ پارہ کو عروہ پر برتری اور حاکمیت بھی حاصل نہیں تھی بلکہ بعض اوقات تو ماہ پارہ کو عروہ کے سامنے اپنا آپ تغیر اور کمزور لگانا۔ دن ایسے ہی گزر رہے تھے۔

افق نے زیورات بیچ کر پیونڈری میں ایڈیشن لے لیا تھا۔ اصر حارث کے بیٹا ہوا تو عروہ نے علیحدگی کا مطالبہ کر دیا۔ عینا واپس آ تو گئی لیکن عمارہ کے دل کی خلش کو مٹا نہ سکی۔ عمارہ کے عینا کے ساتھ آنے روز کے بھٹکے رہتے چلے گئے۔ عینا کا رویہ گھر میں بھی خراب رہنے لگا۔ یہ کھینچتا پانی اتنی بڑھی کہ عمارہ، عینا کو لے کر گھیر رہے پر مجبور ہو گیا۔ اصر خالدہ اور حسین نے عمارہ اور تنزیل سے محاذ آرائی شروع کر دی۔ عینا اور عمار کے علیحدہ گھر جانے تک یہ محاذ آرائی نہ رکی۔ جس کی وجہ سے عمارہ اور حسین کے درمیان دوری بڑھتے بڑھتے نفرت کی حدوں کو کھینچ گئی۔

ماہ پارہ بھی چاہتی تھیں لیکن جب ان کی یہ چاہت پوری ہوئی تو ان کے پاس کھینچنے کے لیے کوئی بھی باقی نہیں تھی۔ خالدہ، ماہ پارہ کو عینا کے حلقے تار ہی تھیں اور انہیں ذرا عیب دیکھتی نہیں تھی۔ وہ یہ سوچ رہی تھیں کہ آج عینا ان کے گھر میں کبسا انقلاب آیا۔

سے ہی ہے۔ میرا مطلب ہے پہلے سے ہی ہے۔ آپ تھک سے دو انہیں لے رہیں اس لیے وہ آپ ہوگا۔ شہناز سے کہیں بیروں کی ماش کرے آپ کے۔“

”شہناز تو اب آتی ہی نہیں۔ سارے کام ہی تمہاری بیوی کی ملازمہ کرتی ہے۔ سملی نے اور اس نے پورے گھر پر قبضہ کر لیا ہے۔ میں تو فرینج سے پانی بھی اٹھ کر پینے کے قابل نہیں ہوں عارث۔“

”اچھا، میں کل آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے کر چلوں گا آپ فکر نہ کریں۔ لائٹ بجھا دو تاکہ آپ سو جائیں۔“

”نہیں..... لائٹ مت بجھانا..... دم گھٹنے لگتا ہے میرا۔ بالکل اندھرا ہو جاتا ہے۔ سانس نہیں آتی مجھے۔ لائٹ کھلی رہے دو..... اور یہ کڑکی بھی تھوڑی سی کھول دو۔ اب جاؤ تم..... اور ہاں سنو عارث..... میں اگر آواز دوں تو جلد سن لینا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا دم گھٹ جائے۔“

”کیا ہو گیا ہے ای کی آپ کو، ایسا کچھ نہیں ہوگا میں آپ کے پاس ہی ہوں آپ سو جائیں۔“ ماہ پارہ نیکو بستر پر لٹا کر عارث دے قدموں کرے سے نکل گیا۔

☆ ☆ ☆
”مجھے لگتا ہے ای کو کھٹک کا مسئلہ ہے جو بہت بڑھ گیا ہے جب میں کے بخارات دماغ پر چڑھتے ہیں تو انسان یونہی یونہی ہنگی ہنگی کرتا ہے جیسے ای کر رہی ہیں اور اگلے سیدھے خواب آتے ہیں میں کے مرلیش کو بدقسمتی اور طعن ہوتی ہے جس، جھٹکن محسوس ہوتی ہے“ عرویدہ عارث کو پریشان دیکھ کر ماہ پارہ کے متعلق مطمئن کرنا چاہ رہی تھی لیکن عارث مطمئن نہیں ہوا۔

”لیکن عرویدہ ای کے پاؤں کام نہیں کر رہے

”میں حیران ہوئی ہوں تمہاری پیش کش پر..... بائیوڈی میں اتنی اچھی لٹریاں ہیں اور تم نے میرا انتخاب کیا۔“

”تم ان سب لڑکیوں سے بہت مختلف ہو..... چاہے کیا میں نے پایا، مانا ہے بھی تمہارا ذکر کیا ہے۔ ملوانا چاہتا ہوں میں ان لوگوں کو تم سے۔“

”مردروں کی میں تمہاری مانا، پایا ہے لیکن ایک شرط پر..... تم شادی کی کوئی بات نہیں کرو گے۔“

”مگر کیوں اتنی؟“

”میں شادی شدہ ہوں زہیر..... اگر تمہیں یقین نہیں آ رہا تو میں کچھ نہیں کر سکتی۔ ہاں البتہ تم جاؤ تو میرے گھر والوں سے نقد کر سکتے ہو۔ کاج نامہ بھی دکھا سکتی ہوں میں تمہیں..... لاف کچھ اس انداز میں بولی کر زہیر دنگ رہ گیا۔ پھر آتی نے اپنے بارے میں سب کچھ زہیر کو بتا دیا۔

☆ ☆ ☆
”عارث..... یہ کچھ ملاتی ہے کمانے میں، میں اس کے ہاتھ کا کچھ نہیں کھاؤں گی۔ کبہری ہوں میں تم سے..... میرا دم گھٹ رہا ہے اس گھر میں..... مجھے جانا ہے..... مجھے کہیں لے چلو یہاں سے لے چلو عارث۔“

”کیا ہو گیا ہے ای کی آپ کو..... عرویدہ آپ کا اتنا خیال رکھتی ہے اور آپ ای پر شک کر رہی ہیں۔“

”ہاں..... تو کیوں نہ کروں شک..... یکدم بستر پر بیٹھ گئی میں بیروں سے چلا نہیں جاتا مجھ سے..... مجھے جڑے گئے ہیں میرے۔“

”ای عمر کا تقاضا ہے..... یہ کیوں نہیں سمجھتیں آپ.....

”ہاں..... یکدم سو سال کی ہو گئی ہوں میں۔“

”گھٹنوں میں تکلیف تو آپ کو سو سال پہلے

چال پوچھتا تھا اتنی کچھ اچھا لگتا تھا۔“ زہیر اُٹھ کر بیٹھتا تھا خوش حراج اور خوش لڑکا تھا۔ زہیر شاہ اتنی کا کلاس فلو تھا۔ اس کے اسی گاڑی میں ڈراپ بھی کرتا۔

آج گاڑی میں زہیر نے ہنسی مذاق کرتے ہوئے اتنی کو پرویز کو ڈالا..... وہ حیران ضرور ہوئی لیکن چونکی نہیں..... اس کے گھر اڈ پر زہیر پوچھتے بنا نہ رہ سکا۔

”میں نے اتنی اہم بات کی آپ سے اور آپ نے مجھے کوئی رسپانس ہی نہیں دیا۔“ اتنی ہلکا سا مسکرائی اور اعتماد سے بولی۔

”میں میرے ہوں۔“

”مذاق اچھا کر رہی ہیں آپ۔“

”تم یقین اتار دو مجھے..... مجھے کچھ شایگہ کرتی ہے۔“

”میں واقعی میری ہوں اتنی۔“

”تم سے ایک بات پوچھوں زہیر..... کیا تم نے مجھ سے دوستی اس لیے کی تھی کہ مجھ سے شادی کرو گے؟“ اتنی نے زہیر کی طرف دیکھا اور جیدگی سے بولی۔

”نہیں دوستی اس لیے تو نہیں کی تھی لیکن دوستی کرنے کے بعد مجھے لگے آپ..... اور میں اچھی زندگی گزار سکتے ہیں۔“ زہیر ٹھوڑا سا نفیوڑ ہو کر بولا۔

”اچھی زندگی شادی کے بغیر بھی تو گزار سکتے ہیں ہم لوگ۔“

”مگر اس میں جرح بھی کیا ہے اتنی؟“

”جرح ہے ناں..... میں ایک اچھے دوست کو کھودوں گی۔“

”دیکھو جس میں معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں وہاں لڑکے بڑکی کی دوستی کیا معنی رکھتی ہے تم اچھی طرح سے جانتی ہو۔ میں اس دوست کو کوئی سختی دینا چاہتا ہوں۔“

ساری بساط خراب کر سکیں لیکن مجھے کیا معلوم تھا اتنی مجھے ہی ہوگی۔“ ماہ پارہ ہیکم نے سوچا۔

”عرویدہ نے عارث کے دل میں میرے لیے اتنا زہر گھول دیا ہے کہ وہ مجھ سے بات تک نہیں کرتا۔“ ماہ پارہ ہیکم کے چہرے پر بروں کی جھٹکن تھی۔

خالدہ کو ماہ پارہ کا انداز عجیب سا لگا۔

☆☆☆
خالدہ اب بات کا اظہار حسنین کے کیے بنا نہیں رہ سکیں۔

”مکلی پارا ہوا ہے کہ آپ کی بہن نے اپنی بڑی بہن یعنی اتنی کے متعلق کچھ نہیں پوچھا۔ کچھ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی انہوں نے۔“

”اب بھی یہ کیا گیا ہے جو چھپنے کے لیے بھجیر کا سامان تک تو ڈھونڈا اتنی نے..... تم سے کہ سامان پڑا رہتا تو انہیں یہ تو یاد رہتا کہ اتنی بھی عارث کے کٹاک میں ہے..... مگر نہ بھی بھولے ہرے یاد ہی کر لیا کرتے اسے۔ یہ سارے تعلق انہیں میں نے سنا ہیں۔ دینے ایک عجیب بات بتاؤں تمہیں میں نے سنا ہے اتنی نے زہیر کو اپنی بیٹی میں لے لیا۔“

”ساری زندگی بر باد کر کے اب پڑھ کر وہ کیا کرے گی۔ ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے اور لڑکیوں کے لیے تو خاص طور پر وقت بہت ہی مختصر ہوتا ہے۔ تعلیم کے بعد شادی، شادی وقت پر نہ ہو تو بھی نہیں ہو پاتی۔ اگر اسے زندگی کی طرف لوٹنا ہی تھا تو اسے چاہیے تھا اپنی زندگی بر باد دینے سے بچنا..... چلی ہے پڑھنے، کون سا تیر مار لے گی تم بھی دیکھ لیں گے۔“ خالدہ حیران تھیں، طنز پر ہوسیں۔

☆☆☆
زہیر شاہ کی قربت نے اتنی میں بہت سی تبدیلیاں پیدا کی تھیں۔ اتنی ہنسنے بولنے لگی تھی۔ اپنا خیال رکھنے لگی تھی۔ صبح سویرے زہیر شاہ اس کا حال

ماہنامہ ادا یکڑہ۔ جون 2012ء

اعتماد سے بولی۔

”جیسے تم جانتی ہی نہیں۔ میں تمہارا شوہر ہوں۔“ حارث غصے سے بولا۔

”کیسے کیسے لوگ آجاتے ہیں آپ کے ہوٹل میں۔ اس شخص کی بیوی مرگئی ہے اور یہ دوسری عورتوں کو اپنی بیوی کہتا پھر رہا ہے۔“ اُفتی نے وزیر کو بلا کر کہا۔

”ایکسکوز می سر۔“ پلیز آپ یہاں سے جائیں۔“ ڈیوٹر نے حارث سے کہا۔

”تم کیا کر رہی ہو اندازہ ہے مجھے؟“ حارث چلا کر بولا۔

”دفتری بریض کر رہی ہوں آپ کو۔۔۔۔۔ یہی سنتا چاہتے تے ناں آپ۔“ اُفتی نے نرمی سے جواب دیا۔

”پلیز سر چلے جائیں یہاں سے ورنہ ہمیں پولیس کو اُفتاد کر کرنا پڑے گا۔“ ڈیوٹر نے کہا تو حارث دو غصے سے ہوئی سے نکل آیا۔ زیر شاہ نے حیرانی سے اُفتی کو دیکھا۔

”پاکل تھا ہے چارہ۔“ تعلق ہے اس کا میری فیملی سے۔ لیکن اتنا بھی نہیں کہ مجھ سے سوال جواب کرے آکر۔۔۔۔۔ بہر حال تم اپنا پروگرام فکس کر رہے تھے۔ مجھے تو میرا ارادہ یہی ہے کہ کتنی اسی

بٹنے رکھ لیتے ہیں۔“ اُفتی زیر شاہ سے بولی۔

”یہ دیکھو انگوٹھی۔۔۔۔۔ پسند ہے جہیں۔۔۔۔۔؟“ زیر شاہ مسکرا کر بولا۔ اُفتی نے

مسکراتے ہوئے انگوٹھی پہن لی اور کہا۔

”بہت پیاری ہے، تمہاری محبت نظر آرہی ہے اس میں۔“ زیر شاہ نے محبت سے اُفتی کو دیکھا۔

”تم میرا بہت بڑا سہارا بنے ہو زیر شاہ۔ اچھے دوستوں کا ساتھ ہو تو انسان مشکل وقت اور حالات دونوں کا بڑا سہارا بن جاتا ہے۔ نہ جانے تم میری

میں ایسا کر فقا رہا کہ مجھے کچھ بھی دکھائی نہیں دیا۔“ اُفتی کو پتہ چلا تھا کہ اس کا شوٹنگ تھا۔ بدود

پا ہے اُفتی کے۔۔۔۔۔ اور اسی قابل بھی نہیں ہیں کہ خود کو سنبھال سکیں بچوں کو تو کیا سنبھالیں گی۔ اُفتی

میری بیوی ہے، وہ مجھے اس طرح نظر انداز کر کے کسی اور کے ساتھ کیسے پھر رہی ہے وہ ایسا نہیں

کر سکتی۔ وہ میرے گھر آئے یا نہ آئے۔ میرا گھر بسائے یا نہ بسائے لیکن وہ کسی اور کے ساتھ

کیسے۔۔۔۔۔ میں ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔“ حارث غصے اور نفرت سے بے چین ہوا۔

☆☆☆

رات کا نہ جانے کون سا پھر تھا جب ماہ پارہ کے چنے کی واوازیں آئیں۔ حارث دو دریاں کے پاس

گیا۔ ماہ پارہ دوری نہیں۔ حارث سے اُفتی کی کردہ عمارہ سے ملتا جاتی ہیں۔ عمارہ سے بات کرنا چاہتی

ہیں۔ دل کا ہلکا ہوا جانتی ہیں ان سے۔ حارث نے بے مشکل ماں کو سنبھالا اور سمجھایا۔

”میں عمارہ آتی ہے پاس جاؤں گا۔ انہیں بتاؤں گا۔ آپ کے متعلق۔“ ماہ پارہ مطمئن ہو گئیں لیکن حارث

دل ہی دل میں پریشان تھا کہ وہ کس طرح عمارہ آتی کے گھر جائے گا۔

☆☆☆

آج پھر حارث نے زیر شاہ کے گھر اُفتی کو دیکھا۔ حارث سے برداشت نہیں ہوا تو وہ اُفتی کے

پاس آیا اور پوچھا۔

”یہ کون ہے؟“ حارث شاید اپنے غصے پر قابو نہیں پا سکا تھا اس لیے اپنا ٹیگر لوز کر بیٹھا۔ ”کون ہے“

فہم اس کو کہیں تم ہر وقت اس کے ساتھ نظر آرہی ہو گئے۔“ زیر شاہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

”مجھے یہ سمجھ نہیں آیا کہ آپ کون ہیں اور کس رشتے ان لوگوں سے۔ مجھے یہ حق جتنا دے ہیں۔“ اُفتی

حارث، اُفتی کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ جس کو اس نے یہ کہہ کر رنجش کیا تھا کہ وہ ایک نفسیاتی مرینر

ہے آج وہ بڑے اعتماد کے ساتھ اپنے باس کے ساتھ کڑی تھی۔ اُفتی نے بھی حارث کو دیکھا۔ حارث پہلے

کی نسبت کمزور ہوا تھا۔ رنگ بھی اب ویسا غلا ہوئیں رہا تھا اس کا شبیہ بھی بڑی تھی، آنکھوں پر

چشمہ لگا تھا، اس کی نسبت اُفتی روشن روشن لگ رہی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا تھا۔

حارث، اُفتی کی طرف بڑھا تو وہ انجان بن کر آگے بڑھ گئی۔ زیر شاہ اس کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولے

کڑا تھا۔ وہ گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی۔ حارث کے لیے اُفتی کا یہ قدم بہت ہی شاندار تھا۔

☆☆☆

اس رات حارث کو نیند نہیں آئی۔ وہ ساری رات گردش بدلتا رہا اور اُفتی کے بارے میں سوچتا

رہا۔ ساری رات حارث، اُفتی اور عروہ کو کپیئر کرتا رہا۔

”اُفتی بظاہر رحمہ مزاج تھی ہر بات منہ پر کہہ دیتی تھی۔“ ہر بات کا جواب دیتی تھی۔ اس نے کسی اپنی

اس کی دلجوئی نہیں کی۔ میرے لیے نہیں سمجھی اپنی ضد پر قائم رہی اپنی بات سنانا چاہتی تھی۔ بات سنانے کے

لیے اس نے اپنے اصول توڑے۔ وہ اُمتی کے لیے بھی جنگی اور میرے لیے بھی اور جب اسے لگا اسے اپنا

حصول یہاں نہیں لے گا تو وہ کتنی ڈٹ گئی۔ اور پھر اس نے کسی کو بھی پتہ نہیں سمجھا۔ نہ کسی رشتے کو اور

نہ ہی زندگی کی تبدیلی کو۔ اس کا ذہن سے زیادہ نقصان خود اسے ہی پہنچا۔ ہر جگہ سبیل و خوار ہوئی

بدنام ہوئی۔ عربہ شیریں شکم، مہمان نوازشی لیکن بے خطر ناک ثابت ہوئی وہ۔ اُمتی کو قطرہ قطرہ زہر

دے کر مارنا چاہتی تھی۔ اپنی خطرناک عورت۔ دغلی عورت، جھوٹی اور چالبا عورت جس کے جال میں

نذر کیے تھے۔ جب تک انسان اپنا یہ خود نہ اٹھائے کوئی کسی کا پوچھ نہیں اٹھاتا۔ اُفتی کو یہ بات اچھی طرح

سمجھ میں آگئی تھی۔ عمار کے چلے جانے کے بعد کمر کی وہی صورت

حال ہو جاتی جب منزل کا کاروبار ڈھونڈنا لیکن اُفتی نے ماں باپ کو سہارا دیا۔ اُفتی نے پہلی سٹری ماں کے

ہاتھ میں لا کر دی تو عمارہ کی دکھ اور شرمندگی سے آنکھیں بھر آئیں۔ انہیں احساس ہو گیا کہ بیٹے

نہیں بیٹیاں بھی بڑھ اٹھتی ہیں سہارا بن سکتی ہیں۔ آج سے اُفتی سال پہلے اگر عمارہ اپنی کا سہارا نہیں تو

اُفتی کے اُفتی سال برباد نہ ہوتے، وہ بدنام نہ ہوتی لیکن اسے اب ان باتوں کی پروا نہیں تھی، وہ

بڑے اعتماد سے سراٹھا کر بیٹھی تھی۔ کہہ سکتی تھی دنیا والوں کو کہ جیت جذبے کی ہوتی ہے۔ اُفتی میں

passion تھا اس نے اپنی منزل کو پایا لیکن کسی بھی منزل تک جانے کے لیے صحیح راستے کی سب سے

زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور کوئی بھی رات بنا رکاوٹ کے نہیں ہوتی۔

ہر روز صبح آفس جاتے ہوئے عمارہ، اُفتی کو نشا ہٹا بنا کر دیتیں۔ اس کا کچھ پیک کر کے دیتیں۔ ایسا اس کے

کے کپڑے پر کس کر کے کرتی تا کہ صبح اسے جانے میں کوئی تھیں نہیں ہو لوگ باقی بھی نہاتے تھے کہ عمارہ

اور منزل پہنچی کی کمانی کھارے ہیں لیکن اب اُفتی کو ان باتوں پر غصہ نہیں آتا تھا کہ عمارہ کو حیرت ہوا کرتی

جب وہ انہیں سمجھاتی کہ لوگوں کی پروا کرنا چھوڑ دیں۔

زیر شاہ اب بھی اُفتی کے پیچھے تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح سے وہ اپنے شوہر سے طلاق لے لے

جیکہ اُفتی نے اس بارے میں اسے بھی سمجھائی ہے سوچا بھی نہیں تھا کہ حارث سے اس کا ایک بڑس کا نفرنس

میں آسنا سامنا ہوا۔

زندگی میں کیسے آگے اور پھر یک دم اسنے اہم ہو گئے۔ میں تمہاری آمد کا خیر مقدم کرتی ہوں۔ بے فکر رہو میں تمہیں بھی مایوس نہیں کروں گی۔ جب تک ہماری دوستی کسی رشتے سے منسلک نہیں ہوئی میں تمہارا شکر یہ ادا کرتی نہیں سکتی۔ ”افق نرمی اور محبت سے بولی۔ مذہبیر شاہ کے چہرے پر مسکراہٹ اور دہشت تھی۔

☆☆☆

عاصمہ اور ساجدہ ماہ پارہ کے پاس تھیں۔ ماہ پارہ ہم عمر کسی بستر پر لیٹی ہوئی تھیں۔ حارث فخر مندگی سے ایک طرف بیٹھا تھا۔

”ایسا کب تک چلے گا حارث؟ تم شادی کا فیصلہ کیوں نہیں کر لیتے۔ تمہارے گھر اور بچوں کو عورت کی ضرورت ہے حارث۔ خاص طور پر تمہارے بچوں کو ماں کی ضرورت ہے۔ ابھی بچے چھوٹے ہیں ان کے ساتھ بھی ایڈجسٹ کر لیں گے۔ زیادہ وقت ٹکالو گے تو بہت مشکل ہو جائے گی۔“ عاصمہ نے حارث کے چھوٹے بیٹے کو دو اپائی پھر اسے بستر پر لٹاتے ہوئے بولی۔ ساجدہ نے حارث کو سمجھانے کی کوشش کی۔ حارث نے غصے سے ساجدہ اور عاصمہ کو دیکھا۔

”ہم جانتے ہیں حارث کہ عروہ بے گاہ تمہارے لیے جان لیوا ہے۔ اس اچانک حادثے نے ہمیں بوڑھا بنا دیا۔ لیکن یہ بھی مت بھولو کہ تمہیں اور تمہارے گھر کو سینے کے لیے ایک عورت کی ہی ضرورت ہے۔“ عاصمہ نے حارث کو قائل کرنے کی کوشش کی۔

”مجھے نہیں کرنی شادی۔۔۔۔۔ اور پلیز آپ لوگ بار بار مجھے شادی کے لیے نہ کہیں، نہیں کرنی مجھے شادی۔۔۔۔۔“ عاصمہ اور ساجدہ چپ ہو گئیں۔ ”وقت کے ساتھ ساتھ ہم عروہ کی محبت پر بھول جاؤ گے اس کی جہاد کی برداشت کرنا سیکھ لیں گے لیکن تب تک بچے اسنے بڑے ہو جائیں گے کہ تمہارے

ساتھ کسی کو برداشت نہیں کریں گے۔ کم سے کم ای کی ہی فکر کرو۔۔۔۔۔ ای کا حال دیکھو کیا ہو رہا ہے۔ بالکل ہی کم عمر مسمی ہو گئی ہیں۔ اس صدمے نے تو ای کو کبھی توڑ کر رکھ دیا ہے۔“ عاصمہ تجوڑ بھر کر بولی۔

”صدمے نے ہمیں عروہ کی سازشوں، سازشوں نے ای کو اس حال تک پہنچا دیا ہے۔ بہت ہی اچھی، بہت پیاری بیواہ کر لائی ہیں آپ لوگ۔ قطرہ قطرہ روتے رہتی تھی وہ ای کو۔۔۔۔۔ تاکہ ای مجرمان اور وہ میرے ساتھ سن مانی کی زندگی گزار سکے۔“ حارث جیسے پھٹ پڑا۔ عاصمہ اور ساجدہ کا منہ کھلا اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

”کیا۔۔۔۔۔ کیا کہہ رہے ہو حارث تم بچے عاصمہ پر مشکل تمام بول پائی۔“ عروہ بہت محبت کرتی تھی تم سے۔“ ای سے۔

”میری بات کا یقین نہیں آئے گا آپ لوگوں کو۔۔۔۔۔ یہ بلڈ پورٹس ہیں یہ دیکھیں۔“ حارث نے فائل اٹھا کر عاصمہ اور ساجدہ کو دکھا۔۔۔۔۔ عاصمہ اور ساجدہ گلگ رہ گئیں۔

”ای کو اس حال میں پہنچانے والا کوئی اور نہیں، میں ہوں میں۔“ حارث دکھ اور صدمے سے پاں کی طرف دیکھ کر بولا۔ حارث رونے لگا۔ ”نہیں دیکھی جاتی تھیں۔۔۔۔۔ ای کی یہ حالت۔ میں اتنا غرق ہو گیا تھا عروہ کی محبت میں کہ عروہ کو سمجھا ہی نہیں میں نے۔ سمجھا بھی کسی۔ عروہ پر وقت جان شاد رہتی تھی مجھ پر اور مجھے لگتا تھا ایک بڑی کا اس سا اچھا روپ کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ اتنا سن ہو گیا تھا کہ میں اس میں۔۔۔۔۔ لیکن مجھے کیا معلوم تھا اندر سے اتنی گھٹناؤں اور زہریلی ہو کی وہ کہ میری ماں کو ہی مارنے کی کوشش کرے گی۔ شاید اس کی موت ای طرح بھی تھی اگر وہ ایسے نہ مرنے تو میں اسے اپنے ہاتھوں سے مارتا تھا، خازن کے چہرے پر اٹھتا تھا اور فزٹ تھی

کہ عاصمہ اور ساجدہ دہل گئیں۔ ماہ پارہ آہستہ آہستہ بڑبڑاتی تھیں۔

”حسین اور عمارہ سے کہو۔۔۔۔۔ ملے آئیں مجھ سے۔ میں بہن ہوں ان کی۔۔۔۔۔ سوتیلی ہوں تو کیا ہوا۔۔۔۔۔ مجھے عمارہ سے معافی مانگنی ہے۔۔۔۔۔ مجھے افق کے پاس لے چلو۔“ ماہ پارہ رونے لگیں تو عاصمہ نے ماں کے آنسو پونچھے اور حارث سے بولی۔

”کیا ایسا ممکن ہے حارث کا افق واپس اس گھر میں آجائے۔“ حارث نے بے بسی سے عاصمہ کی طرف دیکھا۔

”کوشش کرنے میں حرج نہیں افق تمہاری بیوی ہے حارث۔۔۔۔۔ تم اسے کی زندگی طرح رضامند کر کے واپس گھر لائے ہو، یہ تمہارا حق ہے۔“ ساجدہ نے حارث کو حوصلہ دیا۔

☆☆☆

عمارہ اپنے گھر میں عاصمہ، ساجدہ اور حارث کو دیکھ کر روک رہی تھیں۔

”آج اتنے عرصے کے بعد کیسے یاد آگئی تھیں ہماری۔“ عاصمہ اور ساجدہ جیسے شرمندہ سی تھیں۔ حارث بھی چپ چاپ سا تھا۔ عاصمہ اور ساجدہ نے عمارہ کو بلکہ ماہ پارہ کی پیاری کے بارے میں بتایا۔

عمارہ بیٹیم نے عروہ کی موت کا افسوس کیا۔ حارث نے عمارہ بیٹیم سے معافی مانگی۔ حارث اپنی ماں کی پیاری کی وجہ سے خاصا کمزور ہو گیا تھا۔ وہ رو دیا۔ عمارہ بیٹیم کا دل پیچ ایچ۔ انہوں نے حارث کو گلے سے لگا لیا۔ عاصمہ اور ساجدہ نے افق کو لے جانے کی خواہش ظاہر کی۔ عمارہ بیٹیم کے لیے اس سے بڑی خوشی کی بات کیا ہو سکتی تھی۔

”افق تو حارث کی ہی امانت ہے۔ وہ جب چاہے لے جائے۔ ویسے بھی بیٹیاں تو کسی بھی حال میں گھر میں نہیں رہیں گی جانیں لیکن اگر ہر وقت انہیں گلے

میں لٹکا دے تو وہ گلے سے نوج کر کے نہیں رہیں۔ عمارہ بیٹیم نے کہا تو۔۔۔۔۔ حارث نے ایک بار پھر اپنے کیے کی معافی مانگی۔

”افق جاب کر رہی ہے۔“ عمارہ نے افق کے بارے میں بتایا حارث یہ بات جانتا تھا جبکہ عاصمہ اور ساجدہ کے لیے افق کا یہ روپ نیا تھا۔ عمارہ نے افق کو فون پر کر کے گھر بلایا۔ افق کے لیے حارث، عاصمہ اور ساجدہ کی آمد جرن کن تھی۔

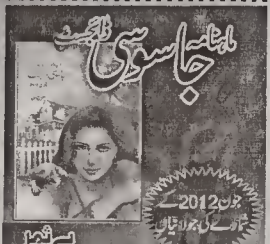
”حارث تمہیں لینے آیا ہے۔“ عمارہ نے افق کو بتایا۔

”کیوں لینے آیا ہے وہ؟“ افق نے پوچھا۔ ”مجھے معاف کرو افق۔۔۔۔۔ میں تمہیں سمجھ نہیں پایا تھا۔“ حارث کمزور سے لہجے میں بولا۔

”معافی تو شاید تمہاری مانتی چاہیے کہ میں تم لوگوں کے معیار پر پوری نہیں اترتی۔۔۔۔۔ مشکل سے نہ عقل سے اور دان مجیز کے معاملے میں۔ تم کو معافی مانگ رہے ہو مجھ سے۔“ افق طنز بہ انداز میں بولی۔

”دیکھو افق تم آگے بڑھنا چاہتی تھیں اور میں نے تمہاری اس خواہش کو رد کیا۔ اگر میں تمہاری اس معمولی سی خواہش کو پورا کر دیتا تو آج میرا اتنا نقصان نہیں ہوتا بڑھتا ہو گیا۔“

”معمولی سی خواہش۔۔۔۔۔ تمہارے لیے تھی میری وہ خواہش معمولی لیکن میرے لیے میری پوری زندگی کا خواب تھی میرے جینے کا مقصد ہی اور وہ آج میں نے بنا تمہارے سہارے کے پایا ہے۔ لیکن آج تمہیں میرے سہارے کی ضرورت ہے تو تم جھک کر چلے آئے۔۔۔۔۔ تم نے سوچ بھی کیے لی کہ تم آؤ گے اور میں تمہارے ساتھ چل بیڑوں کی۔ بھول ہے تمہاری۔۔۔۔۔ اب میں یہاں بھی کسی پر بوجھ نہیں ہوں حارث۔ جو تمہارے پروردگار میں اور بھی جوگ لے



لہلہ ساہو کی زندگی کی دل فریبیاں سچائی میں مضمر ہیں...

جھوٹے ٹکڑے، بے ثبات بے ثباتی،
دلکے پہلو، دلکے کی عکاسی، مدنی الدین نواب کی تحریر

محبوبہ کی دل فریبیاں
مغربی ماحول کے رنگ و بو، حجاب کی فانیل، فوٹو گرافی

گراں قدر

مسلسل ایک نئی منزل کی جانب رواں
دو اسما قادری کی سلسلے دار کہانی

لنگر

نئے امتحانات سے دو چار تائیں اور عمر ان کے
کارنامے طابرجا وید مغل کا سلسلہ

سوز و گم کی کہانیاں
فریب کی گلی

ایک نوجوان کو پیش آنے والے پے در پے سنی فیز
واقعات سلیم فاروقی کے جاؤ قلم سے

اجل اشفاق

دوستی کے سفر پر گامزن اشل ساسوں کا
عبرت انگیز احوال ڈاکٹر عبدالرب بھٹن کا ناز

آپ کے گھر...
موسم کی گلی...
اور قلم کی گلی...
کتنی کتنی گلی...

کتنی کتنی گلی...

ہے۔
”میں افاق کو رضامند کرنے کی کوشش کر رہی
ہوں۔ حادثہ وقت گئے گا اسے۔“ عمارہ بیگم نے
کہا۔

”آپ کچھ نہیں کر سکتیں آئی... ہمیشہ افاق
نے جو چاہا وہ کیا ہے۔ کب آپ کی مرضی مانی ہے
اس نے۔“

”اس کی ایک ہی ضد تھی حادثہ جو پوری ہوئی
اب اس کی کوئی ضد نہیں۔ آہستہ آہستہ وہ رضامند
ہو جائے گی۔“ حادثہ اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ
پاتا تو بولا۔

”تو آپ کہہ رہی ہیں نا... کہ اس کی کوئی
ضد نہیں کوئی وجہ نہیں، وہ مان جائے گی۔ کیسے مانے
گی وہ... دو قسوں کو اور کو پسند کرتی ہے۔“

”کیا کہہ رہے ہو تم حاس؟“ عمارہ بیگم کو جھکا
لگا۔

”نہیں کہہ رہا ہوں آئی میں... آپ تو گھر
میں رہتی ہیں آپ کو کیا معلوم کہ باہر کیا ہو رہا
ہے۔“ افاق آفس سے آئی تو حادثہ اور اوری کو باتیں
کرتا دیکھ کر باہر ہی رک گئی۔ حادثہ کے الفاظ افاق
کے کانوں میں بڑے۔

”میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے
آئی... اسے زہیر شاہ کے ساتھ۔“ حادثہ جذباتی
پانے سے کہتا چلا گیا۔ ”ہر وقت وہ اسی کے ساتھ ہوتی
ہے۔ بھی ہونٹ لگ کرے ہوئے، بھی شاپنگ کرتے
ہوئے۔ کیا یہ سب اسے زیب دیتا ہے۔ اسے نہیں
معلوم وہ میرے نکاح میں ہے۔“

”میری بیٹی پر الزام لگانے سے پہلے حادثہ کم
سے کم تعذر حق تو کر لیتے۔ آنکھیں جو دیکھتی ہیں وہ
ای کی دیکھ نہیں ہوتا جو ہم سمجھ رہے ہوتے ہیں۔“ عمارہ
خسے گھر سے اور افسوس سے بولیں۔ ”زہیر شاہ سے ابھی

گھر اس کا مطلب ہے نہیں کرتی اور حادثہ اب ایک
راستے پر نہیں چل سکتے۔“ عاصمہ افاق کو سمجھاتے
ہوئے بولی۔

”اس کا مطلب یہی ہے۔ حادثہ اور میں ایک
راستے پر نہیں چل سکتے۔ حادثہ بہت خوب صورت،
ویل انجیو کلڈ، اپنی ماں کا لاڈ اور قیمتی بیٹا ہے۔ میں
اضٹ، پتھر... بھلا کیسے ہمارا ایک راستہ ہوسکتا
ہے۔“ حادثہ، عاصمہ اور ساجدہ مایوس دھجکے ہیں۔
”نہیں ہے اب نہیں موقع ملا ہے تو تم اپنی سن
مانی کی زندگی گزارو لیکن یہ تم مجھ کو تم اب بھی
میرے نکاح میں ہو تم کسی اور شخص کے ساتھ زندگی
نہیں گزار سکتیں۔“ حادثہ جاتے جاتے بولا۔

اقاف نے حادثہ کی اس بات پر... دکھ اور
افسوس سے بوجھا۔

”میں سچی سوچ تھیں اس مقام پر ملے کر آئی
ہے حادثہ۔ تم جانتے ہی کیا ہو عورت کے بارے
میں۔ بہتر ہے تم بھگدون اور وقت کے دھکے کھا کر اس
فرق کو جان لو۔“

☆☆☆

عمارہ... نے جب سے ماہ پارہ کے متعلق سنا
تھا بے چین ہو گئی تھیں۔ ماہ پارہ سے ملنے کو بے قرار
ہو گئی تھیں لیکن افاق کی دل آزاری کی وجہ سے ماہ پارہ
سے مل نہیں سکتی تھیں۔ عمارہ نے بہت چاہا کہ افاق کو
حادثہ کے لیے رضامند کر لیں لیکن نہیں کر پائیں۔

☆☆☆

حادثہ نے آج پھر افاق کو زہیر شاہ کے ساتھ
شاپنگ کرتے دیکھا۔ دونوں آئیں میں جس بول
رہے تھے۔ حادثہ سے برداشت نہیں ہوا۔ حادثہ
بھی سمجھا کہ دونوں کا آپس میں کوئی رشتہ بن رہا
ہے۔ حادثہ اسی سلسلے میں عمارہ سے ملے گیا کہ انہیں
اقاف کے متعلق بتائے۔ پوچھ بچے کہہ کر آخر افاق جانتی کیا،

لحق۔ سنبھال لیا ہے میں نے خود کو... وقت کے تھپڑ
کھا کر ہی گئی۔ بہت دیر سے ہی گئی... سمجھ لی
میں نے زندگی کی لاکھ... عورت کی ہر خواہش ہے
نام اور بیکار ہوتی ہے کیونکہ زمانے کی نظر میں
اسے صرف گھر تک رہنا چاہیے لیکن آج یہ وقت نے
ثابت کر دیا تم پر عورت کے بغیر مرد اور اور نامکمل
ہوتا ہے۔ اس کا کچھ نامکمل ہوتا ہے تم جس آس
میں میرے پاس آئے ہو نا... خانی ہاتھ لوٹ جاؤ
واپس... افاق یہ جانتا تھا اس میں بولی۔
”اقاف تم اپنا نہیں کر سکتیں۔ تم مجھے نہیں تو ہی کو
معاف کر دو۔“ حادثہ نے تڑپ کر کہا۔

”تم جانتے ہو حادثہ کہ خالہ نے ہماری شادی
کیوں کی تھی۔ تاکہ مجھ کا کارہ کے ذریعے رشتوں کی
زنجیر میں ڈھارس ڈال سکیں۔ میں جذباتی پن میں
سب کچھ سمجھ جاتی تھی اور خالہ وہی باتیں ماموں کو جا کر
بتاتی تھیں۔ میری بے وقوفی سے بہت فائدہ اٹھایا
ہے خالہ نے، اب کس بات کا مال ہے انہیں۔ ہو گیا
وہ جو وہ جانتی تھیں۔ عمارہ عینا کے ساتھ الگ تھلک پڑا
ہے، ہم سے ملنے تک نہیں آتا۔“

”تو ماموں کو ن ساسی سے ملنے آتے ہیں۔“
حادثہ نے ہی بولی۔

”ماموں، ممانی بھی امی سے حد درجہ بدگمان
ہو چکے ہیں۔ دن رات یاد کرتی ہیں امی... ماموں کو
خالہ کو... دراصل انہیں لگتا تھا کہ وہ دھوکا لگا رہی
ہیں، ممانی بھائیوں نے کاٹ کر پھینک دیا انہیں۔ اسی چکر
میں انہوں نے ایک دوسرے سے سب کو کاٹ دیا
لیکن الگ تھلک اب بھی وہی ہوئی ہیں۔ ہمارا برا بھلا
تعلیل تو ہے ماموں سے۔“ افاق نے جلتا ہوا حادثہ کو
دل ہی دل میں افاق کی دلیل کو مانا پڑا۔

”ذمہ داری جو ہوا ہم اس پر پشیمان ہیں مشرمدہ
ہیں، غلطیاں تم نے ہی ہیں تو کلمہ تم سے بھی ہوئے ہیں

تیرا پیماںِ جاناں

اقبال بانو



دل پکھل گیا۔ اس نے دونوں بچوں کو سینے سے لگا لیا اور بے اختیار رونے لگی۔

کب چاہا تھا اس نے کہ وقت اس صورت حال پر لے آئے گا۔ خالہ کیسے اچانک بستر پر پڑیں اور زندگی سے اتنا ہی تو زلیا۔ وہ سب کے لیے ملال چھوڑ گئیں۔ تین دن سب کے ماہ پارہ کے گھر میں ہی گزرے۔ موسم کے بعد سب نے جانا شروع کر دیا۔ اب بھی جانا جا پتی کی لیکن حارث نے اتفاق کو روک لیا۔

”ایک بات کا جواب دینی جاؤ اقی..... پھر چاہے چلی جانا۔ زندگی میں بہت سے لوگوں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی، بہت سے لوگوں نے تمہاری حق تلفی کی۔ جب تم ان لوگوں کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہو، انہیں معاف کر سکتی ہو تو مجھے کیوں نہیں؟“ اقی نے چونک کر حارث کو دیکھا۔ وہ یومیل اور بکھرا ہوا لگ رہا تھا۔

”میں تمہارا سہارا نہیں بنا اقی۔ تم تو سہارا بن سکتی ہو میرا، ساتھ دے سکتی ہو میرا۔“ حارث شکستہ لہجے میں بولا۔

”میں نے اپنی منزل بھی پالی اور جینے کا مقصد بھی دھونڈ لیا لیکن عورت کی اصل منزل اس کا گھر اور جینے کا مقصد اس کی کرہستی اور پیٹنے ہی ہیں۔ کامیاب اور عظیم عورت وہی ہے جو اپنی کرہستی کے ساتھ اپنے شوق کی تکمیل کرے۔ اپنے گھر کو چھوڑ کر کوئی عورت مکمل نہیں ہوتی۔ میں حارث کو چھوڑ کر چلی جاؤں گی تو پھر سے ادھوری ہو جاؤں گی۔“ اقی نے دل ہی دل میں سوچا اور حارث کو معاف کر دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں آپ کا گھر پر نظارہ کروں گی۔“ اور باہر کی طرف قدم بڑھادیے۔

کچھ دن قبل ایسا ہی حلقی ہوئی ہے۔“ حارث شکستہ لہجے میں بولا۔ ”اور جلد ہی میں شادی کر رہی ہوں ایسا کی۔ بہت افسوس ہوا مجھے یہ جان کر کہ تم ابھی اقی کے متعلق ایسی سوچ رکھتے ہو۔ اس نے اپنی زندگی برباد ضرور کی تھی لیکن کسی شخص کے پیچھے نہیں اپنی خواہش کے حصول کی خاطر۔“ حارث شرم سار سا ہوا۔

”فیک ہے تم اس پر حق رکھتے ہو لیکن الزام نہیں لگا سکتے اس پر..... اب میں اقی پر ذرا بھی دباؤ نہیں ڈالوں گی۔ اقی اپنی زندگی کا فیصلہ خود کرے گی۔“ حارث کے پاس الفاظ ہی نہیں تھے کہ اپنی بات واضح کر سکے۔ اقی نے کمرے میں داخل ہو کر حارث کو جن نظروں سے دیکھا حارث سمجھ گیا کہ وہ سب کچھ سن چکی ہے۔ حارث تیزی سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

زندگی کا پہلے یونہی چل رہا تھا کہ ایک روز جبر آگئی کہ ماہ پارہ زندگی اور موت کی ٹکھن میں مبتلا رہ کر ہمیشہ کے لیے ابدی نیند جا سونگی۔ عمارہ، حسنین، خالہ اور تنزیل بھی ماہ پارہ کے گھر پہنچے جہاں صف ماتم چھٹی تھی۔ حارث پاگلوں کی طرح رو رہا تھا۔ اس کے دو چھوٹے چھوٹے بچے لوگوں کے ہجوم میں رل رہے تھے۔ نہ عاصمہ کو ہوش تھا نہ ساجدہ کو۔ حارث کی حالت تو دیکھنا توں جیسی ہو رہی تھی۔

اقی کو فحش میں ایسا نہ فون کر کے ماہ پارہ کی موت کی اطلاع دی۔ اقی اس خبر پر شاکستہ رہ گئی۔ حالات کیسے بھی تھے وہ خود کو روک نہیں پائی اور حارث کے گھر پہنچ گئی۔ جہاں جنازہ اٹھنے کی تیاری ہو رہی تھی۔ ماہ پارہ کو دیکھ کر اقی کا ضبط ٹوٹ گیا۔ وہ رونے لگی۔ حارث کو نہ اپنا ہوش تھا نہ بچوں کا۔

اقی کتنے عرصے کے بعد اس گھر میں آئی تھی۔ اسے سارے سطر یاد آئے۔ لگے۔ گزشتہ ساری باتیں یاد آئے۔ لیکن حارث کے دونوں بچوں کو دیکھ کر اقی کا

محبت کا دعویٰ تھا میری بات مان لیتے تھے، مگر.....
میں کتنی خوش ہوتی مگر..... آہ..... سکی میرے لوں
سے نکلی..... میں نے اپنی سکتی ہتھیلیاں کھڑکی کی
ٹھٹھری پھونک کر نکال دیں۔ تیور حسن میں کیسے بخور
میں پھنسی ہوں..... یوں بھی ہوتا ہے؟ حیرت
ہے..... میں نے سر جھکا اور انھیں سونڈیں، ڈھیر
سارے لئے پیچھے کر کے گئے۔

☆☆☆

”بھئی مائی تم زور سے ہٹ نہ گایا کرو بال باہر
چلی جاتی ہے۔“ میں اپنے چھوٹے بھائی نعمان کو
بولنگ کر رہی تھی اس وقت وہ اُنی زور سے ہٹ گیا تھا کہ
بال بھی ساتھ والی کونسی میں چلی جاتی اور کبھی باہر
مرنگ پر اور مجھے ہی لانی پڑتی کہ وہ تو کیر نہیں
چھوڑتا تھا۔

”مجھ جو کچھ چکے کیسے لگے؟“ نعمان بولا۔
”تم ایک درون بنالو۔“ میں نے کہا۔
”تم ایک جلدی آؤٹ ہو جاؤں۔ نہ بانا نہ.....“

اس نے ہلا کر کہا۔
”لفظ تو تم پر۔“ میں تنہا تے ہوئے کوئی
میاں ہو رہا ہوں بال اٹھائے کیٹ سے باہر نکلی تھی کہ
ایک دم ہی گاڑی کے پیچے چرے اُتے۔ میں کار
کے لفٹ کے اوپر تھی۔ گاڑی رک چکی تھی اور.....
ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنا اُتر آتا تھا۔

”نظر نہیں آتا۔“ میں نے غصے سے کہا۔
”نظر آتا ہے بھی تو آپ جی کی ہیں ورنہ.....“
”ورنہ کیا تھا؟“
”اوپر پہنچ چکی ہو تیں۔“
”آپ نے کوئی کسرو نہیں چھوڑی۔ وہ تو میں
ایک کر بوٹ پر بیٹھ گئی۔“ میں نے اپنی بھاری
جٹائی۔

”اور نونو بیٹھی ہیں۔“

اپنے کمرے میں کھڑکی کے پٹ سے سر نکالتے
لوں سے پہنچتی ہوں دو کو کھڑکی پر ہوں جو ایک
اترے بہ رہی ہیں جیسے آنسو انھوں سے لڑھکتے
ہے۔ گالوں پر آج میں۔ میرا دل چاہ رہا ہے کھڑکی
پر لوں دوں اور اپنی جتنی ہتھیلیاں باہر نکالوں اور بارش
پر لوں دوں کو اک میں بھروں لیکن شدید خواہش کے
اور دہمی میں نے اپنی ہتھیلیاں پھینچی ہوئی ہیں۔ میں
اپنے ضبط کا امتحان اسی طرح تو لیتی ہوں، خود پر بھر کر
کے، اپنی مرضی کے خلاف فیصلے کر کے، دل کو بھونک
کے لڑا کے، ترسا کے، زندہ رہنے کا میرا اپنا چلن لگن
ہے، بالکل انوکھا انداز ہے۔

مگر پچھتاہیں کیوں آج عرصے بعد تم مجھے
جھانسا دیا کر ہے ہو۔ اتنی شدت سے تو میں نے تمہیں
کبھی یاد نہیں کیا۔ جی چاہتا ہے کہ تم ایک بار آ جاؤ تو
میں تمہیں کچھ کہے پتا صاف کر دوں گی۔ تمہارے ذہن
لم پاؤں سے تسکن کے سارے کاٹنے جن لوں کی۔

مگر تم کیسے آؤ..... تمہیں کبھی کبھی کس پرستے
موسم میں ایک دیوانی لڑکی تمہیں کس شدت سے یاد
کر رہی ہے۔ جس نے چھڑتے سے کھڑکی کھانسی۔ میں
تمہیں اپنے دل سے یادوں سے کھینچ بیٹھوں گی مگر
آج میں استغاف کرتی ہوں کہ میں نے وہ اپنی زندگی
صاف سے بڑھچھوٹا ہوا تھا۔

تمہیں کیا پتا تیور حسن تم تو میری یادوں میں،
میرے دل میں زندہ ہو..... کڑے چار برس میں،
میں نے بار بار اس پچھتاہیں کے بارے میں سوچا جو
اداری جہاں کا باعث بنی۔ سارے تصور میرے ہی
..... اپنے دل کی عدالت میں، میں ہی مجرم قرار
پائی۔ تمہیں تو میرے دل نے باغزت طور پر بری
کر دیا۔ میرا دل بھی تو میرا زار ہے۔ بے ایمان نے
..... تمہارا ساتھ دیا ہے مگر تم نے ایسا کیوں کیا تھا؟
..... تم نے میری بات نہ مانی۔ تمہیں تو مجھے سے۔

پر لکھا تقدیر کا فیصلہ دیکھ لیا ہے؟“
”صرف دیکھا ہے بلکہ پڑھ گیا ہے۔“
تیور نے نہایت اعتاد سے کہا تو میں زور سے ہنس
دی۔ تم پاس ہوتے تو گلتا ہئی، آنسو میرے ساتھ
ساتھ بڑے تہاڑی محبت بھری بات مجھے جہادتی اور
میرے اندر کے دھڑکے میری آنکھوں میں پانی بھر
لاتے۔

اور ایک روز..... تم نے میرے گال پر انکا
آنسو اپنی پورے صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔

میڈی روح وج میڈا یار وسدا
میڈی اکھ وج اس داد یار وسدا
ساتوں اپنے درد دی پروا نہیں پر
رب کرے ہر دلیے راہوے میڈا یار وسدا
نہایت گھبرائے میں سراپائی دو پڑا سا کرت.....

نہ میری ساتوں میں ایسا دس گھولا کہ میں دونوں
سرشار رہی۔

”ہم نے کسے لیے ہے ہیں۔ تم ہمیشہ جتنی رہا
کرو، غلط بائیں مت سوچا کرو۔“ تمہے تھکتے جب
تقدیر کی نگر دیکھتی ہوگی۔

میں جو بھی تھی تیور سے چھڑ کر میں زندہ نہیں
رہوں گی مگر ایسا تو ہوا..... میں زندہ ہوں اپنی تمام تر
چاہیوں اور زندگی کی پوری علامتوں کے ساتھ.....
لیکن لگتا ہے دل میرا گیا ہو، چنہ، ختم ہو گئے ہوں اور
میں سمجھتی تھی کہ تمہیں بھول گئی ہوں مگر ایسا کب
ہے؟..... اگر آ گیا ہوتا تو یہ ٹھٹھری ہوا نہیں، برستا
موسم، رنگ برنگی ڈوٹی تھلیاں، آسمان پر پھیلے تاریکی
رنگ، گلابی شاہیں اور چاندنی راتیں میرے اندر تاریکی
کیوں لگا نہیں..... جیسے آج ہوا ہے۔

موسم سہا آج پہلی بارش ہوئی ہے۔ گیلی مٹی
کی سونڈی سونڈی خوشبو کے علاوہ تمہاری خوشبو بھی
میرے چاروں طرف بھری ہوئی ہے اور میں کتنی پر

سانس کا رشتہ تو رہتا ہے مگر روح کے پھول کلا جاتے
ہیں۔

تیور حسن تم سے چھڑ کر زندہ رہنا تو میں نے بھی
سکھ لیا ہے۔ حالانکہ جب میں تمہاری قربت کے حسین
آنکھوں میں سانس لے رہی تھی تو ان ساتوں میں بھی
کبھی تم سے چھڑ جانے کا سوچ کبھی میری دھڑکیں
رکنے لگی تھیں۔ میری سوچ میرے چہرے پر زردیاں
بکھیر دیتی اور آپ ہی آپ آنکھوں کے فرش کیلے
ہو جاتے۔ تب تم کتنی حیرت سے مجھے دیکھتے اور
پوچھتے تھے۔

”کیا ہوا رانو.....؟“ تمہاری گھبراہٹ ہوئی
آواز میری ساتوں میں امرت بن کر اترتی اور میں
چپکے سے سگرا دیتی۔
”کچھ نہیں ہوا۔“

”چھڑ تمہاری آنکھوں میں آنسو.....؟“
”ہے آنسو نہیں تمہاری محبت کی چمک ہے۔“ میں
ہنس کر کہہ دیتی ہوں۔

”کچھ کہیں ہو۔“ تم نے مجھے بے یقینی سے
دیکھا پھر دوسرا سوال نہیں کیا شاید تمہیں احساس تھا کہ
میں اپنی بات پڑھتی رہوں گی۔

ایک بار ہم چپا کے درخت تلے بیٹھے جب
چائے پانی رہے تھے تو اسی ناگ چھپے دوسوے نے
میرے دل کو ڈنسا شروع کر دیا تو میرے لب
کپکپائے۔

”تیور اگر ہم چھڑ گئے تو.....؟“ میں نے
حسب عادت خندہ ظاہر کیا۔ میرے اندر کا کرب
میرے چہرے پر صاف نظر آ رہا تھا۔ تیور حسب
معمول ہنس دیا اور اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

”رانہ! ہم چھڑنے کے لیے تو نہیں لے۔ ہمارا
منگھ تو آسمانوں پر ہو چکا ہے۔“
”اچھا..... میں مسکرائی۔“ تم نے لوہ محفوظ

”جی، میں زیادہ لاڈلی ہوتی ہوں کیوں دادو؟“
 ”بالکل سچ کہہ رہی ہے۔“
 ”زین کی بھی آپ سبھی سہیلی ہیں۔“ میں نے کہا۔
 ”میرے لیے تم سب میری آنکھیں ہو اور سب ہی برابر ہو۔“

”یہ بات نہیں ہوتی چاہیے دادو، آپ فیصلہ کریں کہ میں زیادہ پیاری ہوں یا زین۔“ میں نے نرموٹے انداز میں کہا۔
 ”مجھے آسانگی میں مت ڈالو بیٹا۔۔۔ تمہارا بھی پلڑا بھاری ہے اور زین کی محبت کا پلڑا بھی، میں کیا کہہ سکتی ہوں۔“

”چائے چن کر رکھ آئی ہوں اٹھا دو۔“ جمی اسی آسکین اور انہوں نے مجھے کہا۔ اسی نے روز نیک اور شای کباب میز پر رکھے۔ ٹیلیں دادو اور چاچو کو پکڑائیں، میں نہ بٹائی ہوئی چن میں آئی۔ چائے دھبی آج پر چولے پر دھری تھی۔ فلاسک میں چائے اٹھ لی، ٹرے میں کپ رکھے تھے وہ اٹھائے اور فلاسک اٹھا کر باہر آئی۔ دادو اور چاچو روٹ کھانے میں مصروف تھے، اسی بھی پاس بیٹھی تھیں۔ میں بھی ایک پلیٹ اٹھا کر شای کباب کھانے لگی۔
 ”چائے تو پوں میں ڈال دو۔“

”آپ اسے کھانے دیں، میں چائے ڈال دیتا ہوں۔“ آذر چاچو منے سے ذرا آگے ٹھکے۔
 ”ارے، بے دو میں ڈال دوں گی۔“ اسی نے خشک نظر سے مجھے گھورا اور فلاسک اٹھا کر چائے کپوں میں اٹھیلنے لگیں۔ چائے کے بعد آذر چاچو اٹھ کھڑے ہوئے۔

”اب اجازت۔۔۔“
 ”اب جلدی انور تو آج آجائیں۔“ اسی نے کہا۔
 ”بھائی۔۔۔ مجھے سائیو ال جانا ہے، میرے دوست کی برات وہاں بیچنے والی ہوگی۔“

”آپ کا دوست۔۔۔ اتنی عمر میں شادی کر ہے۔“ میں نے حیرت سے پوچھا۔
 ”یار کو ایک ہے میرا۔“ چاچو نے جھپٹ کر کہا۔
 ”اوہ۔۔۔ میں مسکرا دی۔“

”تھما جان کی اجازت دیں۔ چاچو دادو کے سامنے جھکے تو انہوں نے سر پر ہاتھ پکڑا۔
 ”خاڑی آہستہ اور دھیان سے چلانا مگر بیچنے ہی مجھے ہونا کرنا۔“
 ”اب تو صبح ہی کر پاؤں گا دفن۔“
 ”جس طرح بھی ہو۔۔۔ کرنا ضرور۔“ دادو نے تاکید کی۔

”آپ مطمئن رہیں۔“ چاچو نے کہا اور پھر لاؤنج سے باہر نکل گئے۔
 ”بہو، ملائکہ نظر نہیں آ رہی۔“
 ”میکے کی۔“ مختصر آگیا۔
 ”اچھا۔۔۔ آجھا۔“

میں چاچو کا باہر تک چھوڑنے آئی تھی۔ بے شک چاچو کی میری اسی سے نہیں بنی تھی مگر مجھے اپنے چاچو اور دونوں بیویاں بہت پسند تھے۔ اسی کو خود دسلے کا بھر تھا۔ اب بھلا آذر چاچو نے اسی کی بہن عابدہ سے شادی نہیں کی تھی تو پھر عالیہ بیچی کا کیا قصور تھا۔ مگر اسی کو تو وہی جرم لگی تھیں۔ اس لیے کبھی چاچو کے کھر نہ خود چائیں نہ میں جانے دیتی البتہ دادو کی وجہ سے دونوں کھروں کے کینوں میں رہا رہتا۔۔۔

کیونکہ دادو ہر وہ ماہ بعد آذر چاچو کے ہاں رہنے چلی جاتیں جو پکھنوں کی ٹیکسری میں ڈاکٹر کرتے۔ زین اور جیدان کے دو بیٹے تھے عالیہ بیچی بہت محبت کرنے والی خاتون تھیں، وہ ہمارے ہاں ابھی جاتی تھیں مگر اسی تھیں کہ ماش کے آئے کی طرح آکر اسی ہی رہیں۔ دادو نے کی مرتبہ سمجھا یا تھا۔
 ”میرے دھبی بیٹے ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ

”مل کر رہیں۔“
 ”تم میں کب علیحدہ کر رہی ہوں انہیں۔“ اسی ہلک کر کہیں۔
 ”دیکھو خالدہ تمہارے بس ہیں ہوتو یہ بھی کر لو وہ اور اس معاملے میں تمہاری نہیں منتا۔“
 ”ہمیش میرے بارے میں غلط ہی سوچتا۔“
 ”آپ؟“

”میں نے بال دھوپ میں سفید نہیں کیے۔۔۔“
 ”دادی بھی تا یوتو فضلہ جاری رکھیں اور تیرے کو بھی نہیں اٹھا۔ کہ ایسے عورتوں کے جھگڑوں کا بھلا کب نتیجہ آتا ہے، یہ روز دئے ہوتے ہیں اور شام تک چرانے ہو جاتے ہیں۔“



رات کو کھانے کی میز پر سب ہی موجود تھے۔ سلمان بھائی کچھ خاموش تھے کہ دادو بول پڑیں۔
 ”تو کچھ نہ لیں رہے سلمان۔“
 ”ہاں تو ہے دادو، چاول میں کھارہا ہوں۔“
 ”سلمان آہستہ سے بولا۔

”میں دیکھ رہی ہوں کب سے تم کوچ بیوی ہاؤلوں میں چلا رہے ہو۔“ دادو نے کہا۔
 ”دادو، کچھ نہیں، بولے نہ کہیں سلمان بھائی کے۔۔۔“ میں نے فس کہہا۔
 ”محل شریر۔۔۔ کوئی پریشانی ہے؟“ دادو پوچھ رہی تھیں۔

”تمہیں تو دادو۔۔۔“ وہ آہستہ سے بولے۔
 ”بیوی کو لے آؤ تاکہ رکے تمہارا خیال۔۔۔“
 اسی نے یک دم کہا۔

”اسی ملائکہ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“
 ”ہائے۔ ہائے کیا ہوا؟“ دادو غرپ گئیں۔
 ”بعض عورتوں کی عادت ہوتی ہے خود کو بے ہادہ ظاہر کرنے کی، ہم نے بھی سچے پیدائے مگر پہلا

مہینہ چڑنے پر اس طرح چار پائی نہیں پلائی تھی۔“ اسی نے غصے سے کہا۔
 ”اسی اسے ڈاکٹر نے کہا ہے۔“ سلمان بھائی منمنائے۔

”اے لو، ڈاکٹر تو یونہی کہتی ہیں پورے توبہ ستر پر پڑے رہو، مگر ہی اٹھ جائے گی بلکہ یہ سکنیٹ عورت کو چھلنا پھر اور اچکا کھانکا کام ضرور کرتے رہتا چاہیے۔“ انکسرا ستر بی بی ہوتی ہے اور عورت بی بی چٹکی بھی رہتی ہے۔ تمہاری بیوی انوکھا بچہ پیدا کر رہی ہے۔“

”بہو کیوں بحث کر رہی ہو، ڈاکٹر نے کہا ہوگا تو سلمان کہہ رہا ہے۔۔۔“ دادو نے کہا۔
 ”اوہ نہ! اسی نے سر جھٹکا۔
 ”جب بیٹے پیادہ دیے جائیں تو دل بڑا کر لیتا چاہیے۔“ دادو مسکرائیں۔

”اور کتنا بڑا کروں ماں جی، ہر پختے تو بہو بیگم کے چلے چلی جاتی ہیں۔ میں نے کبھی کچھ کہا۔ روز فون پر کتنا گھٹنا ماں بیٹی بات کرتی ہیں پھر کاہے کی ادا سی۔“
 ”وہ والدین کا اگلی اولاد ہے، ظاہر ہے اس کے ماں باپ اسے مس کرتے ہوں گے۔“ سلمان بھائی نے کہا۔

”ہر ایک کے والدین مس کرتے ہیں۔“ بس آج کل کی لڑکیوں کو چھلنے کرنے کی عادت ہے اور مردوں کو ناز اٹھانے کی۔“ اسی نے سلمان بھائی کی طرف دیکھا جو سر جھکا کر بیٹھے تھے یہ ان کی شرور کی عادت تھی برات سر ہوا سے سننے منے سے ایک لفظ نہ نکالنے اور اسی دل بھر کر اس کا تکیا۔ آخر وہی ہوا انہوں نے پلیٹ پر کھسکا کی اور اٹھ کر ڈاکٹرنگ روم سے نکل گئے۔
 ”کھانا تو کھاؤ بیٹا۔“ دادی کا دل دہلا۔

”شہر رنگ آنکھوں والی لڑکی۔“ میں نے جلدی سے ڈریسنگ کے بڑے سے شے کے قریب جا کر اپنی آنکھوں کو دیکھا۔ مجھے تو ان میں کوئی خوب صورتی نظر نہیں آ رہی تھی مگر تیسورسن نے چند لمحوں میں میری آنکھیں بھی دیکھ لی تھیں۔ اسے یہ آنکھیں خوب صورت لگی تھیں، وہ۔

”چلو بے وقوف بناتے ہیں۔“ میں نے سوچا۔
”اگر خود بے وقوف بن گئی تو۔“ دل نے کہا۔
”ناممکن۔ ایسا بھلا ہوسکا ہے ہم اتنے نادان تو نہیں۔“ میں نے دل کو تھکڑا کر۔ میں نے دیکھا موبائل میں صرف ایک نمبر ہی save تھا اور یقیناً وہ تیسورسن کا نمبر تھا۔ میں نے فون کر دیا۔ دوسری تہل پر کال انشیدو کر گئی۔

”اس گنٹ کا شکر ہے۔ کیا واقعی آپ لائبہ کو جانتے ہیں؟“
”میں نے صرف تنکا مارا ہے، میں اس نام کی کسی لڑکی کو نہیں جانتا۔۔۔۔۔ تیسورس۔“
”آپ بے حد بے ایمان ہیں۔“ میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

لاؤنج میں واوونچی آڈر چاچو سے فون پر بات کر رہی تھیں۔ میں بھی ان کے پاس جا کر بیٹھ گئی، مجھے آمیزہ اچاچا بے ناکر لے گئیں۔
”جیو یار برا موڈ ہو رہا تھا چاچے نے کہنے کا۔“ میں صوفے سے اٹھ کر ان کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔
”کبھی خود بھی ہاتھ پیر چلا لیا کرو۔۔۔۔۔ ای کی کو تو مجھ سے خدا واسطے کیا تھا۔“
”آپا ہیں نا۔۔۔۔۔ کیوں۔“ میں نے شرارت سے کہا۔
”اور کیا۔۔۔۔۔ ای ابھی اپنی رانیہ چھوٹی تو ہے۔“

”ہا نہیں کوئی بک ہے شاید۔“
”کھولو تو کبھی اتنی خوب صورت پینٹنگ ہے۔“
”نہ کہا۔“
”پھر کھول لوں گی تو بڑا دلگدگ کر آؤں۔“
”میں نے اکیڑی جانا ہے دیر ہو جائے گی۔“
”مالی نے گیند میرے ہاتھ میں پکڑائی اور اندر چلا گیا۔ میں نے بھی وہ پینٹنگ اٹھائی اور اندر آ گئی۔ اپنے کمرے میں اس آکر بیٹھ پر پینٹنگ چھینک دیا۔ میں عجیب سی شش و پنج میں تھی۔

لائبہ میری کلاس فیلو ضرور تھی مگر اتنی بھی دعا ملازم نہیں تھی کہ مجھے گنٹ پیسے۔ میں انتہائی پریشان تھی۔ میں کل کالج جاؤں گی اور لائبہ سے پوچھوں گی۔ میں نے سوچ کر مطمئن ہوئی اور پھر بیٹھ پر بیٹھ کر وہ میں پینٹنگ رکھ کر کھولنے لگی۔ دیر بھر کھولنے پر اس میں سے ایک ڈبا نکلا۔ ڈبے میں اوپر ہی ایک کارڈ تھا اور چپے۔ میری حیرت سے آنکھیں ایک بار کھلیں اور میں شش دی۔ ڈبا کھولا تو اس میں موبائل میز دو ڈبا اور انجائی خوب صورت کارڈ تھا۔ جس پر گلابوں کے درمیان لکھا تھا ”آئی مس یو“ اور اندر لکھا تھا۔
”اے شہر رنگ آنکھوں والی لڑکی بھرک میری گاڑی کے پونٹ پر ایک کریشیو کی اور اپنا دونا چھوڑ ہاؤ کی۔ تیسورسن۔“
”ناب گاڈ۔۔۔۔۔ یہ اس دن کی ہے وقوفی ہے جو اتنے خوب صورت انعام میں واپس کی گئی ہے۔“
”ساتھ ہی ڈریسنگ کارڈ بھی تھا جس کے پیچھے لکھا تھا۔“
”خوب صورت آنکھوں والی لڑکی اگر مجھے فون کر لے تو زندگی حسین ہو جائے۔“
”فون کروں؟“ میں نے سوچا مگر وہ کیا سوچے گا میں کسی لڑکی ہوں۔ سوچتے دو وہاری کوئی رشتہ دار کی لڑکی ہے۔ ایڈو پھر گئی تھی۔ مجھے عجیب سی غمی محسوس ہوتی تھی۔

”کون محسوس آگیا۔۔۔۔۔“ میں نے زور دیا ہٹ لگائی تھی۔ نعمان گیٹ پر چلا گیا، میں بھی بیٹ اٹھا۔ اس کے پیچھے چلی۔۔۔۔۔ بغیر اس احساس کے کہ وہ پانچ میری کمرے بندھا ہے بغیر سڑھا چنے تھی میں۔ مانی۔۔۔۔۔ دروازہ کھول چکا تھا سامنے وہ گاڑی والا موجود تھا ہاتھ میں پینٹنگ لے کر اور مانی اس سے پوچھ رہا تھا۔

”کس سے ملنا ہے؟“
”ان سے۔۔۔۔۔“ اس نے میری طرف اشارہ کیا۔
”مانی نے گھوم کر اپنے پیچھے دیکھا۔
”رانیہ سے ملنا ہے؟“
”جی۔۔۔۔۔ جی ہاں۔“ وہ گڑبڑا کر بولا۔
”رانیہ تم سے ملنے آئے ہیں۔“ مانی نے کہا۔
”مگر آپ کون ہیں؟“ میں آگے بڑھی۔
”میں لائبہ کا بھائی ہوں۔“ اس نے خود کو کیونکر لائبہ۔۔۔۔۔ میں نے سوچ کر ہرایا۔
”وہ۔۔۔۔۔ وہ آپ کی کلاس میں پڑھتی ہے۔“
”ہاں۔۔۔۔۔ لائبہ میری کلاس فیلو ہے مگر اس سے میری ایسی دوستی تو نہیں کہ وہ آپ کو میرے گھر بھیج دے۔“ میں حیران پریشان سی گیٹ پر کھڑی تھی۔
”یہ پینٹنگ اس نے آپ کے لیے کی ہے۔“
”میرے لیے کمرے کی؟“
”مجھے کیا پتا۔۔۔۔۔ مجھے تو اس نے کہا میں لے آیا۔“
”لاں نہیں۔“ میں نے ہاتھ بڑھایا اور وہ پینٹنگ لے لیا۔
”اسکے میں کھولے گا۔“ اس نے میری طرف جھک کر سر موڑ کر اپنی ہاتھری سے مڑا اور پینٹنگ کمرے کے کنارے کھڑی کار میں جا بیٹھا۔ میں نے گیٹ بند کیا۔
”کیا ہے رانیہ۔۔۔۔۔؟“ نعمان پوچھ رہا تھا۔

”میں کھانا کھا چکا واو۔۔۔۔۔“ سلمان بھائی یہ کہتے ہوئے ڈائمنگ روم سے باہر چلے گئے۔ مجھے بہت دکھ تھا کہ بھائی نے واقعی کچھ نہیں کھایا تھا کھاری کی تو یہ عادت ہی تھی پھر پریشان ہونے کی بات تھی؟ مجھے تو کبھی ڈائنٹ پڑتی تو بھی ڈنٹ کر کھائی بھلا کھانے سے کیا ناراضی۔۔۔۔۔ اور یہی بات اب دادو کو کہہ رہی تھیں۔
”کھانے سے کیا ناراضی اور یوں بھی بہو کھاتے وقت بچوں کو نہ کھا کرو۔“
”اماں جی آپ بھی نا۔۔۔۔۔ اب وہ بچہ نہیں بلکہ بچے کا باپ ہونے والا ہے انیسے غریب تو میں نہیں اٹھا سکتی۔“
”اچھا بھی چھوڑیں فضول بحث کو واو یہ کفتوں کا ڈنگ تو میری طرف بڑھا میں، سلمان بھائی کے حصے کا بھی کھالوں۔“ میں نے کہا۔
”میری ہی رہنا بیٹھ۔۔۔۔۔ ای نے کھر کا مگر مجھے کب پر دیا۔“
”مونی ہو گئیں تو کوئی پیسے کا بھی نہیں بیٹھی رہتا میرے سینے پر موبیل دینے کے لیے سدا۔“ ای نے غصے سے کہا۔
”کھانے پینے پر مت ٹوکا کرو خالدہ ابھی بچی ہی تو ہے۔ کھاؤ میرا کچھ۔۔۔۔۔ واوی نے ڈنگ میرے سامنے کر دیا اور میں نے اطمینان سے سامن پلٹ میں ڈالا۔ ای کی طرف دیکھا بھی نہیں کہ لاڑ نا وہ دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆

میں اور نعمان ڈرائیو دے پر کرکٹ کھیل رہے تھے۔ لان میں واو، مانی سے سر میں تیل گواہ رہی تھیں۔ میں کرکٹ پہنچی جبکہ نعمان بال ٹنگ کر رہا تھا۔ جانی سر دیوں کی دھوپ میں تھیں نہ ہونے کے برابر تھی اور بہت مزہ آرہا تھا۔ نعمان نے بال میسجی کے تیل بچی۔

کیاری میں بیٹھی ابکائیاں لے رہی تھیں۔

”بھابی طبیعت تو ٹھیک ہے۔“ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا اور اشارے سے کہا۔ میں ہانڈی دیکھ لوں۔

”میں نے چو لھا بند کر دیا ہے۔“ میں نے کہا۔ ”گڈ۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

”زیادہ طبیعت خراب ہے تو ڈاکٹر کے پاس چلیں۔“

”نہیں میری جان..... آئی ایم آل رائٹ تم پریشان نہ ہو۔“ بھابی نے میرا گال تھپتھپایا اور بچن کی طرف بڑھ گئیں۔

”آپ اپنے کمرے میں جائیں، میں سالن پکالتی ہوں۔“ میں نے کہا۔

”آنٹی ناراض ہوں گی۔“

”انہیں کون بتائے گا کہ سالن کس نے بنایا ہے۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔“

”مسلمان کے لیے پڈنگ بھی بنانی ہے۔“ انہوں نے کہا۔

”حاضر سائیں.....“ میں نے سر جھکا کر کہا تو وہ ہنستے ہوئے آگے بڑھ گئیں میں بچن میں آگئی۔ چو لھا

جلایا۔ گوشت تقریباً بھن چکا تھا میں نے ہلکا سا پانی ڈال کر شوربہ تیار کر لیا۔ میں انڈے پھینٹ رہی تھی کہ امی آگئیں۔

”ملائکہ کہاں ہے؟“ امی نے پوچھا۔

”اپنے کمرے میں طبیعت خراب تھی تو.....“ میں نے بتایا۔

”اور تم کھانا پکا رہی ہو۔“

”تو کیا حرج ہے، میں اتنی پھوہڑ بھی نہیں ہوں۔“ امی نے گھور کر مجھے دیکھا اور تیلے کا ڈھکن ہٹا کر دیکھتے ہوئے بولیں۔

”یہ کیا پکایا ہے؟“

”کوئی چھوٹی نہیں ہے، اپنے ساتھ کام میں لگاؤ اگلے گھر جائے گی تو مجھ پر سوسو باتیں ہوں گی۔“

”اگلے گھر کی دھمکی ضرور دیا کریں امی وہاں کیا سب بھیڑیے ہوں گے..... جو مجھے چر بھاڑ ڈالیں گے۔“ میں نے کہا۔

”بکواس کیے جانا، چلو اٹھو آمنہ کے ساتھ کام کرو، طلحہ رات کا کھانا ہمیں کھائے گا۔“ امی نے مجھے گھر کتے ہوئے کہا۔

”چائے تو پیئے دیں اور ہاں امی طلحہ بھائی کیوں آرہے ہیں؟“

”اے لو کتنے دنوں کے بعد تو وہ آرہا ہے۔“ امی نے چمک کر کہا۔

”میں نے تو یونہی پوچھا ہے، آپ تو خفا ہونے لگیں۔“ نہ جانے کیوں میری آنکھوں میں نمی

اتر آئی۔ میں اٹھ کر باہر جانے لگی تو امی نے بلایا۔

”آمنہ کے ساتھ کام ہی کرو اور ہر وقت شتر بے مہار بنی پھرتی ہو۔“ میں نے پلٹ کر دیکھا۔

”آمنہ آپا کا منگیترا آرہا ہے نہ کہ میرا وہ خود ہی اجتماع دل سے کریں گی اور اچھا کریں گی آپ فکر مند نہ ہوں۔“ میری بات پر داد و ہنس دیں جبکہ امی کی

پیشانی کے بل کچھ اور بڑھ گئے۔

”بڑی زبان چلتی ہے رانیہ تمہاری کسی دن کاٹ کے رکھ دوں گی۔“ میں نے امی کے جملے کی پروا

نہیں کی ایسی دھمکیاں میں بچپن سے سنتی آئی تھی اس لیے ایسی دھمکیوں پر کڑھنے کا کوئی بھی فائدہ نہیں تھا، میں باہر لان میں چلی آئی۔

☆☆☆

میں اپنے لیے اسکواش بنا رہی تھی۔ ملائکہ بھابی بچن میں ہانڈی بھون رہی تھیں کہ یک دم ہی وہ بچن سے باہر نکل آئیں انہیں ابکائیاں آنے لگی تھیں۔ میں نے جلدی سے چو لھا بند کیا اور ان کے پیچھے لپکی وہ

”کیا ہوا ملائکہ کو۔“ سلمان بھائی پریشان

ہو گئے۔

”بس بھئی سب کام نہ کرنے کے یہاں

ہیں۔ سن لو سلمان بس ایک بچے کے بعد اور کی گنجائش

نہیں ہے۔“

”کیا کہہ رہی ہو بہو۔“

”میں ایسے نازخروے نہیں اٹھا سکتی۔“ امی نے

ہاتھ اٹھا کر صاف جواب دیا۔ سلمان پریشان نظروں

سے ماں کو اور کبھی دادی کو دیکھنے لگے پھر جلدی سے

چائے گاگ ادھورا چھوڑ کر اٹھ گئے۔

”دیکھ لو کچا منہ کو آگیا.....“ امی! سلمان بھائی

کو تیزی سے جاتے دیکھ کر بولیں۔

”بیوی ہے اس کی آخر، وہ خیال نہیں کرے تو

اور کون کرے گا۔“ دادو نے بھی سلمان کی طرف

داری کی۔

”میں تو کہتی ہوں جب تک بچہ نہیں ہوتا ملائکہ

اپنے میکے ہی رہے۔ مجھے فضول سی ٹینشن ہوتی ہے اس

کی ادا میں دیکھ کر۔“

”ای اب ایسی بات بھی نہیں وہ...“ میں نے کہنا

چاہا۔

”کواس کرتی ہو، میری اماں نہ بنو اور دفع

ہو جاؤ۔“ امی نے مجھے گھورا تو میں نے ٹرے اٹھائی۔

”خود پکالیں جو پکانا ہے، میں چلی پڑھتا ہے

میں نے.....“ میں نے غصے سے کہا اور پاؤں پیختے

ہوئے اندر آگئی۔

”کچن میں مجھ سے پہلے آمنہ آپا موجود

تھیں۔ خلیفہ پر میں نے ٹرے پھینکی۔

”ارے، غصہ مگر کیوں؟“

”یہ تو بتائیں امی میری سگی ماں ہیں

یا.....؟“ آمنہ آپا ہنسنے لگیں اور میں تیزی سے کچن

سے نکل آئی۔

”سالن ہے چکھ کر دیکھ لیں مٹن ہے۔“

”وہ تو دیکھ رہی ہوں اس میں پالک ڈالنی تھی۔“

”ہمارے اماں نے پالک گوشت پکانے کا کہا تھا۔“

”چلیں اب ڈال دیتی ہوں پالک کا کیا ہے۔“

میں نے بے پروائی سے کہا۔

”گوشت کا قیمہ بن جائے گا۔“

”پالک ابال کر ڈال دیتی ہوں۔“ میں نے حل

پیش کیا۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے.....“ امی نے ڈھکن

دور سے تیلے پر مارا اور بولیں۔

”دادی کے لیے چائے بنا لاؤ، وقت بے وقت

انہیں چائے کی ہڑک اٹھتی ہے۔“ منہ بتاتی امی پر مجھے

ایسی آ رہی تھی مگر میں نے بہت مشکل سے ہنسی ضبط کی۔

چائے بنا کر دو گوں میں انڈیلی کہ میرا ارادہ بھی

تھا دادی کے ساتھ چائے پینے کا۔ باہر آئی لان میں تو

اسی وقت سلمان بھائی بھی آگئے انہوں نے کارپورج

میں روکی اور اپنے کمرے میں جانے کے بجائے لان

میں آگئے جہاں دادی اور امی بیٹھی تھیں۔

”السلام علیکم دادو۔“ سلمان بھائی بولے۔

”وعلیکم السلام جیتے رہو.....“ دادی نہال ہو گئی

تھیں۔

”چائے پیئیں گے بھائی.....؟“ میں نے

پوچھا۔

”نیکو اور پوچھ پوچھ.....“ وہ لان چیئر پر بیٹھ

گئے۔ میں نے میز پر ٹرے رکھی۔

”ارے تم اپنے لیے چائے لائی ہو۔“

”نہیں بھائی، دو کپ بن گئے تھے آپ کا

اصیب۔“

”دانے دانے پر مہر ہوتی ہے۔“ دادو نے محبت

سے کہا۔

☆☆☆
اپنے کمرے میں آکر میں نے دروازہ بند کیا اور پھر چور حسن کو فون کر دیا۔ وہ مجھے منتظر ہی تھا۔
”رائے میں تین دن سے تمہارے فون کا انتظار کر رہا تھا۔“
”کیوں، آپ کو کوئی اور کام نہیں ہے۔“
”بہت کام ہیں مگر آنکھوں کے سامنے سے وہ چہرہ چٹائی نہیں کر کوئی اور کام کروں۔“
”کون سا چہرہ.....؟“ میں نے خوشی سے پوچھا۔
”تمہارا چہرہ.....“
”اچھا..... میں نہیں دی۔“
”کیا کر رہی تھیں.....؟“
”ابھی تو میں بہت غصے میں تھی۔“
”میں سمجھا نہیں..... وہ حیران تھا۔“
”بس اسی کی ذرا فٹ پڑ جائے تو پھر غصہ.....“
میں نے جملہ ادھر اچھڑو دیا۔
”آسان کچھوئے لگتا ہے۔“ تھوڑا سا۔
”اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔“
”اچھا چھوڑو کب رہی ہو؟“
”اب تم بات چہرہ پہنچانے لگے۔“
”میں سمجھا نہیں۔“
”منا ضروری ہے کیا؟“
”تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“
”تو اب بیٹھے بھون رہے ہیں، باتیں ہی تو کر رہے ہیں ہم۔“
”میں نہیں سامنے بٹھا کر دیکھنا چاہتا ہوں۔“
”تین دن سامنے بٹھا کے شرابا“
ایہ میرا جی کر دیا۔
”تھوڑو رو سنا دیا۔“
”یہ شعر تو مجھے کہنا چاہیے تھا۔“

مجھے کوئی شرم نہیں دیتا آتی۔ میں نے بتایا۔
”ایک بار سامنے تو آؤ۔“ وہ خوش ہوا۔ ”خجود شرنا لگو گی۔“
”اتنی خوش بھی میں بھی نہ رہیں۔“
”پھر مل رہی ہو؟“ وہ پوچھ رہا تھا۔
”بھئی کیسے ممکن ہے؟“
”کیوں نہیں ممکن بندہ فیصلہ تو کرے۔“
”دیکھیں میں بھی کیسی نہیں نہیں گئی۔“ میں نے بتایا۔
”اب ہمت کرو۔“ تھوڑے لگتا۔
”ہمت تو مجھ میں بہت ہے۔“
”پھر کیا مسئلہ ہے؟“
”بس میں ملنا نہیں چاہتی۔“
”وجہ.....؟“
”بس میرا سوڈ نہیں ہے۔“
”یاد رکھنا ڈورانی..... ہم دوست ہیں نا؟“
”جانتی ہوں۔“
”آخر تم اپنی باتیں کرتے ہیں تو.....“
”یعنی جس سے بات کر لی جائے وہ دوست ہوا۔“
”پھر کیا ہوتا ہے؟“
”دوست ہونا نہیں ہر بات کرنے والا۔“
”خیر افریق کر دیا فراز کے شعر کا۔“ تھوڑے لگتا۔
”میں نے اپنے مطابق تبدیلی کی ہے.....“
”میں نے نہیں کر کہا۔“
”اچھا تم سوچو۔“ تھوڑے لگتا۔
”ادھے.....“
”پہلے وعدہ کر دو لو گی۔“ وہ بے چینی سے بولا۔
”وعدہ نہیں دیکھوں گی۔“ میں نے جلدی سے فون بند کر دیا کہ مجھے بوریت ہونے لگی تھی۔ فون نیچے

”مجھے تو لگتا ہے۔“

”اب تم سے کون بحث کرے۔“ اسی وقت میرے فون کی بپ ہوئی۔

”یہ..... یہ سیل فون کہاں سے آیا.....؟“

حیرت سے آندہ آپانے پوچھا۔
”وہ..... وہ ملائکہ بھائی نے دیا ہے۔“ میں نے فون آف کرتے ہوئے استعارہ سے کہا۔

”کیوں.....؟“ آندہ آپانے پوچھا۔
”انہوں نے دوپہر والا فون لیا ہے تا تو یہ مجھے دے دیا۔“ میں نے بتایا۔

”کب لیا انہوں نے؟“ آندہ آپانے غشی انداز میں پوچھا۔

”یاران کے بھائی نے دیا ہے شاید تو آج مجھے کہنے لگیں کا فون پڑے ہے لہٰذا تو میں نے لے لیا۔“

”اور تم کہاں سے لی؟“
”وہ بھی انہوں نے لا کر دی تھی..... اب آپ امی کو نہ بتا دیجیے گا۔“

”یہ غلط حرکت ہے رائیہ.....“ آندہ آپانے کہا۔
”کیا غلط ہے سارے جہاں کی لڑکیاں سیل فون لے کر پھر رہی ہیں۔“ میں نے کہا۔

”ان کے والدین کی پریشان ہوئی ہے۔“
”مجھے میری بڑی بھائی نے دیا ہے۔“

”مگر غلط ہے یہ..... انہوں نے کہا جاپا تو میں نے بات کاٹ کر کہا۔“

”اب آپ مجھے صحیح کا درس مت دیں۔“
میں نے منہ بنا کر کہا اور آندہ آپا کو ہیں چھوڑ کر پیچھے آگئی۔ تیسروں کو بھی اسی وقت فون کرنا تھا۔ میرے فون پر سوائے اس کے اور کوئی فون آتا ہی نہیں تھا۔

میں ملائکہ بھائی کے پاس آئی کہ مجھے جتا تھا آندہ آپا نے امی کو یہ بات ضرور بتانی ہے۔

☆☆☆

”پلیز بھائی آپ میری عزت رکھ لیں۔“ میں نے ملائکہ بھائی سے اپنی انداز کر کہا۔

”چلو جس طرح تم کہہ رہی ہو وہی کہہ دوں گی..... مگر مجھے تو بتانا ہے فون آیا کہاں سے؟“ شری کی مسکراہٹ ان کے لبوں پر چمکی ہوئی تھی۔

”وہ..... وہ تیسو حسن نے دیا ہے۔“ میں نے سر جھکا کر کہا۔

”کیوں ہیں یہ حضرت.....؟“
”آری میں سمجھ رہے۔“

”تمہاری ملاقات ہوئی.....؟“ ملائکہ بھائی نے پوچھا۔

”مزنوں پر.....“
”ظاہر ہے مزک پر ہی ہوئی ہوگی۔“ ملائکہ بھائی نے فحش کر کہا۔

”پلیز بھائی یہ بات اپنے تک ہی رکھیے گا۔“
”دیکھو رائیہ تم مجھے تھکس پاؤ گی، میں مسلمان کو بھی نہیں بتاؤں گی کہ.....“

”مگر تم میری چھوٹی بہن کی طرح ہو، یہ باتیں اچھی نہیں ہوتیں۔“

”بھائی میری تو صرف فون تک ہی دوستی ہے میں کسی اس سے نہیں ملی۔“

”اسے کو شرافت سے رشہ پیجیے۔“
”میں ابویں کہہ دوں..... ابھی تو میں نے ماضی کرنا ہے۔“

”پھر یہ سلسلہ ختم کرو۔“ وہ بولیں۔
”ہاں، یہ ہو سکتا ہے۔“ میں نے کہا تو مجھے لگا جیسے میرے اندر حرکت سے کوئی چیز ٹوٹ گئی ہو..... جیسے چوڑی نوٹھی ہے۔“

”کہیں تم تیسور سے محبت تو نہیں کرنے لگیں۔“ بھائی نے میرے پھرے کی طرف دیکھا۔

”نہیں..... نہیں تو بھائی.....“ میں گڑبگڑی۔
”پھر تمہارے پھرے کا رنگ کیوں پیکا پڑ گیا۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”وہ بے شک ہے۔“

”آپ تم جاؤ مسلمان بھائی آتے ہوں گے۔“

میں نے گھر کر کہا۔

”آپ کا وہ ہے۔“

”وہ بے شک ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

”آپ کا وہ ہے۔“

آگیا۔ جب اس نے مجھے سلام کیا تو میں کوئی جواب دینے بغیر بھاگ بیٹھا اور اندر اپنے کمرے میں جا کر دم لیا، میں ان دنوں میٹرک میں تھی یہ تھا میرا سوکھا سال۔

”تم نے اکل شاہ سے کبھی کوئی بات نہیں کی؟“
تیور پوچھ رہا تھا۔
”واقعی نہیں کی اگر کرتی تو جہیں بتاتی۔ اس نے تو پردہ پڑھ لی جیسا تھا۔“

”پھر یہ کیا بات کہہ دیا رانیہ ابھی چھوٹی ہے وہ تو کہتے تھے کبھی کر دیں چار پانچ سال بعد شادی کریں گے مگر بابا نہ سانسے۔“

”اور تم..... کچھ نہ پولیں۔“
”مجھے کیا ضرورت کی کچھ کہنے کی۔“
”کیا تم قاس کا؟“ آہستہ سے پوچھا گیا۔
”اکل شاہ.....“ میں نے کہا۔ ”تم جانتے ہو؟“

”نہیں تو ویسے ہی پوچھا تھا۔“ تیور کا لہجہ سرد تھا۔ میں نے توجہ نہ دی۔
”چھپا رانیہ اب سوئیں نیند آ رہی ہے۔“ تیور نے کہا۔
”مجھے تو نہیں آ رہی۔“ میں نے بتایا۔

”تم جاگو مجھے سونے دو۔“ تیور نے کچھ کہے بتا فون بند کر دیا اور میں حیران تھی کہ ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا۔ ہمیشہ فون میں ہی بند کرتی تھی کبھی اس نے فون بند نہیں کیا تھا۔ میں حیرت زدہ تھی۔

☆☆☆
عجیب سی بے چینی نے مجھے اپنے حصار میں لیا ہوا قلب تو میرا دل عباد کے ساتھ کیلئے میں نہیں لگ رہا تھا۔ سارا دن میں پاؤں تللی علی کی طرح پکارتی رہی..... تیور کے رات کے رو دیتے نے مجھے اپ

سیٹ کر رکھا تھا۔ رات کو میں کھانا کھائے بغیر اکرے میں گھس گئی۔ رات کو گیارہ بجے تیور فون پر تھا اور میرا دل گڑی کی سوئیں کی تک تک کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔ وقت گزرتا جا رہا تھا..... بارہ بج تھے مگر تیور کا فون نہیں آیا۔ آخر میں نے خود ہی فون کیا مگر فون پاؤڑ آیا تھا اور پھر ساری رات بے پیغام ملتا رہا۔

پتا نہیں میری آنکھوں سے کیوں آنسو بہنے لگے۔ ایسی کیا بات ہو گئی تھی جو وہ غما ہو گیا تھا۔ میرک سوچوں میں تو ایسا کوئی وقت یا بات نہیں تھی جو اس کی فکری کا موجب ہوئی۔ اس طرح تین دن گزر گئے۔ اسی بھری میں کہیں کہیں تیور کا پردہ پڑنا دیکھتے ہوئے پریشان ہوں مگر ایسا کہ تھا انکی انکا ہوا بک تھا؟ کیا خبر تھی نے تیور سے کچھ کہہ دیا اور وہ اسی لیے فون نہ کر رہا ہو۔ یہ خیال میرے دماغ میں رینگ گیا۔

”نہیں..... ایسا ہوتا تو وہ مجھ سے بات کرتا۔ شاید پوچھو اور بات ہو؟“ شام کے سائے پھیل چکے تھے باہر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی میں لان میں نکل آئی اور ٹھٹھے ہوئے میں تیور کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی کہ کیٹ پر چیپ آ کر وہی میں ٹھٹھ گئی۔ تیور اندر داخل ہوا تھا مجھے لان میں دیکھ کر وہیں جا آیا..... مکرانا ہوا۔

”ہیلو..... رانو.....“
”کیاں تم تھے؟“ بے قراری میرے لفظوں سے عیاں تھی۔ میرا لہجہ اسے بتا گیا کہ میں کس قدر پریشان تھی۔

”پہانس نکالنے گیا تھا۔“ تیور لان چتر پر بیٹھ گیا، میں میں جلدی سے اس کے سامنے والی کرسی بیٹھ گئی۔
”میں کبھی نہیں۔“

”تمہیں مجھنے کی ضرورت بھی نہیں کرنا صاحب کہاں ہیں؟“ وہ بولا۔
”میری بات کا جواب دو۔“
”یار چائے تو پلاؤ.....“ تیور کا مود نہایت خوشگوار تھا۔

”مجھے بتاؤ اچانک کہاں غائب تھے، جہیں پتا ہے میں کس قدر پریشان تھی۔“
”مجھے پتا ہے۔“ تیور بھر پور طریقے سے مکرایا۔
”پھر بھی تم نے یہ حرکت کی اور مجھے بتائے بغیر.....“ میری آواز بھر پائی۔
”اب تو آگیا ہوں۔“ تیور نے میری بیگلی آنکھوں میں چھانکا۔

”مگر ایسی کیا ایرجی ہو گئی تھی کہ مجھے انفارم نہ کیا پھر تمہارا فون بھی پاؤڑ آف رہا۔“
”میں اکل شاہ سے ملنے گیا تھا۔“ تیور نے بتایا۔

”کیا..... کیوں؟“ میرا حیرت سے برا حال تھا۔
”رانو..... تم نے پوچھا تھا نا کہ میں اکل شاہ کو جانتا ہوں تو ہاں میں اسے جانتا ہوں، وہ میرے گاؤں کا ہے اور ہم نے ایک ساتھ کیش لیا تھا آج کل وہ کوئٹہ میں پڑھ رہے۔“

”مگر اس کے پاس تم کیوں گئے؟“
”تمہاری باتوں کی تصدیق کے لیے۔“ تیور نے بتایا۔

”واٹ.....“ میں ایک جھٹکے سے کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی، مجھے لگا جیسے ریشے پکارا رہی ہو۔
”ج تھانڈو رانو.....“ جب تم نے مجھے اکل شاہ کے بارے میں بتایا تو میرے دل میں بہت اندر کیا پہانس چھپی گئی۔

”تم نے کبھی مجھ سے کہا تھا.....“ میری آواز بھی گھٹے میری کین لگ رہی تھی۔
”تجورو نے ثبات میں سزا لیا۔“
”پھر اکل شاہ نے کیا بتایا.....؟“ میں نے پوچھا۔

”وہی جو تم نے بتایا اور یہ بھی کہ کرنا صاحب نے اس کا پردہ پڑنا دیکھ کر دیا تھا کہ تم چھوٹی ہو۔“ تیور کہہ رہا تھا اور میرے خواب اس حقیقت کی چٹان سے ٹکرا کر گر گئے۔
”تم نے مجھ پر اعتبار نہیں کیا اور میرے کردار کی گواہی لینے اکل شاہ تک پہنچ گئے۔ یعنی تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں تھا۔“ میرا لہجہ میرا انداز ایک دم ہی بدل گیا۔

”یہ بات نہیں ہے رانو۔“ تیور نے کہا جانا۔
”یہی بات ہے تیور حسن اگر.....“ مگر اکل شاہ جھوٹ کہہ دیتا کہ اس کے علاوہ میں نے بھی اسے جانا تو تم اعتبار کر لیتے۔“
”ہاں.....“ گہری سانس لیتے ہوئے تیور نے کہا۔

”اور پھر لوٹ کر نہ آتے۔“
”یہ میں نہیں کر سکتا تھا۔“ تیور نے سچائی سے کہا۔
”یہ..... مجھے تم سے محبت ہے رانو۔“
”یہ..... مجھے محبت ہے جس کے کردار کی گواہی تم دوسروں سے لینے کے لیے اتنا سڑک کے گئے۔ اس کا مطلب ہے تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں تھا اور نہ ہی اپنے جذباتوں پر..... پھر یہ کیسی محبت تھی۔“

”محبت تھی نہیں، مجھے اب بھی تم سے محبت ہے رانو۔“ تیور کہہ رہا تھا۔
”اگر میں کہوں کہ اکل شاہ نے تم سے جھوٹ بولا ہے تو پھر؟“
”مجھے پتا ہے کہ اس نے جھوٹ نہیں کہا۔“ وہ



پاکیزہ کی قادی عارفہ قادی شادی جناب دیگر منظر دانش مندی کے بیٹے شاہ زیب کے ساتھ ہوئی

”سوچ لو ایسے فیصلے یک دم نہیں کیے جاتے۔“
 ”فیصلہ یک دم ہی ہوتا ہے اے۔۔۔۔۔ آریا
 پار۔۔۔۔۔ اب میرے سامنے تیور کا نام نہ لیا جائے ورنہ
 میں خود کو ختم کروں گی۔“ اے کھانا کھا لے دیکھتے تھے۔
 پھر میں آذر چاچو کے ہاں گوہر انوالہ چلی
 آئی۔ زہنی کے ساتھ میں بھی میرے دل کی اداسی نہ
 گئی۔ آخر سب کی کوششیں رانگاں گئیں اور میں ریزہ
 ریزہ وجود کے ساتھ جیت گئی۔ پھر میں نے سنا تیور
 حسن کا سفر ہو گیا ہے تو ایک آسودہ میسرماہٹ
 میرے لبوں پر پھیل گئی۔ ☆ ☆ ☆
 میں یک دم ہی سمجھ گئی تھی۔ یہ خیال کسی بل بھی
 میرا چھپا نہ چھوڑتا کہ تیور کے میرے کردار کی گواہی
 اکل شاہ سے چاہی تھی۔ کیا میں اتنی بے اعتبار تھی۔ کیا
 میرے جذبے اتنے بے وقت تھے کہ جنہیں کسی اور کی
 گواہی کی ضرورت پڑ گئی۔ میں سب کچھ بھولنا چاہتی

مکانے کی کوشش کی۔ فون کرتا تو میں اٹھ نہیں
 کرتی۔ طلحہ بھائی کو اس نے مجھے ممانے کے لیے
 بھیجا۔ ملائکہ بھائی سے مندری۔۔۔۔۔ مگر میں نے کسی کی نہ
 بانی۔۔۔۔۔ وہ باا سے ملے آتا اور میں اپنے کپڑے میں
 گھس جاتی۔ اسی پریشان تھی، وہ یہی سمجھ رہی تھیں کہ
 میں ان کی وجہ سے تیور سے نہیں ملتی۔ تب ایک روز
 اسی نے مجھے کہا تھا۔
 ”راہیہ خود پر جبر مت کرو۔ میں نے شفقت
 بھائی کو انکار کر دیا ہے تم جو چاہتی ہو وہی ہوگا۔۔۔۔۔
 تم۔۔۔۔۔“
 ”میں چاہتی ہوں میرے سامنے تیور کا نام نہ
 لیا جائے۔“ میں نے اطمینان سے کہا۔
 ”کیوں آخر۔۔۔۔۔؟“ اسی پران تھیں۔
 ”مجھے اس سے نفرت ہے۔“
 ”میں سمجھتی نہیں۔“
 ”بس نہ سمجھیں تو بہتر ہے، اسی میں بے اعتبار
 شخص کی زندگی میں شامل نہیں ہو سکتی۔“ پھر اسی کی گود
 میں سر رکھ کر میں نے سب کچھ بتا دیا۔
 ”یہ تو کوئی ایسی بات نہیں کہ تم اپنے دل کے
 ٹکڑے کر لو۔“ اسی نے مجھے سمجھانا چاہا۔
 ”بس اسی میں کسی ایسی شخص کے ساتھ نہیں رہ
 سکتی جسے مجھ پر اعتبار ہی نہیں ہو اور محبت میں اعتبار
 کبھی شرط ہوتی ہے، اس رشتے میں اعتبار کو کم نہیں
 پشت نہیں ڈال سکتے۔“ پھر آپ تیور کو منہ کر دیں وہ
 یہاں نہ آیا کہ مجھے نفرت ہے اس سے۔“
 ”سوچ لو پتا جنہیں چاہا جائے اُن سے
 نفرت۔۔۔۔۔ اسی نے کہا تھا۔
 ”مگر مجھے اس سے نفرت ہے، اسی میں نہ
 اسے اتنی شدت ہے نہیں چاہا جتنی شدت ہے مجھے
 اس سے نفرت ہوئی ہے۔“ اسی نے میرا چہرہ تھام کر
 میری پیشانی پر دم لادو بولیں۔

”مگر تم میری بات کا اعتبار نہیں کرو گے۔“
 ”یہ بات نہیں۔“
 ”میں تیور حسن۔۔۔۔۔ تم چلے جاؤ۔۔۔۔۔ اب کچھ
 نہیں رہا میں ایسے شخص کے ساتھ تھا مگر نہیں چل سکتی
 جسے مجھ پر اعتبار نہیں ہو۔“
 ”راہیہ۔۔۔۔۔ کیا کہہ رہی ہو تم؟“ وہ کرسی سے اٹھ
 کھڑا ہوا۔
 ”جو آپ نے سنا۔ آئی ہیٹ اپنی بات مری ہوئی
 ذہنیت ہوئی آپ کی میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ آئندہ
 یہاں مت آنا اور نہ ہی مجھ سے ملنے کی کوشش کرنا۔“
 میں نے لفظ چاچا کر ادا کیے۔
 ”راہیہ تھاراد داغ تو صبح ہے؟“ تیور حیران
 تھا۔
 ”آج ہی تو دماغ صحیح فیصلہ کر رہا ہے۔“
 ”تم مجھے بھول پاؤ گی؟“ تیور نے پوچھا۔
 ”بھلا مشکل تو نہیں تیور حسن۔۔۔۔۔ میں جنہیں
 اپنے دل اور یادوں سے بوجھ نہیں کرتی۔“ میرا وجود
 مارے غصے سے لرز رہا تھا پھر میں تیز تیز قدم اٹھاتے
 ہوئے اندر آ گئی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے
 چاروں طرف ریت کے ٹوکے ڈر رہے ہوں اور کرم
 ریت میری آنکھوں میں گھس چکی ہو۔ دور دور تک
 ریت کے ٹوکے لیے ہوں اور سامنے کا نشان تک نہ ہو۔
 وہ ساری رات میں تڑپتی رہی، سکتی رہی مگر میری
 آنکھوں سے ایک آنسو نہ پکا کہ اس شخص کے لیے میں
 کیوں آنسو بھائی جس نے میری قدر نہ کی۔ میری
 محبت کا اعتبار نہ کیا اور اکل شاہ کے پاس چھپ گیا۔ وہ
 کیا سوچنا ہوگا۔۔۔۔۔ لٹا لٹا کر دیا تھا تیور نے
 مجھے۔ میری محبت کو کھسکے ہوئے ملا کر دیا تھا۔
 ”میں خراب کچھ اس طرح گھر سے تھے کہ میں
 خود بھی ٹوٹ گئی تھی پھر تیور حسن نے بہت بار مجھے



ٹلتے۔ رات کے کھانے کے لیے روٹی پکانے کا وقت تھا۔ اس خبر کے بعد کہاں کی بھوک..... اور کسی ڈیوٹی (روٹی پکانے کی) دل کی دھڑکن کا یو سے ہا ہر کیا ہوئی سب سے پہلا اثر ہاتھ میں بکری توے کو اویگا۔ ورنہ توئی جوتے ہرہا کوئے خاطر توئے کے لیے

”فیصلہ کا اختیار رائیہ کو ہے۔“ بابا اور امی نے کہا تھا اور میں نے آمنت آپا سے سوچنے کا وقت مانگا..... مگر یہ کیا..... میں تبریز حمید کے بجائے تمہارے بارے میں سوچ رہی ہوں ہمیشہ کی طرح..... تیرا حسن بار بار سوچا تو دل نے تمہیں باعزت بری کر دیا مگر..... مگر میرا دماغ تمہیں معاف نہیں کر سکا۔ جبکہ دل آج بھی تمہارا رطر فدا رہے۔ میری انا کو زبردست چوٹ دی تھی تم نے..... مگر چار سال گزرنے کے باوجود آج بھی تم میرے دل کے گھٹاؤں پر موجود ہو..... ہے تا جبرت انگیز بات اور..... اور میں آج اعتراف کرتی ہوں کہ تمہیں تو پتا ہی نہیں ہوگا کہ وہ پاگل مگر..... جذباتی لڑکی جسے وہی تھا کہ وہ تمہیں بھلا دے گی تو وہ جھوٹی نکلے گی مگر..... مگر میں تمہیں کیوں یاد کر رہی ہوں۔

”تم نے مجھے بھلا یا ہی کب سے رانو۔“ میرے قریب ہی سرگوشی ابھری۔ میں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ ارے یہ آواز تو میرے دل سے آ رہی ہے۔ میں مسکرائی مگر میری جلتی آنکھوں سے آنسو سادوں کی طرح ٹوٹ کر بہنے لگے اور تب میں نے لمحے کے ہزاروں حصے میں فیصلہ کر لیا آمنت آپا کی بات مان لوں بقول ان کے میں تبریز حمید کے دل کی خواہش ہوں۔

میں تو اکل شاہ کے دل کی تنہا بھی تھی اور تیرور حسن کی چاہت بھی..... تیرور حسن میرے دل کی خواہش تھا جو میری آنکھوں کا خواب تھا وہ بے اعتباری کی آگ میں جھل گیا۔ میں نے تبریز حمید کی ہونے کا فیصلہ کر لیا کہ جو ہا چاہتے ہیں وہ ہمیں نہیں ملتا پھر اسی کے کیوں نہ ہو جائیں۔ جسے ہم پیار سے کہتے ہیں۔ مجھے یقین ہے تیرور حسن میں تمہیں شاید بھی نہ بھلا پاؤں..... البتہ تمہاری یادوں کو دل کی تہوں میں دفن کر کے اس شخص کے سرگ زندگی گزارنے کے

عمل سے گزروں گی جو میرے کردار کی گواہی کے لیے کبھی تمہارے پاس نہیں آئے گا کہ میں اسے کبھی بتاؤں گی میں نہیں کہ میری زندگی میں کبھی کوئی تیرور حسن بھی آیا تھا جس کی چاہت کے بیڑے میں، میں بھیگی تھی۔ میں نے اپنا کل فون بیڑے ساندہ نیل سے اٹھایا اور آمنت آپا کا نمبر پیش کیا۔ دوسری ہی تہل پر فون انٹینڈ کر لیا گیا۔

”ہیلو.....“ دوسری جانب تبریز تھا۔

”آمنت آپا سے بات کرتی ہے۔“

”وہ فرح کو کھانا کھا رہی ہیں..... میں انہیں فون دیتا ہوں۔“

”میں ان کی بات منظور ہے۔“

”کون سی بات؟“ تبریز پوچھ رہا تھا۔

”آپ کو پتا نہیں۔“

”چتا تو ہے کراپ کے لبوں سے سنتا چاہتا ہوں۔“ وہ دوسرے سے بولا۔

”تو سن لیجئے، مجھے آمنت آپا کے دیور کا ساتھ منظور ہے۔“ میں نے کہا اور تبریز کا جواب سے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

میری آنکھیں جل رہی ہیں دل رو رہا ہے۔ دل کے خلاف کوئی فیصلہ کر لیا جائے تو ایسا ہی کرب ہوتا ہے اور میں آج چار سال بعد پھر اسی کرب سے گزر رہی ہوں جب تیرور حسن کو چھوڑا تھا۔

”سنو تیرور حسن! میں نے تمہیں اپنے دل کا خون معاف کیا۔“ میں نے تمہیں معاف کیا۔“ میرا زرواں گرواں انہی جملوں کی گردان کر رہا ہے اور آنسوؤں سے میرا چہرہ تر ہو رہا ہے کہ بعض بھینٹیں بہت لڑاتی ہیں..... اور تیرور حسن کی محبت ایسی ہی تھی.....

باہر بیڑہ بھی ٹوٹ کر برس رہا ہے۔

ماہنامہ ہلالِ بکرہ۔ جون 2012ء

آگے جب وہ کمپنیں تھا بھلا کچھ کہنے والا، پھر
 بچوں کا شام کی کتنی مٹیں..... پر وہ دل کا کیا کر رہا ہو،
 اہاں کے اس درجہ خوش ہو کر پیسے لانے پر باقاعدہ
 گراہی نہیں لے تو ابھی اڑ رہا تھا۔

جوار کے محلے کی لڑکیاں بھی ان دیکھوں سے نہیں بچیں
پانی نہیں کر دیتا۔ لہذا کھیت پر تشریف لیا تھا۔ اور
وہاں سے چھوٹا موٹا سامان جس میں سے چھوٹا چھوٹا
مال اپنی ماں بہنوں کے لیے اور موٹا موٹا صرف زمی
سوئی۔

”نہ مجھے نہ تجھے کیوں مروڑا گھر ہے ہیں، پیسے
تیرے پلے سے جارہے ہیں تو مت لے۔ ورد
ڈوگریاں نہ دے۔ ایک اکوٹا بھونکی پانچ سالوں بعد
آجائے اس کے لیے دو ماہیں لیتے تجھے بھول آ رہے
ہیں۔“ بھول ماہیں لیتے یا مٹھائی کے ٹکڑے لیے کیا
آئے تھے۔ وہ تو اسی کی اس درجہ بھری تقریر سے ضرور

آئے گے۔ خالی ہولی نہیں چکر بھی۔
 ”یہ تو اشفاق صاحب بنا ہوتا سر پہ انز کے
 پھر کس آن کیے۔ جو تیار کرتے پھر نہیں کیا شانہ
 استقبال کرتے اماں اماں..... کیا جاؤ لوڑ تک بھی

”اور اشفاق خود..... وہ خود کبسا ہوگا؟“
بات تھی تو رسوائی کی طرح تھی کسوا تین سالوں میں
اشفاق نے مال بھینچا ہی نہیں کیا تھا۔ رابطے کے
ڈرنے سے بھی خود اور ادھر بٹھ کر دے تھے اور ان رابطوں

میں فوفو..... خٹو کی معجاش شاید نہیں لگتی تھی۔ وہ نہ
 ضرور سمجھتا۔ حالانکہ ذہنی کے خرط میں عظیم اصرار
 ہوتا۔ اور چونکہ خط بعد کے آخر سالوں میں ایک
 طرف ہو گئے تھے۔ سو مزید اندازہ نہیں کر سکی کہ آیا اس
 کا اصرار اشد پڑ ہیوا یا نہیں۔ چونکہ جواب نہیں موصول
 ہوتے تھے۔ ذہنی نے بے قرار دل کو اس تلی سے
 برسکون کر دیا تھا کہ کیا جت راستے میں ہی کوچ
 کر سکا تھا گیا۔

☆☆☆
 آنے کے سامنے لگتی شرماتی زمیں کی ادا نہیں کرتے۔

شہزادہ سلیم کے اہم حضور کے عہد سے تک جا پہنچے ہوں۔
 مگر مقام اذیت تھا۔ وہ بے چارہ صرف نام کا شہزادہ
 رہتا۔ بلکہ نام کا کیا ہے نام اور ساتھ میں بے وقعت
 بھی۔

ناراضی آکاس تپن بنا آدا حور وارے سے ہی لپٹا رہا۔ نئے دو بے کا یہ حشر دیکھ کر ان کی آنکھیں ابل آئیں۔ یہاں جمی جوتے سے کمر پٹی جاسکتی تھی مگر وہی ہہلکت کی!

زمی "زیا بیگم" بنی آئینے کے سامنے جا کر مڑی ہوئی۔ لیر و لیر دوپٹے کو اٹکی پر لپیٹنا پھر دانتوں میں دبا یا..... دوپٹے کی شامت تمام ہوئی تو لٹکی کی آبی۔ ناخن دانتوں میں دبا کر لہرا کر اکیل کھا لی جانتی تھی کہ چوک ہوگی اور ناخن کی جگہ لٹکی چڑا یا لٹکر گیا سحر

طاری تھا کہ تکلیف پر پھر کسی وقت رونے کا سوچ کر ابھی لمبی لمبی سانس لیں کہ ڈرنی چپکری و دیا بالان کو بھی مات دے ڈالی۔

”تو وہ آگیا.....“ لال انارنجی بہ وقت تمام اپنے عکس سے مخاطب ہوئی اور خودی شرا کر ہاتھوں میں چہرہ صیالیا۔ پورے بائیس سال کے جاں نسل

انفشار کے بعد اس کا بہرہ و محبوب، مہکتے، اشفاق لوٹ آیا تھا۔ سوہرہ دن جیسے یہ شرمیلے علی مظاہرے اس پر سچ بھی رہے تھے۔

☆☆☆
 رادھر شہزاد کی جان وخت میں آئی تھی۔ اب اسے
 ”ترے منہ میں خاک..... نیتا مارا۔۔۔“
 نے بھی چپل کھینچ ماری۔ شہزادے سلیم کی شہزادی منہ
 چڑانے لگی۔

ہوئے تھے۔ اشفاق المعروف شاقا کی آمدِ خیر اُدھر ہوئی تھی۔ زلزلہ یہاں آگیا تھا۔

”تو اتنا کچھ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ لوگ کہا سمجھیں گے؟“

”اوائے شہزادے!“ عام دنوں میں بھی جب پکارتے لگتا بادشاہ اکبر کی روح سامنے ہی مگر آج توجہ اکبر تک جا پہنچے۔ شہزاد کو تھلنے کے علاوہ کچھ نہیں

سو جھ رہا تھا۔ ”شہزاد کو شہزادہ سلیم“ بنا کر ابا بھلے ہی ”اچھا!“ شہزادے نے ہار مان لی۔ ابا کے

آئینے میں نظر آتے اس کے عکس پر کچھ یادگار مناظر غالب آگئے تھے۔ زمی گرم ان میں ٹھوکی۔ وہ بچپن کے پیارے دن (تب بائبل بھی پیارے نہیں لگتے تھے) تب اشفاق بھی بیار نہیں لگتا تھا۔ کیونکہ وہ پیارا ہوتا ہی نہیں تھا۔ یہ سوئے سوئے ہونٹ..... باہر کاہلی جھینے کے ڈیلوں کا مقابلہ کرتی آنکھیں، تاک کی ہیئت ایسی تھی کہ بہت دماغ لڑانے پر بھی سمجھ نہ آتی کہ کس چیز سے مشابہ کریں، رنگ کوئے سے تو ڈرام ساٹولا..... مگر بہر حال کال..... اور تمجہ کے کیا کہنے..... بچپن سے ہی دوزن میں خود کشیں تھا۔ سب گھبراہٹ، ڈرم، ڈھول جیسے آوازیں تھیں تو نوازتے..... مگر چونکہ ہم اندھی ہوئی ہے اور اکل بنائے والا اللہ..... ہواشفاق کی اسی شکل میں بنا کیڑے لگنے والے زیب انسا کا دل اس پر آگیا۔

وہ دن آئینے میں چھب دکھار ہوا تھا جب اشفاق نے ابتدائے محبت کرتے ہوئے ایک طویل وعریض رتھ بڑی دقتوں کے ساتھ زمی کو پہنچایا تھا۔ جسے پڑھنے کے بعد زمی کی ساتوں میں نہ تو ڈھول بجاد اور نظروں کے سامنے کالا کوا پھڑ پھڑایا۔ جس دن خاندان ہو گیا کہ اشفاق ہی سے، وہ کی لی گاؤں القات کا مرکز تھی۔ خدا کوئی بار پڑھا، چھپنے کی جگہیں بدل کر پڑھا..... اور سنہیل سنہیل کر رکنے میں کیسی بلکان ہوئی یاد کر کے شیشی کی مسکان ابھی زمی کے لبوں پر اٹھری۔

قریبی رشتے داری ہونے کے باوجود بھی محبت کرنے کے لیے چور دوازے اس لیے استعمال کرنے پڑے کہ بہر حال اب کی دہشت بہت تھی۔ دوسرے عزت و غیرت کا بھی مسئلہ تھا۔ اشفاق کی طرف سے والے وہ خوشبو دار خوش رنگ پھول، جیولری، چوڑیوں کے تحائف بھانے بھانے دینے کے خاص بل ایک دوسرے کے گھر جانا ہوتا تو

بڑوں کی نظر بچا کر خاص زمی کے لیے شاق کی وہ یادگار تھیں..... آدھی کو کال خود ہی کر آدھی اس کے حوالے کرنا..... آدھا لٹو پیٹ میں لٹکھن کا بہانہ کرنا کہ چھوڑ دینا..... جس پر زمی کا رزق ضائع نہ جائے کے عنوان سے درس دیتے ہوئے چھپت کر سالم نگل جانا..... اور تو اور وہ یادگار دن جو بھلائے نہیں بھولتا اور جسے بھولنے کو دل نہیں مانتا..... جب زمی کو اچھا خاصا بخار تھا۔ سب بڑے کمرے میں بیٹھے لی دی دیکھ رہے تھے۔ اشفاق بھی کسی بہانے موجود تھا۔ زمی سے ہونے مند کے ساتھ ساتھ وہاں ڈانٹ کی پر دایکے بغیر صحن اشفاق کی دیر سے بلان آئینی تھیں مگر حالت خاصی خراب تھی۔ جو تاسر اور دھندلائی آنکھیں لی دی تو کیا بندوں پر بھی تک نہیں پاری تھیں۔ سب کا پسندیدہ پروگرام آرہا تھا۔ سب کی توجہ لی دی تھی۔ کسی کو کیا پتا چلتا تھا۔ خود بھی لی اظلم رہی جب تک کہ پانی کا گلاس اور دم درد کی مشور زمانہ گولی چرسے کے سامنے نہیں آگئی۔ زمی بھی چونکا کر رہ گئی۔ اشفاق ششکر کھڑا تھا۔ زمی نے ارد گرد ماحول کرنے کے بعد فوراً گلاس اور گولی پکڑی اور اچھے بچوں کی طرح نگلی۔ اب پتا نہیں گولی کوئی خاص کرمانا تھی یا پانی پر دم کیا ہوا تھا..... یا چند بہت کر شتی تھا، زمی اگلی صبح جی چکی تھی۔ اشفاق کا یہ فدیہ انہی کے خاندان میں تیار دارانہ طریقہ اس نے اپنی جاننے نہ جانتے دایوں میں سے کس کس کو نہیں بتایا۔ کسی رومانوی داستان کی طرح..... قصہ زمی اشفاق..... بھی مشہور ہوا گیا۔ اب آئینے میں وہ دن جھلک مار رہا تھا جب غیر متوقع طور پر کہیں سے اس کا رشتہ آگیا اور اب..... اماں نے گویا پہلی پر مسوں جرائی۔

”نہیں.....“ اس خبر ہوئی تو پتہ چلی فلم کی ہیروئن والی لٹکار مارنی خود میدان گل میں کود پڑی۔

”میں شادی کروں گی تو صرف اشفاق سے

اور نہ کسی سے نہیں۔“ اب، اماں دووں میں مردہ ہوئے۔ اکلوتی بیٹی جس پر لاؤ شفت کے خزانے بھجوا دیے تھے اس نے صلبہ چاند چڑھا کر دایا۔ اب اماں کو دم بڑو کر دیا۔ اب اسے سے چٹکھائے رہے۔ اشفاق انہیں بحیثیت داماد کے کہیں سے بھی قبول نہیں تھا۔

”ارے ایک ہی بیٹی میری اس کے لیے جن جن گریڈوں میں نہ کرنا سمجھدار پر راسخی ہو چاؤں۔ دنیا والے کیا کہیں گے۔ داماد سے شان ہوتی ہے سر کی، میں اس کو اپنے ساتھ کھڑا کر کے اچھا لگوں گا کیا؟“

”اشفاق سے شادی نہ دینا ہے کرنی ہے نہ آپ نے.....“ زمی کی زبان درازی بلکہ بے شری نے، اماں دووں کو سناں گھٹایا۔ گھر میں بہت عرصے تک رہی جنگ کے بعد بالآخر اگرا کو بھتیار پیچکر اشفاق کو شرف وادار پڑا۔ ان ہوئی یوں ہوئی معنی کے فوراً بعد شاقے کا رنگ بڑھ گیا، وہ آری میں کہیں کے عہد سے تک جا پہنچا۔ اب کا پینڈ پھول گیا۔ جس داماد کے لیے اب، بھجدار، میرا لیے القاب استعمال کرتے تھے آج اس کے لیے رطب اللسان تھے۔ پھر یوں ہوا اشفاق اچانک ہی آسٹریلیا جانے کے لیے پرتولے لگا۔ اپنی اچھی بھلی جی جی نوکری کو لات مار کے۔ اب، اماں اس فیصلے پر خوب محترض ہوئے مگر اشفاق کے سر پر جو صحن ہوا ہوئی تو اتر کر نہ دی۔ نہ جانے کسی جلت سوار تھی کہ شادی کرنے کا بھی نام نہ طار اور اشفاق صاحب یہ جاوہ جا..... پیچھے زمی آسٹریلیا اپنی رخصتی کے خالوں میں آگئی تھیں ہوتی کہ پانچ سالہ انتھار کو فٹ زدہ اور خوشگوار زیادہ لگا۔

”زمین..... اری او زمین.....“ نہ معلوم آئینے میں ابھی اور کون سی فلم چلی تھی کہ اماں کی اس کراری کی کار نے سارے مناظر نگہ کر دیے۔

”کتنی یاد کیا ہے کہ زمی کہا کریں نہ زمین سے

لگے ہے جیسے بیٹی کو نہیں کام والی کو کا پورائی ہیں..... کون ہے جو اسے.....“ خاصی بدردہ ہوئی، پسے وہ پہلے کو جھٹکتی زمی ناچار کمرے سے باہر جانے لگی۔ حالانکہ ابھی دل کہاں بھرا تھا خود سے بائیں کرنے سے۔

☆☆☆

باہر نکلی تو نئے مناظر تھے۔ اماں کی سہیلیاں اس کی سہیلیاں اور وہ رشتے دار نکلی جنہیں شاقے کے گھر بار پھول بہت ہوتا چاہے تھا۔ یہاں آ رہے تھے۔ شور، ہنگامہ، تہنہ، مبارک بادیں..... سی ملے کا گمان رہا ہوا تھا۔ اماں، اب، کے بس میں نہیں قاسب کی مبارک بادوں کے جواب میں دھال ڈالنا شروع کر دیں۔ زمی کا تھوڑا تھوڑا منہ بن گیا۔ خاندان والے مٹا مٹاے یہاں کیوں آگئے تھے۔ اُور شاقے کے گھر جاتے۔ ایسا بلکہ اس بھی برا منہ شہزادے کا بنا ہوا تھا۔ اسے شاقے سے جاتے وقت اتنا نہیں لڑنا یا تھا جس کی آمد پر آنکھیں رہے تھے۔ وہ بھی صرف اس کے کیونکہ ”دخت“ معیت میں تھی اب آہا صرف جو دوڑیں وہ لگا چکا تھا شاقے کی قدم پوی کی تیاری میں وہ ایک طرف..... جواں مفت خورے رشتے داروں کی سہان نوازی کی وجہ سے اب لگنے والی تھیں وہ سوچ کر دھاڑیں مارنے کو دل کر رہا تھا۔

”کرامت بھائی..... شاقے کی آمد یہ پہلی مبارک باد کا حق آپ کا ہے۔“ نیا یا کی پچھو زاد بہن تھی۔

”معلوم ہے جیلہ بن..... مبارکیں قبول.....“

”آخر تم نے پانچ سالہ بی دادوں کی طرح انتھار کیا..... بیٹی جیسا پھار مہر سے بھٹاے رکھا، بیٹی کے سر میں چاندی آگئی پر رشتے کے لیے یہاں وہاں تاک بھاگت نہیں کی۔“ زمی کا ہاتھ بے اختیار اپنے

”پہلے کے منہ والی۔۔۔ کالی زبان، پھوٹے لٹکے تیرے حلق میں، سر سفید ہو تیری گھوہیوں کا۔ خوشی کے موقع پر بھی اور خالی نہ جانے دینا۔۔۔ میری جدی ہنسی دشن۔۔۔“ ابی کی چھری بہن پر صرف زہری نے ہی نہیں اماں نے بھی دل کھول کر جوابی گولے پھینکے مگر صرف نظروں سے کہ یہ بے موقع گولہ باری لفظوں کی شکل میں ہوتی تو رنگ میں بھگ پڑ جاتا۔ جس کا نقصان انہیں ہی ہوتا۔

”ہم نے سوچا شائقے کے گھر تو جانا ہی جانا ہے۔ پہلے اس گھر کی صفائی کھاتے جائیں۔“

”کیوں نہیں، کیوں نہیں، بڑیاں صفائیاں۔“

ابا کچھ زیادہ ہی خوش تھے۔

”اوئے شہزادے۔۔۔“ اور شہزادہ پھر کھڑ گیا۔ اتنی بڑی خاندانی پٹن کی سیوا کا سوچ کر ہی آنکھوں کے آگے تارے ناچنے لگے۔

”شہزادے پتھر کی طبیعت ماری (خراب) لگ رہی ہے۔ یہ اباں کے خاندان کا کھانوی۔“

”کیوں شہزادے۔۔۔ کوئی کیس نہیں تو نہیں ہو رہی پیٹ میں۔ تو بچپن سے ہی معدے کا مریض ہے۔“ رشتے کی چالچی زربہ نے کیا کھانا تجویز کیا تھا۔ ان کا یہ نظریہ اب سارے شہزادے دل جلا گیا۔

”ابو! ای۔۔۔ پیدائش رونی شکل ہے، محتاجوں والی۔“ بڑا خاندان بیان آیا تھا۔ اماں اور شہزادے نے ہلکا کے کہنے اور دل کو کھانا جانے والی نظروں سے دیکھا مگر غصہ خون کے گھونٹ لپی لینے پر اکتفا کیا۔ اسی رنگ میں بھگ پڑنے کے ڈر سے۔

”جائیرا شیر۔۔۔ رس گلوں کے چار پانچ ڈبے بھاگ کر لے آئے۔“

”میرے لیے برنی کا۔۔۔“

”گلاب جاسن بھی ہوں۔“ شہزادے نے۔۔۔

”اے حلاوتہ تیروں تھے فرماشی پروگرام فشر کرنے

والوں کو دیکھا اور ہنوز ہم کے کھڑا رہا کہ جب خالی تھی۔۔۔ پیچھے ملے تو جاتا۔

”بھئی ہم نے سوچا۔۔۔ یہاں سے کھانا شانا کھا کر شائقے کے گھر اک ساتھ چلیں گے۔ مل جل کر جائیں تو خود ارونق پڑے گی۔“

”کھانا! زہری کے حلق میں کانٹے چھپنے لگے۔

”اور نہیں تو کیا۔۔۔ شائقے کے گھر کھاکے جان کا دشمن نہیں بنتا۔ یاد ہے پانچ سال پہلے والی دعوت جب شاقا جاتا تھا۔ اس کی اماں نے کچے شوربے پر فرمایا تھا۔ جس میں کٹی کی چار بونیاں تھیں وہ بھی بساند ماری۔ کھا کر ہفتہ پورا اٹھیاں کرتی رہی تھی میں۔“

”تو خالہ تمہارے سر پر کیا ملک الموت کھڑا تھا جو اس کے کسے کسان کو بھی نہیں چھوڑا۔“ زہری کا جی رہا ہونے لگا۔ ایک خالص ذاتی خوشی جسے وہ جی بھر کر انجوائے بھی نہ کر سکتی تھی۔ دوسروں کی نظر ہوئی۔

”زہری۔۔۔“ اماں نے پکڑا رکھا اور ایسا وہ تب کرتا جس کا مٹکھلا ہوتا۔

”اٹھ جا میری شہزادی۔۔۔ یہ مضاف خالصتاً سیاسی تھی وہ جھگڑی تھی۔ اسے جتن میں جا کر اس برات کا بھوجن تیار کرتا ہے۔

”اماں۔۔۔ میں ایک گلو، وہ کلو جتنی مرغی، سالن پلاؤ پکاسکتی ہوں، دیگ نہیں، آپ دیکھی کا انتظام کر دیں اپنے زبردستی کے بھانوں کے لیے۔“ اس نے بلاتر دوسرے جھنڈی دکھادی۔ اچھی سمیٹ تھی، شاقا وہاں۔ برات یہاں۔

”یار شہزادے۔۔۔ تو بھی تک نہیں گیا؟“ اونٹھ

ہوا شہزادہ اب کی چنگھاڑ پڑ بڑا سر سیدھا ہوا۔

”اماں لے کر امت کر بھائی۔“ مجھے پیچے کی طبیعت تھی، مجھے نہیں لگ رہی تھی، قل ان کے کر زربہ

ہاں کا ڈاکڑی مشاہدہ طول پکڑتا شہزادے نے لیے ڈگ بھر کر کمرے سے نکل جانا چاہا کہ ابی کی گرج پھر قدموں کی زنجیر بن گئی۔

”شہزادے۔۔۔“ پھر رخ روشن قریب بیٹھے اناج چاچے کی طرف کر کے بولے۔ ”کیا خیال ہے کوشر ٹیک رہے گی ابی! ایس؟“

”کیوں ابا؟“ شہزادے کو ابھن ہوئی۔

”اوئے ناچھ۔۔۔ شائقے کے گھر نہیں جانا کیا؟“

”وٹیکن یا کوشر پر؟“ شہزادے کو غش آنے لگے۔

”ناں تو ہوائی جہاز پر! ابا نے تسخرا ڈایا۔

”کوچ نہ لیتا آؤ؟“ اس نے تسخرا نہ بین سے طفری گولی چائی۔

”نہیں، ہائی اٹس ٹیک رہے گی۔“ طفر نہ سمجھتے ہوئے ابا نے نہبتا چھوٹی سواری پر قناعت کی۔

شہزادہ کھری سانس لے کر دروازے کی جانب مڑا۔ آج کل یقین تھا کہ سارے شہر میں اشتہار لگ کر رہتا ہے کہ گھر والے ٹیلی فون کا کردار ہو گئے تھے۔ قریب ہی شائقے کی کالونی تھی اور۔۔۔ یہاں وٹیکن منگوائی جا رہی تھی۔

”لوگوں نے پاگل ای اوئے کہہ کہہ کر پتھر نہ مارے تو تیرا اماں بدل لیتا۔ بلکہ رکھ لیتا شہزادہ سلم۔“ مذہبی منہ میں بد بداتے ہوئے شہزادہ کمرے سے جانے ہی لگا تھا کہ ہال میں رکھائی فون بج اٹھا۔

”فون ہے شہزادے۔“

”یہ بھی میں اٹھاؤ؟“ وہ ہلٹ کر روکھا ہوا۔

”اتھائی لو۔۔۔“ ابا کا حکم تھا۔ مانتے ہی بنی۔

مرے مرے قدموں کے ساتھ فون کی طرف بڑھا۔

اماں کی سہیلیاں، زہری کی سہیلیں اور رشتے داروں کی بہائیت، بیجاہت کی پولیاب فون بیٹنے میں لاجالہ

دقت۔۔۔

”وے چپ۔۔۔“ شہزادے نے جوں ہی ریسیور اٹھایا۔ اماں کی کراہی آواز نے ایک لمبے میں سب کو چپ کر دیا۔ (دھر شہزادہ بھی پہلو کے بعد دوبارہ نہ بول سکا۔ تاہم ریسیور کان سے لگاتے بس کھڑا کا کھڑا رہا۔ ارد گرد سے بیک نہ خود سے بیک نہ۔

”بات سن حسینہ۔۔۔“ زربہ چالچی، شہزادہ کو نظر میں رکھے اماں کے قریب ٹھکسن۔ ”سوہرے شہزادے کو ڈاکڑ کے پاس ضرور لے جانا۔ مجھے لگتا ہے وہ پڑے ہیں لڑکے کے پیٹ میں۔ پہلے بیلا ہو رہا تھا۔ اب دیکھ سہید پڑ گیا۔“

”تیری تو میں اٹلی پھینکی لسل کو سفید پڑتا دیکھوں، اللہ کی ہاں کر کیجیے ہی پڑ گئی میرے معصوم کے۔“ اماں نے ایک بار پھر اندری اندر بیچ و تاب کھاتے اور کراہی آواز میں کر رہیں۔

”کیا ہوا شہزادے۔۔۔ صورت کیوں بن گیا؟ کسی نے فون میں سے ہی پھوکا مار دیا کیا؟ تاہم تاکنون ہے میں بھی اس کو فون پر سیدھا کروں۔“ شہزادے نے خالی خالی نظروں سے اماں کو دیکھنے کے بعد ابھتی سے ریسیور کرڈل پڑ ڈال دیا۔

”پروچو چا چاکا۔“ شہزادے نے اشتاق المعروف شائقے کے باپ کا نام لیا۔

”ہائیں۔۔۔ ابا! اماں حیران ہوئیں۔“ اس نے متر چھو لگا۔

”ہاں۔“ شہزادہ کی ہنسی ہنسی آواز برآمد ہوئی۔

اماں اور زہری دونوں کا ماتھا ٹھکا۔

☆☆☆

جتنی کو تک سروس میں بہا خوشی کے اظہار دکھانے میں کی گئی تھی۔ اس سے الگ متر کے مزاجات کسن کر دمکل دکھایا گیا۔ بے یقین اور ناہم مگر بہر حال یقین تو آج بھی تھا۔ ایک شائقے کے ابی کی ہی

کیا..... ایک کے بعد ایک آگے پیچھے کی کالیں وصول ہوئی تھیں۔ شائقے کے گھر کے بقیں میں بیٹھے یک صاحب کی جواب کے بھی ایسے رقیوں میں سے تھے۔ اماں کی گاڑی، بہن جیسی کبھی خالد شینم جن کا آنا جانا اشفاق کے گھر بھی تھا۔ یہی نہیں شہزاد سے چھوٹے جواد کا دوست عظیم..... جس کا بڑا بھائی اشفاق کا دوست تھا اور خود زمی کی ایک بلی لکڑی سی نام نہاد کبلی سفید جس کی بھائی کا بیٹا اشفاق کے محلے میں تھا۔ سب نے ایک ہی سبز چوکنگ۔

”اشفاق آگیا..... ایک نہیں چار بن کر.....“

گوری میم کے ساتھ گورے ساس سرخمی ساتھ لایا ہے۔“ اور اب جیسے سب میم مردہ سے ہوئے بیٹھے تھے۔

جو رشتے داز مبارک با دیں دیئے آئے تھے۔ وہ ممبر کی گھر یا تھا کہ ہیڈ لائن کی تفصیل سننے یقیناً اشفاق کے گھر گئے تھے۔ بیٹے ڈانے کا پٹن سے منہ پر کس کا پیٹھ پیچھے کھاک۔ یہ انتہائی غیر متوقع خبر سن کر اس فوراً دھڑکیں مار مار کر رونا شروع ہوئی تھیں۔ زمی سے دھڑکیں تو کیا ایک آنسو بھی نہیں ڈپکا گیا۔ وہ اس یقین میں کہ سننے میں سائیں دھوکا کر گئیں ہیں ورنہ اشفاق یہ ظلم کیسے کر سکتا ہے۔ چپ اور کم ایک ایک کام نہ کھینچی رہی۔ کچھ دیر بلی خوشی کے مارے گھر بھر میں بھونچال لانے والے اباب بالکل خاموش ہو چکے تھے۔ ایک دم سے ماحول بدلا تھا مگر کیفیت اتنی جلدی تھوڑی بدلتی تھی۔ اسی چندتا قریں اسے سرشار، ایسے خوش کہ شہر کا تھر جگ کر لینے پر آگئے تھے۔ اب ایک دم سے کیسے یقین کر لینے کہ وہ خوش محض لئے بھر کی تھی..... ریت کی طرح ہاتھوں میں آتے ہی پھل گئی۔ تو باؤ کا بلی بلی غل غل خاہریے۔

فی الحال تو چپ کے چپ رہ گئے۔

”یہ کیا کیا شائقے نے..... ہائے پانچ سال

کے انتظار کا درد کیوں دیا..... نہیں کرتی تھی پہلے انکار کر دیتا..... زمی کے آئے رشتے تو نہ ملتے۔“

”شائقے نے تمہاری نہیں، ہماری بیٹی کو دکھ دیا ہے۔ ہم اسے کبھی معاف نہیں کریں گے۔ غضب خدا کا شرتے داری تک کو نہ دیکھا۔“

”میں تمہارے ساتھ ہوں کرامت..... میرے لیے پر دے کر کے کا دانا پانی حرام..... میرا اس سے جو تعلق تھا آج سے ختم۔“

”ہائے ہائے زمی..... میری بیٹی زہی رخصت ہونے سے پہلے انگریزی..... ہائے اجڑیں تجھے جاناڑنے والے۔“

”اب کون آئے گا معصوم کا ہاتھ مانگنے..... کون آئے گا درد نہٹنے۔“

رشتے داروں نے یہ نہ دیکھی کہ کے دھاڑیں مار کے پیچھے کچھ کراؤں کی کہ نام پر دو قفسے نکال کے بہتری کو کش کی، اماں نہ کی اباب..... چلو اب نہیں تو شہزاد ہی غیرت پکڑ کر اندر کی کھان زبان سے نکالے تاکہ شائقے کے گھر نہ کرنے کے لیے رپورٹ مل جائے۔ مگر یہاں سوائے اماں کی دھاڑوں اور دھڑکیوں کے کچھ نہ ملا۔ رشتے داروں کو مایوس ہو کر جاتے ہی بنی۔

☆☆☆

”اوئے شاقا جانا نہیں ہے۔ اس نے کس کی پیٹھ پر چھرا اٹھو نہ ہے۔ کرامت شیری کی بیٹی روپی ہے اس نے کوئی معمولی کتا نہیں کیا..... میں اس کی.....“

”ابابا..... جو صلہ کریں، برداشت سے کام لیں۔“ ابابا کو سننے میں شہزاد کی سانس پڑھ گئی۔ وہ جو قابل یقین اور انہم ہی کیفیت حملہ آور ہوئی تھی۔ وہ بس تب تک حادی رہی جب تک تماش بین رشتے دار احباب یہاں موجود رہے۔ دوسرا انہوں نے گیت پھلا ڈا بھر کیا اب حوصلہ، برداشت، صبر تمام

ہوا اور یہ تو پتہ تھا۔ انہوں نے شائقے کو کم سے کم کالے پائی کی سزا دے کر دیتی ہے۔

”اوئے دلج کر برداشت کر..... اس نے میری مرغی چوری کر کے ذبح..... نہیں کی جو میں برداشت کروں۔ اس نے میری بیٹی دھکا دی ہے۔ میری عزت کو لٹکا رہا ہے۔“

”عزت نہیں فیرت کو۔“ اماں ابھی بھی سبک رہی تھیں گرفتار دینا نہ چاہتیں۔

”میں نے اس کی اگلی سات بقیں ملا دی ہیں۔ تو دیکھ تو کسی میں کرتا کیا ہوں۔“ عزائم ایسے تھے جیسے ابھی ہندو سیت شائقے کے گھر پڑھ دوڑیں گے شہزاد حقیقتاً بلی گیا۔

”ابابا اس کریں۔ چپ بہتر ہے۔ لوگوں کو ہنسنے کا موقع ملے گا۔“

”ایک تو میں تیری اس دنیا خوشی سے بڑا عاجز ہوں۔ اوئے بے غیرتا، اوئے بڑولا..... کیا بھائی ہے تو۔ بہن کے امانوں کا خون ہو گیا ہے۔ تجھے لوگوں کی پڑی ہے۔ جا جا کر برقع پہن کر بیٹھ جا۔ تیرا ہوتا نہ ہونا برابر ہے۔ اوئے جو کام تجھے کرنا چاہے تھا وہ میں کر رہا ہوں، ڈوب مر..... فیصو کے شہزادہ رگیدار گیا۔ اس لیے برا بھی بے حساب لگا۔ بہن کے ارمان میں ملی گئے۔ اب شردی تھا وہ بھی ابابا کی طرح سلطان رانی بن جاتا..... لال لال ڈیلوں میں تھر بھرے چھائی ٹھونکا شائقے کو لٹکا رہا۔

”یہ تو ہے ہی کمزور دل..... شووا..... میرا جواد ہوتا تو..... تو لوگ دیکھتے کیسے باپ کا سایہ بنا۔“

اماں ایک اور ڈرامائی کھیل کے چوٹی کی تھیں۔ جواد سب سے چھوٹا ایسا ملا آدمی پڑنے کی غرض سے تھا۔

”میں ایک ہی کافی ہوں۔ جواد نہ شہزاد..... میں ایک سبب ہے بھاری ہوں۔“ شہزاد نے دودھ توہ اماں نے غریبے ابابا کو دیکھا تھا۔ شہزاد کو یقین سا ہو چلا

اشفاق کے گھر کسی ایک نے ابابا کے ہاتھوں پر حملہ ہانا ہے۔ اس کی گوری میم نہ کسی ساس سر میں سے لای کوئی ایک۔

”میں دیکھتی ہوں، میری بیٹی کے مقابلے میں وہ کس ہیر کو بیاہ کر لایا ہے۔ میں نے بھی اپنی بیٹی پندرہ دن میں نہ بیاہی تو حسین نام نہیں میرا۔“ اس وقت منہ پر ہاتھ بھیر کر اماں پوری کی پوری دواں قلم کا حصہ لگیں۔ بارو کو چند دنوں میں رخصت کرنے کا عظیم ڈھیرانی..... شاہ رخ کی بے وفائی سے بد حال ابیوریا کی کاں۔

☆☆☆

”کی..... کہاں رہ گئی؟“ وہ کم صم نا قابل یقین کیفیت یہاں بھی چھٹ گئی تھی۔ زمی اس وقت پھر سے ”نوباہیک“ بنی و حید مراد کے فراق میں اتسو بہا رہی تھی۔

”کیا کیم صم صورت تھی؟“ وہ سوچ رہی تھی۔ ایک ایسا باپ جس پر سوچا اس کا درد سر بھی رہا ہی نہیں تھا۔ کیونکہ صورت کے ساتھ وہ لفظ کبھی لگاتی تھی۔ اب بیٹے اس کی اس سوچ پر لوگوں کو تحفظات ہوں۔ بہر حال وہ ایک پرنسز لکھی تھی۔ جس کی دلکشی بہت سوں کو چوٹا کشتی تھی۔

”شاہ نصیب میں کی رہ گئی۔“ تنگ بارہا ایک لبسا ہوا (آہ) بھرا۔ اور بندہ پر کر کر جی جان سے بائم کرنے لگی۔ آج کی رات شب فراق لازمی منانی تھی کمزور بے اختیار ہوا جا رہا تھا۔ پانچ سال سے زیادہ عرصہ ایک بندے کو دل اور دماغ پر سوار کر تھا اب ایک دم سے جدا ہونا..... اذیت ہی اذیت تھی۔

☆☆☆

”بس کیا بتاؤں کرامت یا.....“ کچن میں کام کرتی اماں کے کان بیک صاحب کی آواز پر لگے

تھے۔ جو ڈرانگ روم میں اسے محکم تھے چونکہ بیک صاحب، اشفاق کے ہمسائے تھے اور قہر بھی ادھر کا چھپیرے ہوئے تھے۔ سو اس کا دماغ روٹی کی طرف کم اور بیک صاحب کی طرف زیادہ لگنا پڑا تھا۔

”شاتے کا سرکل منہ اندھیرے چنڈی بنیاں پہن کے گلی میں بیٹھیں لگا رہا تھا۔“
”سی.....“ اماں کا ہاتھ روٹی کے بجائے تو سے پر جا پڑا۔ ایسی شرم آئی روٹی بول کر منہ پر دو ٹاٹھ لیا۔ گویا شاتے کا سر اس لیے میں سامنے آ کر اڑا ہوا ہو۔

”اب تم جانتے ہو اپنی کالونی کے کتوں کو۔ اچھے بھلے ہندوں کو دیکھ کر بھونکتے ہیں۔ بچے والے کو کیسے چھوڑ دیتے۔“ اماں کی روٹی تل گئی۔ زہمی کے سوگ کا آج تیرا دن تھا۔ اماں کو سب معنوں میں اس کا سوگ کھلا۔

”خدا جھوٹ نہ بلوائے..... جس نے نہیں دیکھا اس نے کچھ نہیں دیکھا۔“

”کیا.....“ بچے والے؟“ اماں کے استفسار پر اماں نے ”اوئی“ کہتے ہوئے پھر سے منڈھانا۔

”اوہو..... وہ منہ پر لکھا تھا۔ ہماری گلی سے شیخ انور کی گلی..... وہاں سے جامع مسجد..... جامع مسجد سے سیدھا پتھر بازار..... آخر میں کیوڑ منڈی..... سر جب کھر پچھا چکے کہہ رہا ہوں سورج نکل چکا تھا۔ دھوپ پر میری اور دھماہا کی بھابی دہر کا کھانا تیار کرنے میں لگی تھی۔“

”قہہ..... قہہ..... کتوں نے ناس مار دیا ہے چارے کا۔“ اماں کو قہہ دے افسوس ہوا۔

”خالی دوڑیں گلوں میں یا کتوں نے کچھ نوچا بھی۔“ اماں البتہ مزہ لے کر بولے تھے۔

”اب نوچا..... چھوٹا ہوا تھا۔“

”کیا بنیاں؟“

”نہیں چنڈی.....“ کھانے کی ٹرے لے کر اماں نے بھی میں اس کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہاں سے پلٹتے ہوئے بیک صاحب کے اس جملے نے انہیں اگلے پلٹتے ہوئے بیک صاحب کو ہلکا کر دیا۔

”پر کیوں.....؟ بیٹھا نہیں اچھا لگ رہا۔“
بیک صاحب اپنی اشت سے ذرا جوہلے ہوں۔
”بیٹھا کیا تو کراہی اچھا نہیں لگے گا، تو بس دفع ہو جا..... نیک بندہ..... ارے تجھے اس انگریز ہاشمی میں نیکی کہاں سے نظر آگئی..... اس نے جو ایک گناہ میری بیٹی کی جگہ پر ہی بیٹے کر لیا..... وہی اس کی آخرت پلید کر چکا، تجھے کہاں سے وہ نیک نظر آسکی؟“

”یار میرے۔“ بیک صاحب نے دونوں ہاتھ جوڑ کر باقاعدہ ماتھے سے ملا کر توجہ ہوتے ہوئے کہا۔ ”منہ سے نکل گیا۔“ وہاں منہ میں ڈالنا ہوں..... تو جنوں میں نہ آ اور پوری بات سن.....“ اماں جو دھڑ دھڑ جوش میں کھڑے ہو گئے تھے منہ پھلانے ناچار بیٹھے۔ ورنہ بیک کی جگہ کوئی اور ہوتا تو گریبان پٹو پٹے ہوتے۔

”بھلے کتوں نے جہاں اچھا نہیں پر آدھا شہر ایتھلیٹ بن کر گھومنے کے بعد بیٹھے اڑ گئے۔ بیٹ میں گول سا پتھر لگا۔ پنڈلیوں کی رگیں تن نکلیں۔“ اسپتال دیکھنا ہی تھا۔ سواب دینی دیکھ رہا ہے۔“

”مطلب؟“

”مطلب بے ہوش ہو گیا تھا جب گھر واپس پہنچا..... اس دن سے اسپتال میں ہے جانتے سوتے کتے نظر آ رہے ہیں بے چارے کو۔“

”ااااا.....“ یہاں اماں نے براہین نہ سنا قہہ لگایا۔ بالآخر کچھ میں ٹھنڈ پڑی تھی۔ ان کے انتہائی ارادوں کی زد میں آنے والے کرداروں میں سے ایک کر دار کو بتیں..... مل چکا تھا۔

”مجھے سے اچھے تو کتے ہیں۔“ ارے خوشی کے دماغ ایسا کھسکا کہ جو بولے..... اسے بول کر بھی نہ سمجھے کہ کیا بولے۔

”یار نیک بندہ ہے بچ گیا..... لکھ معقت میں آدھا شہر دیکھ آیا ہے۔“

”نیک بندہ.....“ اماں کے گلے میں دونوں لفظ پھنس گئے۔

”تو کھڑا ہو جا.....“ پھر ایک دم سے اجنبی بنے بیک صاحب کو باہر راستہ دکھانے پر آ گئے۔

”کیا بنیاں؟“

”نہیں چنڈی.....“ کھانے کی ٹرے لے کر اماں نے بھی میں اس کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہاں سے پلٹتے ہوئے بیک صاحب کے اس جملے نے انہیں اگلے پلٹتے ہوئے بیک صاحب کو ہلکا کر دیا۔

”یار نیک بندہ ہے بچ گیا..... لکھ معقت میں آدھا شہر دیکھ آیا ہے۔“

”نیک بندہ.....“ اماں کے گلے میں دونوں لفظ پھنس گئے۔

”تو کھڑا ہو جا.....“ پھر ایک دم سے اجنبی بنے بیک صاحب کو باہر راستہ دکھانے پر آ گئے۔

غزل

ارموز لہر فرصت میں ملتا ہم سے
کر گیا وہ اک بہانہ ہم سے
کیا اس بات سے ڈرتے ہو تم
کہے گا کیا، یہ زمانہ ہم سے
چل گیا یہ سحر تمہارا
آنکھوں ہی آنکھوں میں کھلتا ہم سے
دعا ہے یہ میری رب سے
کہ نہ تم چھڑنا ہم سے
یوں نہیں تو سپنوں میں ہی
رہی تو مل جانا ہم سے
کچھ معلوم ہے تم کو بھی ایتن
کہ چاہتے ہیں وہ چھپا چھڑانا ہم سے
شاعر: محمد امین
مرسلہ: بیونہ زکریا، کراچی

”یہ تمہیں ہوتے دیر سے بنا چلا۔“ بیک صاحب نے اطمینان سے ان کے کہے پر ہر لگائی، وہ پھر بھی نہ سمجھے۔

”جل فیر اس خوشی میں تجھے ٹائم کھانا کھاؤں..... شہزادے کی ماں..... کدھر کم ہو..... کھانا کھاؤ۔“ اماں کی آواز ٹھنک رہی تھی۔ اماں فرامیادار بیویوں کی طرح جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگیں۔

☆☆☆

زہمی بظاہر عجیدہ اور تجدید ہنسی سب کے سچ بیٹھی تھی۔ سہیلیاں دل جوئی کم کر رہی تھیں، نمک زیادہ چھڑک رہی تھیں۔ اماں کے ہاتھ کے بے لذت آلو والے ہاتھ نے منہ سے پن سے کھائے جارہے تھے۔

☆☆☆

معاذ اللہ! 2012ء

140

اس معاملے میں زہبی کسی سے بچے نہیں تھی۔

”چھوٹا تو میں کیا بتا رہی تھی؟“ مردانہ وار دارکار مارنے کے بعد سندس گویا دیا کہ وہ کوئی ضروری بات بھی کر رہی تھی۔ زہبی نے جان بوجھ کر بے پروائی ظاہر کی حالانکہ دل میں بیچ دو تب کھانے میں لگی تھی سندس کے جہازی سائز ناولوں پر جو اس کے بولنے میں آڑے آ رہے تھے۔ جی تو وہ شاق اور آسٹریلیا میں دوہنی کی اہمال موقوف کر کے پیٹ کا ایندھن بھرنے میں لگی تھی۔

”وہی داستان لڑ لیتا۔“ حینا بھی پر اٹھوں سے فارغ ہو چکی تھی زور آور جوش دکھانے میں پوری جان لگائی۔

”ہاں اس کی بیوی..... روزا..... ہماری زہبی کے مقابلے میں“ یہ ہے۔“ سندس..... نے ”یہ“ کی شکل انگوٹھا دکھا کر غماہری۔ زہبی کو بے پروائی ترک کرنی پڑی۔ تھوڑی ٹھنڈی پھوار برسی کی اندر نکلیں۔ ”میں نے جب پہلے پہلے اس کو دیکھا۔“ مطلب فرسٹ ٹائم۔ ”یقین کرو۔“ میں بھی شائستہ کی سانس ہے۔“ زہبی کا منہ اور آنکھیں دونوں مکمل نکلیں۔

”شکر ہے میں نے اس کو ثانی، آٹھ بجی پکارا نہیں۔“

”شکل کی کیسی ہے؟“ زہبی نے اب کی بار پورے تجسس سے پوچھا۔

”شکل میں کیا رکھا ہے، جب تمہیں بتا رہی ہوں شائستہ کی اماں جتنی ہے۔۔۔ اور گوری چڑی کے علاوہ کچھ نہیں اس کے پاس۔۔۔ ہماری کام دانی کی شکل اس کے مقابلے انشور ہے، لکھ کر دے دوں۔“ لڑکیاں شائستہ کی شکل پر ماتم کرنے لگیں۔ جس نے دلکش کا پیکر زیب اٹھا کو چھوڑ کر بیروں پر کھڑائی ماری کی پر زہبی کو نہ اس کی شکل پر

ماتم کرنے کا خیال آرہا تھا نہ اپنی کم مانگی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے اندر تو کوئی زندگی سے بھر پور تھپتھپانے لگانے میں ممکن تھا۔ گویا دل پر چھائی شکافت اترتی تھی۔

☆☆☆

اماں ن کا نکتہ بنی ہوئی تھیں۔ اور ارد گرد کی ان بھولیاں صفورا، بشیم، زہیدہ، صابرہ، فہیدہ اور عزیزہ کسی سبق کی طرح ”شاقا نامہ“ سنارہی تھیں۔

”بھلے شاقا غلط ہو، پر ایک بات ماننے کی ہے، اس کی سہرا لے پر بڑی طرف دانی۔“ سیماکہ لیے سارا ہنسی شائستہ کی بیوی کے پیروں سے بنا ہے۔“ صفورا کی اس اطلاع کو اماں غصہ نہیں کر پائیں۔ کرمی کیسے کہتی تھیں کہ اس میں ”روزا“ کی تحریف آ رہی تھی۔

”ہاں۔۔۔ اماں بھی شائستہ کی شادی نے تو فکر کا گھر بدل دیا۔ ہم سمجھ رہے تھے یہ من شائستہ کی وجہ سے برسر رہا ہے۔ یہ حقیقت تو اب جا کے نکلی۔“ شائستہ کی تنخواہ انہیں جتنی بدلتی دولت اس کی بیوی کے پاس ہے۔ اس کی بیوی کے دم سے ان کے گھر کلمشی اترتی ہے۔ سیماکہ ہنسی اٹاتا ہے کہ تین ٹرک کم پڑ جائیں۔ یہ تو روزا کی دین ہے۔ اور سو شائستہ کی سانس نے الگ، ہسر نے الگ اپنی بھر بھر غصہ دیا ہے۔ باتیں گھروالوں کے تختے بھی بے حساب، شائستہ سے چھوٹے عرفان کا بھی ویزا لگوار ہے ہیں شائستہ کے سسرالی، اس کو بھی وہاں بولائیں لکھ کر رہے تھے سیماکہ اور اس کے شوہر کو بھی شادی کے بعد وہ کیا ہوتا ہے۔ ہنی مومن۔ اس کے لیے وہ ہیں لے جائیں گے۔“ اماں کی ناگواری بدتر توجہ حیرت کے سمندر میں بڑھتی گئی۔ اب یہ حالت تھی کہ کوئی چٹکی بھی کاٹ لیتا اماں کو اثر نہیں ہوتا تھا۔ وہ منہ کھولے، آنکھیں پھاڑے آسٹریلیا کی سیر کو جانچی تھیں۔

”ہم نے تو عمر بڑھادیوں کے اگلے چلنے دیکھے ہیں۔“ زہیدہ چاچی نے منہ بنایا۔ ”وہ حفظ بھائی کا، سہرا کرنا لندن والی جولایا تھا ایک سال بھی نہیں لگی۔“

”وہ لندن والی تھی، یہ آسٹریلیا والی ہے۔ اس لیے تو بدقسمتوں سال سے شائستہ کے ساتھ ہے۔“ ”تین سال۔۔۔“ اماں کے انتہاک میں کچھ غلط ہوا۔

”ہاں تین سال۔۔۔ ایک بیٹا بھی ہے۔“ یہ نئی اور اذیت بھری اطلاع تھی۔ اماں کا چہرہ دھواں مچا ہوا بن گیا۔

”یہ پرویز بھائی اور ناصرہ جب پچھلے سال ہاں گئے تھے آسٹریلیا شائستہ کے بلاوے پر تھے۔ اب سے ان کو پتا لگ گیا تھا۔ شائستہ کی شادی اور بچے کا۔ اب جاکر باقیں سمجھ لیں کہ وہاں ہر کیسے جاتے۔۔۔“ اماں کے اندر اذیتیں اٹھنے لگیں۔ شائستہ نے اماں ابا کا پچھلے سال آسٹریلیا سیر کو جانا ان کے علم میں تھا۔

”اچھا میں۔۔۔ حینا! اب تو دل پر مت لے۔“ شاپاش بہادر بنیں۔“ عزیزہ کو ترس آ گیا تھا اماں کی حالت دیکھ کر۔ ”عظم کیا کہیں نے۔“ اماں کی آواز میں آسٹریلیا کی آمیزش تھی۔ ”جب بتا دیتے بیٹے کے کرتوت تو آج حالات ایسے نہ ہوتے کیا پتا میری لاشی کی اس سے بھی اچھی بیکہ شادی ہو جاتی۔“ ”ابو۔۔۔ وہ تو اب بھی ہو جائے گی اللہ کرے گا تو دیکھنا تو کسی۔ پتا بھی نہیں چلے گا۔“ ”سیماکہ شائستہ کی لڑکیں نے میرے کی انگوٹھی اٹ لی ہے۔“ صفورا نے قدرے تیز آواز میں موصوع کلام نوٹی ہوئی جگہ سے جڑ کر سب کو بھر چڑھا۔

”ساحنے پر بچو کر دو۔“ ”میرے کی انگوٹھی!“ اماں دوسری سانس لیتا بھول گئیں۔

”ہاں، ہاں اور سنو۔۔۔“ بچہ ابھی باقی ہے۔“ ”شائستہ کی وہ دہنی فر فر پٹپٹاں بولتی ہے۔ اس کے ماں باپ کو بھی آدھی ادھوری آتی ہے۔ شائستہ کے ماں باپ بھوپہ واری صدفے جارہے ہیں۔ کہتے ہیں آسٹریلیا میں ہی اس نے ان کو بہت کچھ دیا تھا۔ پرویز اور روزا جب کام کے لیے نکلے گئے تو روزا گھر میں قافیں، ٹھکیں منگوا کر انہیں دی جاتی کہ وہ بور نہ ہوں۔ سیر کے لیے بھی خود لے جاتی۔“

”اب سیماکہ شادی کے لیے آئے ہیں؟“ کسی نے پوچھا۔ ”ہاں۔۔۔ اکلوتی بہن تو تھی۔ شائستہ نے تو آنا ہی تھا۔ ساتھ بیوی۔۔۔ اور ساس، ہسر کی بھی روزگاری کر دی۔“ باتیں نہ چا نہ آ رہی تھیں۔ حیرت انگیز حد تک اماں کے اندر کی کلفت، نا معلوم کیفیت میں بدلنے لگی تھی۔ وہ پوری طرح کم غصہ تھیں۔

☆☆☆

کم و بیش اسی قسم کے قہیدے اب تک بھی ضروری مدد کی صورت پہنچنے لگے۔

”شائستہ کی وہ دہنی نے کھ کا آداب دل کر رکھ دیا ہے۔ بڑی شکار اور دنیا فیس۔ شائستہ کا سوہرا تو اپنا ہوا تو کیا سمجھ۔ روز رات گئے تک مہویدار کی جینک میں ہمارے ساتھ بیٹھا رہتا ہے۔ اس کی رنگ برنگی بچائی خوش کر دیتی ہے۔ پورا زور لگا رہا ہے آسٹریلیا واپس جانے تک سیکھ جائے اور تو اور وہ جو سرائیکی جھکے ہوئے اپنا پیار۔ اس نے تو آسٹریلیا میں سوہرے کو دو کا پھاڑا یاد کروانے میں دن رات ایک کر دیے ہیں۔ بابر تم بہنوں اس سے سرائیکی زبان میں دو کا

پہاڑہ.....ہنس ہنس کے پیٹ میں درد کروالو..... بڑا
بیابانہ ہے سیدھا سادہ..... جتنی بار لڈو کی بازی ہمارا
ہے، اتنی بار لڑائی، چرے اور جین کھلائے ہیں اور
سن..... صدالہین کا چٹا سبز چھوٹے گرہا تین دن
ہوئے..... علاج کا خرچہ سوہرے نے دیا.....
”کیوں..... اس کا مفت کا مال ہے؟“ اپانے
انکارے چلائے تھے۔

”مفت کا ہو یا محنت کا..... اس نے تو صدور
الدین کی مدد کی.....“
”جئے اللہ تو قی دے.....“
”سوہرا کہہ رہا تھا میرے تیمور کو آسٹریلیا
بلوائے گا.....“
”میرے اشعر کو بھی کہا وہاں لے جانے کا..... ابا
یہاں ہوتی ہے ایک ایک کامند دیکھنے لگے تھے۔

☆☆☆☆
بالا خر وہ چڑ آگئی جس کا انتظار سب کو تھا مگر
صرف اندر خانے یعنی دل میں ایک دوسرے کے
سامنے بے پروائی ظاہر کی جاتی یعنی سہا کی شادی کا
کارڈ..... جو جب سب سے پہلے اقامت میں
آئے..... خوب گرجے دھاڑے..... مگر کی جتنیں تک
مل گئیں.....

”کوئی نہیں جائے گا..... کوئی جائے گا بھی
کیسے..... ارے ان بے شرموں کو کہیں کارڈ بھیجے شرم
بھی نہیں آئی..... سوچا بھی کیسے نہیں بھیجے گا اور سوچ
کیسے کتنے ہیں ہم جاؤں گے ان کی بیٹی کی شادی
میں ارے پیٹہ چیخے دار کیا ہے انہوں نے میں چھوڑوں
چکا کسب..... قیامت تک بدلہ لوں گا..... سات بیٹیں
کاچیں کی میرے نام سے.....“ پھر کارڈ کیا اماں کے
ہاتھ میں دو گرجیں بھی اور بریں بھی.....
”ارے غلاموں نے کس منہ سے یہ کاغذ کاغذ
بھینچا..... جو دل کر آتے ہوئے نگوے دیکھتے تھے؟ میری

میں کبھی افراد ڈرائنگ روم میں جمع تھے.....
144 مادیعہ پاکہ جون 2014

بچی کے قیمتی سال برباد کر دیے..... میں اپنی زہری
ہاتھ پیلے کر چکی ہوئی..... ان غلاموں کے آسرے
اسنے سال بٹھائے رکھا..... ہائے سیری کم نصیب
بچی..... ہائے میں بد بخت..... زہری اور شہزادہ
مخص گرم گرم تاثرات دکھانے پر اکتفا کیا تھا.....
”کوئی نہیں جائے گا..... دونوں کے منہ پر کمر
تھا۔

☆☆☆☆
رات بہت ہوگئی تھی..... کم از کم ان کے سونے
کے وقت سے بہت زیادہ..... اماں اور ابا کی رات
ساڑھے نو بجے ہو جاتی تھی مگر اس وقت بارہ بج چکے
تھے اور چنیدی کو کوسوں دور..... روٹی مجبور بن کر کھاتی
تھی۔

سہا کی شادی ہوئی تھی سوان کے بغیر بھی ہو کر
رہی..... اب ٹھیک تیرے دن شائے، اس کی بیوی اور
ساس سسر کی جتنی بھی آسٹریلیا..... حیرت انگیز طور
آسٹریلیا سوہرے لے اپنے وعدے پورے کر دکھا.....
تھے..... جن جن کے کاغذات یا پاسپورٹ اور ویزے
کے مسئلے نہیں تھے..... وہ سوہرے کی مدد سے آسٹریلیا
رواگی کے لیے بس تیار تھے..... ان سب کے مگر والوں
کے قدم زمین پر رک ہی نہیں رہے تھے..... گویا سوان
کی شادی سے کوئی خسارے میں نہیں رہا تھا۔

”کیا واقعی؟“ کرسی پر جمو لے کر
مانے ابانے بھیجی آنکھوں سے بیوی کو دیکھا.....
پوری آنکھیں کھولے دور کہیں خلاؤں میں گم تھیں
نصیب کے پتھر تھے..... شائے کی بیٹی شادی ان کے
لیے خسارہ ہی خسارہ لاتی تھی۔

☆☆☆☆
ڈرائنگ روم میں اسے نفوس جمع تھے کہ اچھا
ڈرائنگ روم تنگ پڑ رہا تھا..... سہان تو سہان مگر
بھی کبھی افراد ڈرائنگ روم میں جمع تھے.....
144 مادیعہ پاکہ جون 2014

صحت..... جس کی نظریں بار بار ہینک کر دوڑا پر پڑ رہی
تھیں..... سب نے جھوٹ بولا تھا روز تو واقعی ”روز“
جی بہت کا منی اور مصحوم..... زہری تو اس کے مقابلے
خانہ بدوشوں کی لڑکی نظر آ رہی تھی اور وہ کالا موٹا
انا تھا..... وہ تو غیور ہو کر آیا تھا..... اتنا اسارت اور فیک
لہاک گورا..... شائے کے ساس، سسر البتہ خوب
موٹے تازے تھے..... شائے کے اماں، ابا..... اور جن
کی دعوت کے یہاں ان سب کو خاص الخاص بلایا گیا.....
یعنی سہا اور اس کا دوہلا۔

”چاچا نہیں آئے میرا دل ڈراما بھی نہیں لگا
شادی میں.....“ یہ سہا تھی..... منہ بور کر بلکہ منہ پھاڑ کر
جینگی والی محبت جیتا جیتا لیا ابا قریبان ہو گئے.....

”بس دیجے ہو گیا ناں..... دیکھ اب تیرے
ہاچے نے کسی خوشبوؤں والی دعوت کی ہے تیرا گلہ
دور کرنے کے لیے.....“ اب یہ اللہ جانتا تھا ابا ابا مگر
والے گلہ گلہ کی دور کرنا..... انہوں نے خسارہ دور کرنا
تھا۔

”ابھی اب دوستان کوئی ایسے بھی چھوڑی
جاتی ہیں..... معمولی باتوں پر.....“ شائے کے ابا نے
لہاک لگا کر کہا۔

”او نہیں تو کیا..... قسم لے لو حیدر تمہارے بغیر
میں نے سہا کے ویسے کا زورہ بھی نہیں پکھا..... سب کہہ
ہے تھے آفت زدہ تھیں سہا کے ویسے کا ایسا نہیں کیا.....“
”میں کون سا خوش بھیجی تھی.....“ دونوں اماں
گل ل کر نہ تھیں..... ابا بھی شائے کے ابا سے پیچھے
گر لے..... شہزادے بھی شائے سے ملنے وقت خوب
گروش لکھا تھی..... یہی نہیں ابانے شائے کے بیٹے کو
ہزار کا نوٹ تو اماں نے سہا اور روزا کو ہزار ہزار
مہانے..... ابانے بطور خاص سوہرے سے جن کا نام
”امام“ تھا مگر آسٹریلیا سوہرا پیار میں مشہور
لگے تھے..... پھر ابراہیم..... میں دو کا پہاڑہ..... بناہ سوہرا

صاحب سرائیکی میں دو کہنے پر جو باکان
ہوئے..... جملہ حاضرین کے کن کر پیٹ میں گریں
پڑیں..... وہ بقیہ کچھت لڑا رہی.....
دیکھتے رنگوں والے چرے کل تک کیا تھے آج
کیا ہوئے بیٹھے تھے..... ”خمارہ“ جب کسی کو کہیں ہوا تھا
شائے کی شادی کا تو ابا جیسے بندے کو کیوں کہل ہوتا
جو دو اور دو کو بائیں کرو پے میں مشہور تھے..... ان کے
کاروباری ذہن نے اسی رات ہی پتلا بدلا تھا..... جب
محلے والے شائے کے تو سولے آسٹریلیا جاکتے تھے تو
ان کا شہزاد ا کیوں نہیں..... ان کا حق محلے والوں سے
زیادہ بنتا تھا..... شہزاد آسٹریلیا جاتا تھا..... مگر کہ سب
مستے زہری کی شادی سمیت حل ہو جاتے تھے۔

”پتر..... اس گلہ کے لیے تم خود
”روزا دھی“ بھی دوڑی دھوڑ کے پیاد دیا..... یہ تو اپنی
میں بھی سی لاسکتا ہے بس.....“ دعوت آخری مراس
توں میں جب ابانے یہ کہہ کر گویا سب سے بڑی خواہش
کو زبان دی..... یعنی بدلتے رنگ ابا کیسے کیسے.....

”چاچا فکر نہ کریں..... روزا بھی بی دوڑوڑوں
گا.....“ ابا اور اماں ہی نہیں زہری بھی ہلکی ہلکی ہوگی.....
شہزاد کو فی الحال شرنانے سے فرصت نہیں تھی.....
خریڑے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکرتا ہے..... آسٹریلیا
پھر آسٹریلیا بیوی، آسٹریلیا ساس، سسر..... بہن
کا..... آنکھوں کو چھو سکتا تھیں..... اور پھونکے بھائیوں
کا بھی غیر ملک محفوظ مستقبل پر خیال بلکہ فائدے ابا
اماں کے مگر بھی خطر ہار سکتے تھے اگر وہ زہری والا خسارہ
پرے پھینک کر حقیقت شناس تھے..... شہزاد جب آسٹریلیا
بھرنے لگا زہری کا رشتہ زیادہ بہتر لگے ہو جاتا تھا..... یعنی
مواضع مندرہ..... شائے اور اس کے سسرے شہزاد کا.....
ویزا..... گت سارا خرچہ خود برداشت کرتا تھا..... یہاں
سب خربوزے ہیں مان میں۔

144 مادیعہ پاکہ جون 2014
www.pdfbooksfree.pk

زندگی میں جہاں رشتے ناتے اور روابط بہت اہم ہوا کرتے ہیں
... وہیں ایک دوسرے کے مثبت رویے بھی کسی
خاندان کے لیے مضبوط ستون کا درجہ
رکھتے ہیں... مگر ہمیں بہت سے
لوگ، بہت سے مواقع ایسے

ضرور ملتے ہیں... جب

محبت دستک دیتی ہے

... اور اس کی خوشبو

میں روشنی کی تابناکی

بھی ہوا کرتی ہے۔ اس کے

ساتھ ساتھ... مگر وہ فربہ

... سفاسکی اور تنگ نظری کے

ساتھ... ازل سے محبت کرنے والوں

کے دشمن رویے ہیں اور زندگی بھی یہی ہے کہ کبھی

کبھی تڑپ کی لگی بھی حکم کے اکے کو کاٹ دیا کرتی ہے...

ہماری مایہ ناز مصنفہ ناسید سلطانہ اختر کے قلم سے ایک شاہکار ناول

جس کی سرسری میں زندگی سوز کرتی نظر آئے گی



حجاب خانی ٹرے میز پر رکھ کر بیٹھ گئی اسی ہی اس کے نزدیک دوسرے صوفے پر آکر بیٹھ گئیں۔ کچھ دیر ٹھہری رہی پھر نوجوان عورت نے اس سکوت کو توڑا۔

[illegible]

”میرا نام بسمہ ہے، یہ میری والدہ ہیں۔“ اپنے دوسرے جیلے پر اس نے دوسری عورت کی جانب دیکھا۔
 ”مسز رحیم شاہ.....“ مسمر عورت نے اپنا تعارف مکمل کر لیا۔

”آپ لوگ آئے کہاں سے ہیں؟“
 ”ڈیفنس سے۔“ مسز رحیم شاہ نے بتایا۔ ”الطاف میرا داماد ہے۔“

”اور میرے سپینڈ۔“ نوجوان عورت نے جتایا۔
 ای نے کن انکیوں سے حجاب کے تاثرات کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔ اس کے چہرے پر انہیں کوئی غیر معمولی تاثر دکھائی نہیں دیا۔

”مجھے پتا چل جاتا تو میں اسی دن آتی۔“ بسمہ نے کہا۔
 ”تو کیسے آ سکتی تھی بیٹا تو اس روز لیبر روم میں تھی۔“ ماں نے بسمہ کی بات پر اسے ٹوکا۔
 ”مئی! مجھے پتا چل جاتا تو چاہے لیبر روم سے اٹھ کر آتا پڑتا مجھے میں آتی اور الطاف کا حشر نشر کر دیتی۔“
 بسمہ کا لہجہ جارحانہ تھا۔

”آپ کو پتا کیوں نہیں چلا؟“ بسمہ اس کی والدہ اور خود امی نے بھی چونک کر حجاب کی جانب دیکھا۔ اس نے بولنے کی ہمت کیسے کر لی تھی۔ اسے تو صدمے سے سکتہ ہونا چاہیے تھا۔
 ”الطاف سے ہم لوگوں کی کچھ ان بن چل رہی ہے اس لیے یہ اپنے گھر میں نہیں ہوتی ہمارے پاس آئی ہوئی ہے۔“ مسز رحیم شاہ نے بتایا۔

”آپ کو پتا کیسے چلا؟“ اب کی بار بھی سوال حجاب ہی کی طرف سے آیا اور اس کے اس سوال نے بسمہ کو دوبارہ یہ پوچھنے پر مجبور کر دیا۔
 ”تم حجاب ہی ہوتا؟“
 ”آپ کو کچھ شبہ ہے؟“

”نہیں، نہیں۔“ بسمہ خفیف ہو گئی۔ ”وہ تو میں تمہارے ہاتھوں پر مہندی دیکھ کر سمجھ گئی تھی۔“
 ”آپ غالباً حیران ہیں کہ میں کیوں بات کر رہی ہوں۔“

”میں غصے میں آئی تھی لیکن آپ لوگوں کا رویہ دیکھ کر مجھے اب شرم بھی آرہی ہے۔“

”آپ بے تکلف ہو کر بات کریں۔ یہ جتنا آپ کی زندگی کا معاملہ ہے اتنا ہی میرا بھی ہے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ حقیقت کیا ہے۔ دھوکا دیا گیا ہے تو کس کو کتنا۔“ حجاب نے کہا۔

”ہمیں تو کچھ پتا ہی نہیں تھا۔ جب یہ بچہ پیدا ہوا تو ہم نے الطاف کو فون پر اطلاع دی۔ امید تھی کہ اتنی بڑی خبر سن کر وہ دوڑا آئے گا مگر اس نے پلٹ کر نہیں پوچھا۔ دو دن پہلے کسی جاننے والے نے بتایا کہ الطاف تو کسی لڑکی سے نکاح کر کے گیا ہے۔ بڑی مشکل سے آپ لوگوں کے گھر کا پتا چلایا۔“
 ”کس سے۔ کس نے بتایا؟“ ای نے پوچھا۔

”آئی ڈھونڈنے پر آؤ تو خدا بھی مل جاتا ہے۔“ بسمہ نے ای کو لا جواب کر دیا۔
 ”نکاح تو ہوا ہے نا؟“ بسمہ کی والدہ نے تو یقین چاہی۔

ای نے اثبات میں سر ہلایا۔ بسمہ کی والدہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

”ماشاء اللہ آپ کی بیٹی بھی خوش شکل ہے، میں پوچھ سکتی ہوں الطاف کو آپ لوگوں کو اندھیرے میں رکھ کر دوسری شادی کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ میاں بیوی میں ان بن تو ہو ہی جاتی ہے۔“ امی نے متحمل لہجے میں کہا۔

”دیکھیں۔“ بسمہ نے مداخلت کی۔ ”ہم اس وقت ایک اہم معاملے پر بات کر رہے ہیں اس لیے بہتر ہوگا کہ مکمل کر بات کریں۔“

”بالکل۔“ امی نے تائید کی۔

بسمہ نے بچے کو اپنی والدہ کے حوالے کیا اور سمٹ کر بیٹھتے ہوئے اپنا روئے سخن بیک وقت امی اور حجاب کی جانب کرتے ہوئے بولی۔ ”ہر شخص کا ایک ماضی ہوتا ہے لیکن کسی کے حال یا مستقبل کو آپ اس کے ماضی کی وجہ سے بر باد کریں تو یہ زیادتی ہے یا تو آپ اس سے تعلق ہی نہیں جوڑیں اور اگر جوڑ لیتے ہیں تو پھر اس تعلق کو انسانوں کی طرح نبھائیں۔ اسے جانوروں کی طرح بھنبھوڑ کر سسکنے کے لیے نہ چھوڑیں یہ بے رحمی ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا؟“ اس نے اپنے آخری فقرے پر ابی اور حجاب سے اُن کی رائے چاہی۔

”بالکل ٹھیک۔“ حجاب نے بر ملا تائید کی۔

بسمہ نے سر جھکا لیا اور آہستگی سے بولی۔ ”مجھ میں اتنی اخلاقی جرأت ہے کہ اپنے گناہ کا اعتراف کر سکوں۔۔۔۔۔“ اس نے توقف کیا پھر کہا۔ ”الطاف سے میری شادی ہونے سے پہلے میری کسی اور سے انڈیگزنگ تھی مگر نہ اس کے گھر والے راضی تھے نہ میرے گھر والے۔ الطاف سے ہماری دور کی رشتے داری ہے۔ اس نے مجھے پسند کر لیا۔ رشتے داروں میں کسی نے اسے ہتا دیا کہ میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں اس کے باوجود الطاف نے مجھ سے شادی کر لی۔ شادی کے بعد میں پچھلا سب کچھ بھول گئی۔ میں نے الطاف کو عزت دی، مکریم کی، دل میں اس کی محبت کو جگہ دی۔ اس کے ساتھ غلطی نہ رہی۔ اس کے گھر کو اپنا گھر، اس کی ہر چیز کو اپنے پاس اس کی امانت سمجھ کر اس کی حفاظت کی کوشش کی لیکن الطاف نے مجھے ہمیشہ میرے ماضی کے آئینے میں دیکھا۔ مجھے کبھی وہ اعتبار نہیں دیا جو ایک عورت کا بیوی ہونے کے ناتے ہوتا ہے۔ پریشانی کے بعد وہ مجھے دہلی سے پاکستان لائے اور یہ کہہ کر مجھے میرے والدین کے گھر چھوڑ گئے کہ یہ میرے لائق نہیں۔“ دھیمے لہجے میں بات کرتے کرتے وہ ایک لحظہ بھڑک اٹھی۔

”یہ کہاں کی انسانیت ہے بھی؟ تم نے ایک لڑکی سے شادی کی۔ اس سے جب تک تمہارا دل جا پا اپنا مطلب نکالا پھر چھوڑ گئے۔ صرف اس لیے کہ تمہیں اس کے ماضی کی ایک کنزروی کا علم تھا۔ کسی کو کیا پتا کہ تمہارا اپنا ماضی کیا رہا؟ کتنی لڑکیوں سے چکر چلایا۔۔۔۔۔! کس کس کو بر باد کیا، کوئی شغلیت پیش کر سکتے ہو اپنی پارسائی کا۔۔۔۔۔ یہ زیادتی ہے۔۔۔۔۔ اتحصال ہے، میں اسے کنڈم کرتی ہوں اور اپنے حق کے لیے لڑنے لگی ہوں۔ انجام کی مجھے اکل پروا نہیں۔ میرا موقف یہ ہے کہ الطاف کو شادی سے پہلے ہی میرے ماضی کا علم ہو گیا تھا۔ اسے یا تو مجھ سے شادی کرنی نہیں چاہیے تھی اور اگر کی تو نبھانا تھی۔ یہ کیا کہ جب تک آپ کا جی چاہا رکھا اور جب جی بھر گیا تو نکال پھینکا۔ میں اسے چین سے تو نہیں رہنے دوں گی۔“

”میں نے اسے بہت سمجھایا کہ وہ مرد ہے، چار شادیوں کا حق ہے اسے مگر یہ سنتی ہی نہیں۔“ بسمہ کی می می نے

کہا۔

لی ہوں الطاف تو مجھے ایک سانس میں تین طلاقیں دے دے گا۔“

”وہ آپ کو طلاق دے یا نہ دے مجھ سے اپنا رشتہ بہر حال توڑا ہوگا اسے۔“

ای ہڑ بڑا کر جواب کو دیکھنے لگیں۔

”نہیں، نہیں، ہمارا یہ مقصد نہیں۔ اگر الطاف ہمارے بچے کو اپنے گھر میں نہیں بساتا چاہتا تو ہم تمہارا ہسٹا گھر اٹھا لیں۔ اس نے تو کہیں نہ نہیں کر لی تھی شادی۔ بسہ کا بھی یہ مقصد نہیں، کیوں بسہ؟“ بسہ کی ماں نے بسہ کی طرف دیکھا۔

”ہاں وہ تم سے نہ کرتا کسی اور سے کرتا، دوسری شادی تو اس نے کرنی تھی۔ میں یہاں نہ آتی اگر مجھے یہ پتا نہ چلتا کہ وہ خود کو خیر شادی شدہ ظاہر کر کے دوسرا نکاح کر کے گیا ہے۔ میں چاہتی ہوں جس طرح اس نے ناشی میں کسی اور کے لیے میری پسندیدگی کے جذبات کو بسہ کے لیے ایک طعنہ بنا کر رکھا اور مجھے ہمیشہ اپنی نظروں سے گرا کر رکھا اس طرح وہ خود بھی اپنے جھوٹ کی سزا میں ہمیشہ تمہاری نظروں سے گرا رہے۔“ بسہ کے لیے جیسے میں شی جی، کرب تھا۔

”مجھ سے تو اس کا رشتہ ختم ہو کر رہے گا۔“ عجب نے فیصلہ کر لیا۔

”عجب! ای کے لیے میں محتاطی سمجھتی تھی۔“

”یہ فیصلہ ہے ای۔“ اس نے انتہائی قطعیت سے کہا۔ زندگی میں یہ پہلا موقع تھا جب ای کے بجائے وہ خود اپنی زندگی کے لیے کوئی فیصلہ کرنے کا اعلان کر رہی تھی۔

☆☆☆

”ای نہیں ہوتا..... مفاہمت کے راستے کالے جاتے ہیں..... سمجھو کرنا پڑتا ہے۔ جب کہیں جا کر زندگی زور پتی ہے۔“ ای نے دونوں خواتین کے جانے کے بعد اسے سمجھایا۔

”میں کوئی مفاہمت نہیں کروں گی ای۔“ اس نے دونوں کہا۔

”کیوں؟ کیوں نہیں کرو گی؟“ ای نے تیوری چڑھا کر دیکھا۔

”جھوٹے اور دھوکے باز آدمی کی میری زندگی میں کوئی جگہ نہیں۔“

”ہوسکتا ہے جھوٹی یہ عورتیں ہی ہوں۔“

”ہاتھ لگن کو آری کیا..... آپ براہ راست اس شخص سے یا اس کی بہنوں سے پوچھ لیں۔“

”یہ کیوں کہ تمہاری بیوی اور سراسر آئی تھیں۔“

”ان کا حوالہ دینے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ کسی ذریعے سے پتا چلا ہے۔“

”پہلے تباہ اور بھرت کو تو بتا دوں۔“

”خون پرست بتائے گا گھر بنا کر پوری بات بتائیں۔“

”خانم خانم اور ارم کو بہک نہیں لٹی چاہیے۔“

”کیوں؟“

”نہیں گے۔“

”آج نہیں تو کل پتا تو یہی کوٹے گا۔“

”جتنی آسانی سے نہیں جی۔“ بسہ نے ماں کو دیکھا اور چار چاند انداز میں بولی۔ ”میں ابھی اس کے نکاح میں ہوں اور قانون کے تحت وہ مجھ سے اجازت کے بغیر دوسری شادی نہیں کر سکتا اور نہ سزاوار جرم ماندہ بنا پڑے اسے..... اس نے جو کرنا تھا کر لیا۔ میں بھی جو کر سکتی ہوں وہ کروں گی۔“ اچانک اس نے عجب کو براہ راست مخاطب کیا۔ ”عجب! ایمانداری کا تقاضا تو یہ تھا کہ الطاف تم سے نکاح کرنے سے پہلے خود کو لوگوں کو بتاتا کہ اس کی پہلی شادی دوسری شادی ہے لیکن جس رشتے دار نے ہمیں اس کی دوسری شادی کے بارے میں بتایا اسے پتا چلا کہ وہ اور اس کی بہنیں باقی رشتے داروں سے چپ چپاتے لڑکی والوں پر یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ الطاف کی پہلی شادی ہے۔“

”جس رشتے دار کو یہ پتا ہے وہ دوسروں کو بھی تو بتا سکتا ہے۔“ ای بولیں۔

”پتا بتا چل چکا ہے سب کو..... اور میں بھی یہ تیرے کچھ ہوں کہ الطاف کو اپنا اجازت دوسری شادی کرے۔ پر اس ضرور دلوں کر کر ہوئی۔ اس کے بعد خود مجھے اس کی طرف سے جو بھی سزا ملے منظور..... بسہ کی آنکھوں میں آنسو اُٹے۔ عجب اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کے پاس جا بیٹھی۔ ای تیرانی سے اسے دیکھنے لگیں۔

”ایک بات پوچھوں؟“ عجب نے اس کے شانے پر ہاتھ دھرے ہوئے کہا۔

”پوچھو۔“ بسہ اسے ابھی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

”اس سے کتنا پیار ہے آپ کو؟“ عجب نے بسہ کی والدہ کی گود میں اس کے نوزائیدہ بیٹے کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔

”مت پوچھو.....“ بسہ نے جبکہ کر بچے کا سر چوما۔

”اس اپنی پیاری اور قیمتی چیز کو آپ نے میرے قدموں میں ڈالنے کی غلطی کیوں کی؟“

”جب کچھ مجھ میں نہ آئے تو پھر ایسی ہی حالتیں کیا کرتا ہے انسان۔“ بسہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”ماتا کہ آپ کو الطاف سے تکلیف پہنچی ہے مگر الطاف کا بیٹا ہونے کی اتنی بڑی سزا اس ننھی سی جان کے لیے کسی طور پر مناسب نہیں۔“

بسہ مزید شرمندہ دکھائی دینے لگی۔

”ایسا کیا بات بتائیں..... اگر میں اس کے باپ سے اپنے نکاح کے جرم میں اسے سنبھالنے پر آمادہ ہو جاؤں تو چھوڑ دیں آپ اسے میرے پاس؟“ عجب نے کہا۔

”اور اور نا ڈیڈی ڈیڈی اوہ شرنی کی طرح بھڑک رہی۔“ اس کا باپ بھی نہیں لے سکا اسے مجھ سے۔“ اس نے بچے کو نانی کے ہاتھوں سے لے کر اپنے سینے سے لگایا اور اپنے ہونٹ اس کے سر سے مس کرتے ہوئے عجب کو کچھ اس طرح دیکھنے لگی جیسے وہ واقعتاً اس کا بچہ اپنی تحویل میں ہی تو لینے جا رہی تھی۔ عجب دھیرے سے مسکرائی۔

”ایسی مشکوک نظروں سے مت دیکھیں مجھے.....“ اس نے توقف کیا پھر بولی۔ ”میں آپ کو یقین دلائی ہوں کہ میری طرف سے آپ کے حق پر کوئی آج نہیں آئے گی۔“

”حق! بسہ نے کرب سے کہا۔“ پہلے کو سا کوئی حق تھا میرا..... یہ جانے کے بعد کہ میں آپ لوگوں سے

”اُسی لیے تو کہہ رہی ہوں اس بات کو زیادہ اچھا لنے کے بجائے مفاہمت کرنی چاہیے۔ پہلی بیوی کو تو اس نے رکھنا نہیں، رکھنا ہوتا تو اس باپ کے ہاں کیوں چھوڑ جاتا۔ مرو کے دل میں عورت کی طرف سے ایک مرتبہ ہاں آجائے تو پھر شے میں دراڑ پڑتی ہی ہے۔“

”اور اگر عورت کے دل میں ہاں آ جائے؟“

”اسے چھوڑنا کرنا پڑتا ہے۔“

”اچھا انصاف ہے، بھئی۔“

”عورت کمزور ہے۔“

وہ خاموش ہو رہی۔ جی چاہ رہا تھا قسمت کی ستم ظریفی پر چیخیں مار مار کر روئے مگر اس نے اپنے دل اور افسوسوں پر ضبط کے پھرے بھار رکھے تھے۔ ذہن جنگل ہو رہا تھا۔ کیا یہ تھے وہ دشمن اور حاسد جن کے بارے میں خلاف نے اسے دہی جانے سے قبل ہوشیار کیا تھا۔ یا اسے اپنی سابقہ سماجی زرباریہ کے بارے میں یہ کہنے کی سزا ملی کہ وہ تو کسی قیمت پر کسی شادی شدہ مرد سے خواہ اس کی بیوی زندہ ہو یا مردہ شادی کرنے کی غلطی نہیں کرے۔ اوہ خدا یا۔۔۔ جو کبھی سب تھا حیات کا یہ سرخ نہنیا کی دل آزار اول و حسن تھا۔

☆☆☆

سرخ ہونے والے وہ کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی۔ مڈ رات کی تاریکی میں یہاں چھوڑ کیا تھا۔ گھر میں کسی نے خوش آواز نہیں کہا تھا۔ وہ خود ہی اس کمرے میں چلی گئی تھی جو اس گھر کو چھوڑ جانے سے پہلے اس کا کرا ہلا یا کرتا تھا مگر آج۔۔۔ کمرے میں اس کے بگاڑی کا اظہار کر رہا تھا۔ اس نے چہرہ اطراف نظر دوڑائی سب کچھ اسی طرح تھا جس پر وہ اپنی جگہ چھوڑ گئی تھی۔ اپنی جگہ چھوڑ جانے والوں کو واقعی پر جگہ بگڑتی ہے۔

گھر میں ہو گا عالم تھا۔ مڈ رات سے دروازے پر ہی اس کے حوالے کر کے چلا گیا تھا۔ اس نے لایا کو اہستہ سے سلام کیا تھا اور اپنے بہت سرد بچے میں اس سلام کا جواب دیا تھا۔ جس اس کے سوا کوئی بات نہیں ہوتی تھی اب اور مڈ رات میں۔ تنہا تو سلام کرنے کی ہمت بھی نہیں کر سکتی۔ گھر کے اندر آئی تو لگا کسی انجان جگہ آ گئی ہے۔ اب اسے حق میں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ وہ خود ہی اس کمرے کی طرف چلی گئی جو اس کا ہوا کرتا تھا۔

وہ کچھ دیر بعد اسے کھڑکی کی جانب سے کھڑکی کی آواز سنائی دی۔ اس نے نظر اٹھا کر کھڑکی کی طرف دیکھا تو قہر اور نفقہ پس کے چہرے دکھائی دیے۔ وہ کھڑکی سے کمرے میں جھانک رہی تھیں لیکن اسے اپنی طرف دیکھتے یا کہ وہ کھڑکی کے پاس سے یک نخت یوں غائب ہو گئیں جیسے تنہا کی نظر دوبارہ اُن پر پڑتی تو وہ پتھر کی او جانیں کی۔ اس کا جی جا پا اٹھے کھڑکی تک جائے۔ باہر جھانک کر بہنوں کو بکارے اور کہے۔ ”آؤ۔۔۔ مجھ سے۔۔۔ مجھے تباہ میرے پیچھے گھر میں کیا ہوتا رہا؟“ مگر وہ ایسا بک کر کہتی تھی۔ وقت نے اس کے پاؤں میں لالچ ڈال دی تھی۔

گھر کے سناٹے میں صرف وہی اکر گھر گھومنے کی تک تک زندگی سے تعلق قائم رہنے کا احساس دلانے کو باقی ہو گئی۔ خدا ہی! کتنا عجیب اور جان لیوا تھا یہ سناٹا۔۔۔ اسے واٹس ریڈ جانے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی مگر اس کے پاؤں جیسے پتھر کے ہو چکے تھے۔ یہ وہی گھر تھا جہاں وہ رہا کرتی تھی یا کوئی قبرستان! نہ کوئی آہٹ، نہ زحمت، نہ کسی کے آزار، نہ کوئی پکار۔۔۔ اسے وحشت کی بوریا تھی۔ اٹھ کر بھاگ جانے کو جی چاہ رہا تھا مگر کہاں جاتی۔۔۔ اسے تو نادر کے گھر کا راستہ بھی ٹھیک طرح سے یاد نہیں تھا۔ علاقہ تو گلستان جو ہر گھر کا گھر ہے۔

کمرے کے نکلنے بہت سے وقت چمڑے آتے تھے۔ کمرے کا دروازہ آہستہ سے کھلا۔ اس نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا۔ اپنے ہی گھر میں خوف

”اُسی لیے تو کہہ رہی ہوں اس بات کو زیادہ اچھا لنے کے بجائے مفاہمت کرنی چاہیے۔ پہلی بیوی کو تو اس نے رکھنا نہیں، رکھنا ہوتا تو اس باپ کے ہاں کیوں چھوڑ جاتا۔ مرو کے دل میں عورت کی طرف سے ایک مرتبہ ہاں آجائے تو پھر شے میں دراڑ پڑتی ہی ہے۔“

”اور اگر عورت کے دل میں ہاں آ جائے؟“

”اسے چھوڑنا کرنا پڑتا ہے۔“

”اچھا انصاف ہے، بھئی۔“

”عورت کمزور ہے۔“

”یہ آپ کہہ رہی ہیں۔۔۔ ساری زندگی پامردی سے گزارنے والی خاتون۔۔۔“

”میں اکیلی نہیں تھی۔ تمہارے بابا اور تم سب میری قوت بنے رہے، اکیلی عورت کمزور ہوتی ہے۔“

”آپ اور میرے بھائی بہن ہیں، مجھے قوت دینے کے لیے۔“

”عورت کو بھائی، بہنوں سے نہیں شوہر اور اپنی اولاد سے قوت ملتی ہے۔“

دوسرے کمرے میں اس کا موبائل فون بجنے کی آواز سنائی دینے پر اسی چوکی ہی نظر آنے لگیں۔ ”گلتا ہے تمہارا فون بج رہا ہے۔“

وہ ابھی اور ڈرامائی درمیں دوبارہ پلٹ آئی۔

”کس کا فون تھا؟“ اسی نے پوچھا۔

”اسی کا۔“

”الطاف کا۔“

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”کیا کہہ رہا تھا؟“

”میں نے موبائل آف کر دیا ہے۔“

”کیوں!“ اسی چوکیں۔

وہ چپ رہی۔

”کیوں آف کر دیا؟ بات تو کی ہوتی۔“

”کیا بات کرتی ای! اگر سمجھ اس کی بیوی ہے۔۔۔ جو کہ وہ ہے۔۔۔ تو میرے پاس کیا جواز رہ جاتا ہے اس سے بات کرنے کا۔“

”تم بھی اس کی بیوی ہو۔ آخر میں بھی تو تمہارے باپ کی پہلی بیوی کی موجودگی میں اُن کی دوسری بیوی بن کر ساری زندگی اُن کے ساتھ رہی۔“

”میرا باپ دھوکے باز نہیں تھا مای۔۔۔ آپ سے شادی کرنے سے پہلے انہوں نے آپ کے گھر والوں کو سب کچھ بتا رکھا تھا کہ نہیں۔“

”بعض اوقات مجبور یاں ہوتی ہیں جو بتائے نہیں دیتیں۔“

”مجبوری و جبری کچھ نہیں۔۔۔ وہ فراڑی ہے۔۔۔ آج اس نے پہلی بیوی کی موجودگی چھپائی ہے کل نہ

نیند سولی پر بھی آ جاتی ہے، وہ تو اپنے کمرے میں اپنے بستر پر کسی دیہ سے کسی مگر نیند آگئی۔ رات کے پچھلے

”کچھ دیر ہو رہا ہوتا تو ظروا کی بات سمجھی۔“ اس نے توقف کیا پھر بوجھا۔ ”ڈانٹ پڑی؟“

160 ماہنامہ ایکریڈ۔۔۔ جون 2012ء

”کیونکہ یہ میری زندگی کا معاملہ ہے۔“

”اس نے پانچ منٹ بعد تمہارا سر پھون کرنے کو کہا تھا۔ وہ خون کر رہا ہوگا۔ اپنا فون آن کر دو۔“

”سوری۔“

”تمہارا نمبر بند ملا تو وہ پھر بھی کو کرے گا۔“

”آپ کہہ دیں اس سے کہ وہ تمہارا فون نہیں سننا چاہتی۔ صاف صاف بات کیوں نہیں کر لیتیں آپ اس

۔۔۔“

”کیا صاف صاف.....؟“

”یہی کہ میں تمہاری پہلی شادی اور بچے کا تاجل گیا ہے۔“

”ارے تو کون سا کوئی غضب ہو گیا۔ دین اسلام میں تو مرد کو چار شادیوں کی اجازت ہے۔“

”مگر دھوکا دے کر نہیں۔“

”کوئی مجبوری ہوئی ہے چار سے کی۔“

”بے چارہ!“ وہ سچی سے لکھی۔

”اور کیا ہر دے چاروں کی سو مجبوری ہوتی ہیں۔“

”میری بھی مجبوری ہے۔“

”تمہاری کیا مجبوری بچہ اُتی چوٹیں۔“

”مجھے بائر نکلتا ہوتا ہے۔ لوگوں کو فیس کرنا ہوتا ہے، میرے ساتھ کام کرنے والے لوگ، اسٹوڈنٹس، ان

کے والدین سب یہ سمجھیں گے کہ میں نے نیک دولت مند آدمی سے اس کی پہلی بیوی اور بچے کے ہوتے ہوئے

بھی محض اس کی دولت کے لالچ میں شادی کر لی۔“

”تمہیں لوگوں کی فکر کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ رخصتی کے بعد تو وہ تمہیں اپنے ساتھ دے لے جائے گا۔ نئی

دنیو بنا دیگا، نئے لوگ۔“

”مجبوری یہ بھی ہے کہ میں اس کی پہلی بیوی کو زبانی دے چکی ہوں کہ میرا اس سے رشتہ ختم سمجھے۔“

”یوں کہہ دینے سے رشتہ ختم نہیں ہو جاتا۔“

”جانتی ہوں۔“

”تو پھر ایسی بات زبان سے نکالے سے فائدہ۔“

”ای، کبھی رشتے کی اہمیت دل میں اس رشتے کے احساس سے ہوتی ہے۔ جس رشتے کو دل ہی قبول نہ

کرے تو پھر اس کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے۔ بابا سے بی بی جان کا نکاح تو کروایا گیا تھا لیکن کیا وہ ساری زندگی اس

رشتے کو کوئی اہمیت دے سکے۔“

”اُن کے ساتھ تو زیادتی ہوئی تھی۔ نا سمجھی کی عمر میں انہیں ایک ایسی عورت کے ساتھ رشتے میں باندھ دیا

کیا جسے وہ اس کی طرح سمجھتے تھے۔“

”میرا خیال ہے کہ شخص پر آپ کا اعتبار جاتے رہنا عمر کے تفاوت سے بھی بڑا ہے ساتھ ہے۔“ حجاب کی

آواز یک لخت رندہ گئی۔

پھر آنکھ کھلی تو سخت پیاس کا احساس ہوا۔ اس نے موبائل آن کر کے وقت دیکھا دو بج کر پچاس منٹ ہوئے۔ سب سو رہے ہوں گے مگر میں جا کر کھڑے پانی پینا چاہتا تھا۔ اس خیال کے تحت وہ بستر سے اٹھ کر دروازے تک پہنچا۔ مگر دروازہ کھولا تو پتا چلا دروازہ باہر سے بند تھا۔ وہ سن رہی تھی۔ کیا اس حد تک ناقابل اعتبار ہو گئی تھی وہ مگر والوں کے لیے۔ اچھا تو تھوڑے عرصے میں جا کر اس نے واش روم کے سٹکے سے اپنے ہاتھ میں پانی بھر کر دو گھونٹ پانی پینا۔ تو تین ڈاٹ کا احساس پیاس بھر پائی کی طلب پر غالب آچکا تھا۔

☆☆☆

حجاب کا فون مسلسل بند ملنے پر الطاف نے امی کو فون کیا تھا۔ رمی علیک سلیک کے بعد اس نے کہا۔ ”آ“

حجاب سے بات کرتی تھی لیکن اس کا فون بند مل رہا ہے۔“

”اچھا.....! امی نے حجاب کی طرف اشارہ کیا۔ ”میں بتاتی ہوں اسے۔“

”جیک یو.....! اسے بتا دیں، میں پانچ منٹ بعد پھر کرنا ہوں اس کے نمبر پر فون۔“

”آپ نے بتا کیوں نہیں دیا اسے۔“ امی نے حجاب کو بتایا تو وہ بولی۔

”کیا..... کیا بتاتی؟“

”یہی کہ میں اس کا فون اینڈ نہیں کرنا چاہتی۔“

”وہ پوچھتا کہ کیوں؟“

”آپ اسے وجہ بتا دیتیں۔“

”بتا دیں گے سہولت سے بتا دیں گے مگر تم اس کا فون تو سن لو۔“

”کیوں سن لوں امی، جب میں اس سے رشتہ ہی نہیں رکھنا چاہتی۔“

”نہیں بیٹا، یہ رشتہ کوئی تمہارا ہے کہہ دینے سے تو ختم نہیں ہو سکتا۔“

”کیوں نہیں ہو سکتا۔ مجھے حق ہے اس کا۔“

”دیکھو شام کو تمہیں نیا باب بھی کتنا اچھا لایا۔“

”میں جی نہیں ہوں اپنا اچھا برا خوب سمجھتی ہوں۔“

”تمہارا بھائی بھی اسی حق میں ہے کہ اس معاملے کو ایسا بنائے کہ تمہارا بھائی کے بھانے خاموشی سے سمجھتا کر لے

چاہے۔ اچھا لے لوگوں کو پینے کا موم لے گا۔ جتنے منہ ہوں گے اتنی باتیں، حاسدوں کو فٹیل بھانے کا موم

لے گا۔ چلنے والے فراق اڑائیں گے اور وہ جنہیں ٹوہنی کر لیا اس اچھا اور کھانا پیتا رشتہ انہیں کہاں سے لیا وہ

پھبتیاں اڑائیں گے۔“

”لوگوں کی خاطر میں خود کو دوا پر لگا دوں۔“

”لوگوں کی خاطر کیوں تمہارے بھائی کی یہی صلاح ہے۔“

”سوری امی..... بھائی کی خاطر بھی میں خود کو دوا پر نہیں لگا سکتی۔“

”داؤ پر لگانے کی کیا بات ہے بیٹا اس سے تم سے نکاح کیا ہے۔“

”اپنی ازدواجی حیثیت کے بارے میں غلط فہمی کر کے۔“

”ادو! تم ایک ہی بات کو کیوں پکڑ کر بیٹھ گئیں۔“ امی زچ ہو گئیں۔

”تم آخر چاہتی کیا ہو؟“

”چھٹکارا۔“

”کیا مطلب؟“ اسی نے چونک کر اسے دیکھا۔

”مجھے صلح چاہیے۔“

”کیا! اسی نے ہڑ بڑا کر اسے یوں دیکھا جیسے انہیں اس کی بات سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہو۔

”جواب نے اپنی بات کو دہرائے ضروری نہ سمجھا۔ وہ جانتی تھی اسی تک اس کا پیغام بخوبی پہنچ چکا تھا۔

”بہت کافغہ تو کچھ رکھا ہے تاہم نہ؟“

”انہوں نے میرا استقلال نہیں دیکھا اب تک۔ یہ میرا فیصلہ ہے اسی کہ میں اس شخص سے اپنا رشتہ رقیبت

پر توڑ کر ہوں گی۔“ جواب نے اہل سچے میں کہا۔ اسی ہکا بکا کامند دیکھنے لگیں۔ ”اُن کا فون مسلسل سے بج رہا

تھا۔

اسی کی توقع کے مطابق الطاف ہی کا فون تھا۔ اس کی کال ریسیڈ کرنے کی ہمت نہ ہوئی انہیں، کیا کہیں اس

سے کہ جواب بات نہیں کرتا چاہتی۔ فون بجتا رہا۔ بار بار بچے کیا انہوں نے کال ریسیڈ کی۔ بہت بھائی اور

نایاب باجی سے صلاح لینا ضروری نظر آ رہا۔

☆☆☆

”جواب کو اب اسی کے ساتھ گزرا کر رہا ہے۔“ بہت بھائی نے دونوں اپنا فیصلہ سنایا۔ اس معاملے میں

اسی کے ساتھ یہ اُن کی دوسری نشست تھی۔

”میں نے بہت سمجھا یا اسے کمر۔“

”مگر وہ کچھ نہیں، اسے وہیں جانا ہوگا۔“

”ویسے الطاف یا اس کی بہنوں سے بات تو ضرور کرنی چاہیے۔“ نایاب باجی نے صلاح دی۔

”کیا بات؟“ بہت بھائی نے نایاب باجی کو دیکھا۔

”بھئی کہ میں باوجود ذریعے سے معلوم ہوا کہ الطاف کی پہلے بھی بیوی موجود ہے جس سے ایک بچہ

بھی ہے۔

”وہ کہہ دیتے ہیں ٹھیک ہے۔ تو پھر؟“

”اس صورت میں جواب کے مستقبل کے متعلق کیا ضمانت ہے؟“

”وہ کہیں گے ہماری سہمہ، بچاس تولہ زیورات نکاح کے وقت، بچاس تولہ رخصتی کے موقع پر اور ایک سرخ

اراضی یہ ضمانت نہیں تو اور کیا ہے۔“

بہت بھائی کی بات پر نایاب باجی لا جواب ہو کر اُن کا منہ دیکھنے لگیں۔

”ان باتوں کا موقع نہیں ہے اب۔“ بہت بھائی بولے۔

”پھر ہمیں انہیں جتنا تو دینا چاہیے کہ ہمیں یہ بات چاہی ہے۔ اور کچھ نہیں تو کچھ اخلاقی دیاؤں تو آئیں

گے وہ لوگ۔ جواب کو بھی اطمینان ہو جائے گا کہ کمر والوں نے کچھ پوچھ تو کی۔“

”اس نقطہ نظر سے بات کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔“

”اسی میرا خیال ہے کہ آپ الطاف کے بجائے پہلے اس کی بہنوں سے بات کر لیں ایسا نہ ہو کہ آپ الطاف

سے بات کر لیں تو وہ بدک جائے۔“ نایاب باجی نے صلاح دی۔

”ٹھیک ہے، میں کر لوں گی۔“

☆☆☆

وہی گھر تھا جہاں وہ شیرینی بنی پھرتی تھی اور گھر کے باقی لوگ اس کی بد مزاجی اور بد مزاجی سے خائف رہا

کرتے تھے۔ ذرا سی بات خلاف مزاج ہو جائے تو وہ بری طرح اشتعال میں آ جاتی تھی۔ دروازے اس بری

طرح دے دے کر ماری کی سوئے مردوں کے جاگ پڑنے کا احتمال ہوتا۔ سب اپنی اُمت کو کان دہانے

بیٹھے رہتے۔ اس کے کمرے میں تو ایسے وقت کی کے جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا مگر بے کے آس پاس سے بھی

گزرنے کی ضرورت پیش آتی تو وہ پاؤں گرا جاتا۔

اور ایک یہ وقت تھا کہ پچھلے تین دن سے وہ چوری سی کرے میں وہ کی ٹھیک سی جو بھی اس کی رچھ جاتی ہوا

کرتا تھا۔ حالات میں بند کی زیر حراست مجرم کی طرح اسے کھانا پینا اسی کرے میں پہنچا یا جا رہا تھا۔ کبھی تمہید

خاموشی سے ناشتے کی فرے کرے میں رکھ جاتی، کبھی تقدیم کھانے کی فرے پہنچا جاتی۔ کرے کا دروازہ بند رہتا۔

کھڑکیوں پر پردے تھے۔ اسے باہر دیکھنا ہوتا تو پردے کی اوٹ سے باہر جھانکنے کی کوشش کرتی۔ تین

دنوں میں اسے چاروں بہنوں کی صورتیں تو دیکھنے کو بھی تھیں۔ ایک دو بار باجی کی جھلک بھی دکھائی دی مگر اماں کی

صورت تو کچا اُن کا سایہ بھی نہ دیکھنے کو ملتا تھا۔

تین دنوں میں مڈر سے اس کی بار بار بات ہوتی تھی۔ اس کا ایک ہی سوال ہوتا۔ ”مئی کو کب بھیج رہے

ہو؟“

”آجائیں گی یا ر۔۔۔۔۔۔“ وہ بھی بڑے استقلال سے ایک ہی جواب دیتا۔

”کب؟“ وہ چٹائی کا اٹھارہ کرتی۔

”جلد۔“ وہ کہتا۔

”جلد کب؟“ وہ اضطراب سے پوچھتی۔

”آجائیں گی یا ر، جلدی کیا ہے۔“ اس نے تیسرے دن قدرے بے زاری سے کہا۔

”جلدی کیا ہے۔“ اس نے مڈر کے الفاظ تھرائی سے دُہرائے بھر کہا۔ ”مجھے ایک ایک لمحہ گزارنا مشکل

ہو رہا ہے اور تم کہہ رہے ہو جلدی کیا ہے۔“

”سمجھا کر وہ بھی اٹھتا تو آئیں گی نہیں۔ انہیں ڈیڑی کو بھیجنا پڑے گا۔“

”تو کب وہاں سے مٹائیں۔“

”یار ایسے کاموں میں تمہارا پرسوں نہیں جمانی جانی، کچھ وقت لگتا ہے۔“

”میں اس کوئی بھی مجھ سے بات نہیں کرتا۔ بس کہنے کی طرح کھانا ڈال جاتے ہیں میرے سامنے۔“ وہ

رو ہانسی ہوئی۔

”ٹھیک ہو جائے گا ر، سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”کب ٹھیک ہو جائے گا تم نے اپنی مئی کو جلدی نہ بھیجا تو میں خود آ جاؤں گی۔“

”نہ۔ ڈیالسی قطعی مت کرنا۔“
”تو پھر انہیں جلدی بھیجو۔“

”اجماہار۔“

تینم کو یونیورسٹی چھوٹ جانے کا بھی بہت دکھ تھا۔ وہ سوچتی کاش کوئی صورت ایسی ہوتی کہ وہ دوبارہ یونیورسٹی جاسکی۔ تاہم اس کے واپس گھر آنے کے بعد تقدیم نے ابا کی خوشامد کر کے تعلیم اور تقدیس کو دوبارہ کالج جانے کی اجازت دلا دی تھی۔ تعلیم کا کالج میں تیسرا سال تھا تقدیس کا سال اول میں داخلہ ہوئے چند ہفتے ہی گزر رہے تھے۔

”مگروں میں سے کسی کے ہاتھ میں موبائل نہیں دیکھنا چاہتا ہیں۔“ ابا نے تعلیم اور تقدیس کو دوبارہ کالج جانے کی اجازت دیتے ہوئے شرط عائد کی۔

”نکب ہے ابا۔“ تقدیم نے چھوٹی بہنوں کی جانب سے ابا کو یقین دہانی کرائی۔ تینم کے آنے کے بعد اماں گھر میں کسی سے بات کر تیں تو اتنی آواز میں کہ کسی مخاطب میں ہی پائے۔ شاید انہیں تینم کو اپنی آواز سنانا تک گوارا نہیں رہا تھا۔ تینم ان کی آواز سنانا اور ان کی صورت دیکھنا چاہتی تھی مگر اماں نے تو جیسے اس سے پردہ ہی کر لیا تھا۔ انہیں بس ایک بات کی فکر تھی کہ مدثر کے گھر والے جلد آئیں اور دنیا دکھاوے کو تینم کو اس گھر سے رخصت کر دیا جائے۔

اتوار کو تینم ان اماں بنا کو لے کر آ رہی تھی جو تقدیم کو دیکھنا چاہتے تھے۔ اماں دعا گو تھیں کہ لوگ اچھے ہوں اور بات بھی بن جائے۔ تہجد چھوٹی بہن کے لیے پیام آنے پر رونے لگی۔ تقدیم نے بھی جی پی۔ یوں جیسے اس نے تینم والے واقعے کے بعد گھبراہٹ ہو کر بہنوں میں سے جس کے لیے پہلے مقول رشید لیا جائے اسی کی ہوجانے میں عافیت تھی۔ جن دونوں تینم کالج میں تھی ایک محلے دار خاتون نے اس کے لیے اپنے دیور کا پیغام دیا تھا جو ڈگری ہو لڑا رنجیت شرم تھا اور ایلی تھیں بس بہت اچھی ملازمت کر رہا تھا مگر اماں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ پہلے دو بڑی بہنوں کی ہوجانے پھر اس کی کریں گے۔ تینم کی شادی وہاں ہو گئی ہوئی تو یہ نہ ہوتا جو ہوتا تھا۔ بہر حال اب مناسبت کا باب واپس چکا تھا۔ اماں اور ابا بھی سمجھ چکے تھے کہ پہلے بڑی کا رگال لپٹا دیا فشنری نہ تھی۔

☆☆☆

ای نے تو بہت حزم و احتیاط سے الطاف کی ایک بہن سے بات کی تھی۔ کراچی سے دہلی تک پہنچ چکی تھی۔ الطاف کی دونوں بہنیں اور بہنوں کا جماعت و کالت کو پہنچے۔ الطاف کے شادی شدہ اور ایک بچے کا باپ ہونے سے انہیں انکار نہ ہوا تاہم انہوں نے الطاف کے دفاع میں کہا کہ جس لڑکی سے اس کی پہلی شادی ہوئی اس کا کسی اور کے ساتھ جگر تھا۔ شادی کے بعد بھی وہ دہلی سے اس لڑکے کو فون کرتی تھی۔ الطاف نے خود اس کی فون کا ٹر پکڑ لیں۔ ایک مرتبہ وہ محض اسے آزمانے کی خاطر دہلی سے پاکستان لے کر آیا اور یہ کہہ کر اسے اس کے والدین کے ہاں چھوڑ گیا کہ چار ہفتے بعد لینے آئے گا لیکن وہ ہفتے بھر بعد ہی واپس آ گیا اور اس نے جب چپا لے اپنی بیوی کی نسل و حرکت پر نظر رکھنا شروع کر دی۔ پتا چلا کہ اس شخص کا نہ صرف اس کے میکس میں آنا جانا تھا بلکہ دونوں اکٹھے گھومنے پھرنے بھی جانتے تھے۔ الطاف کی بہنوں اور بہنوں کی مشترکہ رائے یہ تھی کہ الطاف کی پہلی بیوی بد کردار تھی۔

(بہنوں)

خاصی دیر گفتگو چلی۔ سمجھت بھائی مصلحتاً اس نشست میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ اسی کا خیال تھا کہ بہنوں بھائی کی عدم موجودگی الطاف کے گھر والوں کو اخلاقی باؤس رکھے گی ورنہ تو یہ سوچ کر مطمئن ہو جائیں گے کہ اب بھی کو چلا چلا گیا تو اب کس بات کا ڈر۔

”ابھی تو میرے بیٹے کو یہ بات پتا نہیں ہے۔ میں نے سوچا آپ لوگوں سے کس قدر کمزور کروں پھر بتاؤں گی اسے۔“ ای نے کہا۔

”ضرور بتائیں۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ الطاف کی پہلی بیوی بھی ہے اور اس عورت سے ایک بیٹا بھی ہے۔“ الطاف کی بہن نے کہا

”آپ لوگ یہ بات پہلے بتا دیجئے تو اچھا تھا۔“ نایاب باجی جنہیں ای نے اپنی دوسرا ہٹ کے لیے بلالیا تھا بولیں۔

”دیکھیں واکٹر صلیب ہماری نیت میں کوئی تو نہیں۔ برائی پر پردہ پڑا رہنے دیا ہی بہتر ہوتا ہے۔ ہم کیا تانتا ہے آپ کو کہ الطاف کی پہلی شادی ایک بد کردار لڑکی سے ہوئی تھی۔“ الطاف کے بڑے بہنوں نے کہا۔

”دوسری لڑکی کی زندگی اور اس کے مستقبل کا معاملہ تو جھج جھج تھا بتا دینا بہتر تھا۔ اس طرح اصحا کو کھیں نہیں پہنچتی۔“ نایاب باجی نے کہا۔

”فکر نہ کریں جی اعتماد کو اب بھی نہیں پہنچے گی۔“ جواب ملا۔

”انشاء اللہ حجاب بھائی ہمارے بھائی کے ساتھ بہت خوش رہیں گی۔“ الطاف کی بہن نے کہا۔

ای اور نایاب باجی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ حجاب نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ وہ کسی قیمت پر الطاف سے اپنا رشتہ قائم نہیں رکھے گی۔

”آپ لوگ تو جی نہیں یہ بتائیں کہ مرضی کی تاریخ لینے کے لیے ہم کب آئیں؟“ الطاف کے بہنوں نے کہا۔

”سمجھت بھائی ہوتے تو ہم کہتے آج ہی تاریخ طے کر لیں تاکہ آپ لوگوں کو دوبارہ تکلیف نہیں دینی پڑے۔“ الطاف کی بہن بولی۔

ای اور نایاب باجی نے پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

”ہم لوگ ذرا گھر میں ڈکس کر لیں پھر بتا دیں گے آپ کو۔“ نایاب باجی نے کہا۔

الطاف کا بڑا بہنوں گرگ باراں دیدہ تھا۔ ای اور نایاب باجی کے بار بار ایک دوسرے کو دیکھنے اور سر دھو قحاط لہجے سے وہ تاریخ کیا تھا کہ اب معاملہ پہلے جیسے نہیں رہے تھے۔ دروازہ پر چکی تھی۔ الطاف کو فوری طور پر مطلع کرنا لازم تھا۔

☆☆☆

اکیڑی میں پاسنگ آؤٹ کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ ویک اینڈ پر نمونے کو بھی آؤٹ پاس ملنے کی امید نہ رہی۔

”پاپا شرم! عازرہ باجی نے بلا رکھا ہے کیسے جاؤ گے۔“ عقل نے اسے چھیڑا۔

”نہیں جاؤں گا۔“ وہ اطمینان سے بولا۔

”ناراض تو نہیں ہو جائیں گی وہ۔“

”تم سے اور کس سے۔“

”کبھی کبھی مجھے اس بات سے ڈر لگتے لگتے ہوں کہ اگر تمہارے گھر والوں نے ہماری محبت کو ایکسپنٹ نہ کیا تو؟“

”پانچ بہنوں کا اکلوتا بھائی ہوں۔ گھر میں کسی میری کوئی بات، کوئی خواہش رو نہیں کی گئی۔“

”میں نے سنا ہے پاس آؤت ہونے والا ہراسر پانگ آؤت میں لیڈر مہمان ہی بلا سکتا ہے۔“ عازنہ نے اچانک ہی موضوع بدل دیا۔

”ہاں۔۔۔۔۔“

”پھر تو تم صرف اپنے گھر والوں کو ہی بلاؤ گے۔“

”وہ بھی آئیں گے اور تم سب لوگ بھی۔“

”تم نے لوگوں کی اجازت ہوگی؟“

”دھکر نہ کرو۔“

”اچھا سناؤ۔۔۔۔۔ میں تمہاری پانگ آؤت میں کیا پہنوں؟“

”یہ تمہاری اپنی چوائس پر ہے، ویسے جو بھی پہنوں اچھا لگے گا۔“

”وہ تو مجھے معلوم ہے۔“ انتہائی معمولی سبک سی اس لڑکی کو یہ اعتقاد اس کے ماں باپ اور اس کی تعلیم نے دیا تھا۔

”انگل کونون کر کے کہوں کل لے آئیں تم سب لوگوں کو یہاں۔“

”تمہاری مرضی۔۔۔۔۔ نہیں تو اشارہ کرنے کی دیر ہوگی بس۔۔۔۔۔ عقل کیسا ہے؟“

”ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ خرے میں ہے۔“

”وہ ہمیشہ خرے میں ہی ہوتا ہے۔ ابری لوگلی۔“

اتوار کی دوپہر صبر احمد اپنی بیگم اور بیٹیوں بچوں کے ہمراہ کاکول آئے تو عقل اور منوں نے دو دو حائی کھنے ان کے ساتھ کرے۔ ان دونوں کے لیے وہ گھر کا لذیذ کھانا پائس میں رکھ کر لائے تھے۔ چکن بریانی، تلی پھل، کچے جیسے کے کباب اور مرغی، دونوں کے لیے دو علیحدہ علیحدہ ٹیا پنگ بیکز میں چلتے پھرتے ٹونکے جانے والی بہت سی چیزیں بھی تھیں۔

”اس تکلف کی کیا ضرورت تھی انکل۔“ منوں نے کہا۔

”جتنی تیار۔۔۔۔۔ عقل نے اسے ٹھیکہ کر دیتے ہوئے کہا۔

”بہت نڈیے ہو۔“ عازنہ نے اپنی آنکھیں پٹ پٹاتے ہوئے عقل کو دیکھا۔

”اچھا میں تو تمہارا نڈیہ۔۔۔۔۔ اس کے بارے میں کیا تو فی صاف فرماتی ہیں آپ۔“ عقل نے شرارت سے منوں کو دیکھا۔

”شریف آدمی۔“ عازنہ نے کہا۔

”ارے واہ! عقل اچھا۔“ تو کیا! میں شرافت کا طبقہ لیٹا پڑے گا کہیں سے۔“

”ہو سکے تو کہیں سے تھوڑی سی عقل ادھار لینے کی کوشش کرو۔“

”خمر کرو، کرن سسڑ تمہاری۔۔۔۔۔ بہنوں کے لیے کوئی یوں بات کرتا ہے۔“

”اویارا! وقت بدل گیا ہے۔ اب تو بھائیوں کو بہنوں کے لیے خود راستے بنانے پڑتے ہیں۔“

منوں نے اسے گھورا۔

”سچ کہہ رہا ہوں۔۔۔۔۔ ویسے مجھے بہت خوشی ہوگی اگر عازنہ باجی سے تیرا کچھ سلسلہ بن جائے۔“ وہ منوں کو بولا۔

منوں نے اسے آنکھیں دکھانے کی کوشش کی۔

”او علی۔۔۔۔۔ وہ پہلے سے زیادہ کھل کر ہنسا۔

”بائی دی دے مجھے کیوں خوشی ہوگی؟“

”اس لیے میری جان۔“ عقل نے اس کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔ ”فحش میں کوئی اچھا بندہ

شامل ہوتا ہے کسی خوش نہیں ہوتی۔“

”زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں۔“

”میری مرضی۔۔۔۔۔ نہیں کرنا چاہتا یقین تو نہ کرو۔ صبر ماموں نے اگر کبھی پوچھا مجھ سے تو کہہ دوں گا وہ

انتہا سڑ نہیں۔“

”یکواس نہ کرو۔“

”عازنہ جی نہیں آسکوں گا۔“ منوں کو عازنہ سے معذرت کرتا پڑی۔

”دیکھو۔“

”دیکھ ایڈر ہند۔“

”پنشنمٹ؟“

”نہیں نہیں۔۔۔۔۔ پانگ آؤت کی تیاریاں۔“

”آئی سی۔“

”تم لوگ آجاؤ۔“

”پاپاؤ ٹوٹو۔۔۔۔۔ لاگ ڈرائیو کو بہت انجوائے کرتے ہیں وہ لیکن تم تو مصروف ہو گے ہمارے آنے کا

فائدہ۔“

”کچھ کر لیں گے یار۔“

”بائی دی دے کیا؟“

”یہ تو وقت بتائے گا، تم نے ناٹھیں محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔“

”پوچھ سکتی ہوں یہ محبت ہے یا جنگ؟“

”محبت جنگ ہی تو ہوتی ہے۔ کسی کو اپنی جان سے بڑھ کر چاہتا۔“

”اوہو ہولٹین صاحب آپ تو شاعرانہ باتیں کرنے لگے۔“

”محبت ہندے کو شاعر ہی بنا دیتی ہے۔“

”محبت! کس سے آفیسر؟“

میں تو بات نہ کر سکی لیکن گھر پہنچنے کے بعد جب عبادی موٹر سائیکل پارکنگ لاٹ میں مگڑی کر کے اٹھا
لاٹ میں پہنچا تو اسی نے جو انتہائی سرور میں کہا۔
”مجھے تو لڑکی بہت پسند آئی۔ بالکل تمہارے جیڑی ہے۔“

عباد خاموش رہا۔
”بولتی ہے تو لگتا ہے منہ سے بول جھڑپے ہیں، جہیں کیسی گی؟“
”میں نے..... تو بس یونی..... سرسری نظر دیکھا تھا۔“ عباد نے کہا۔ اسی مسکرا دیں۔

”کبھی بارسری نظر ہی دیکھا جاتا ہے۔“ انہوں نے توقف کیا پھر بولیں۔ ”لوگ..... بھی ہماری ہی طرح
کے ہیں۔ سیدھے اور سفید پوش..... اپنے ہی جیسے گھر میں کیا کر آئے تو اسے دوسرے گھر کے مسائل کا بھی
احساس ہوتا ہے عزت سے گزارہ کر جاتی ہے..... مجھے ہرے کرے آئے کی توجہ ہو چکا ہے ساتھ ہی مل کر بیٹھے گی،
اں کبھی کیجئے، ارے میرے کون سے دو چار چل کانی کی ایک ہی آنکھ۔ پھوٹنے کی تو اس کانی کو دوسری آنکھ
بھی مل جائے گی۔ سر آنکھوں پر بھڑکیں اسی۔ سال بھر پاؤں بستر سے نہیں اتارنے دوں گی۔ بٹھا کر
کھلاؤں گی اسے۔ ارے اب بھی تو میں ایلی گھر کے سارے دھندے نہاتی ہی ہوں۔ اس کے آنے پر بھی کرنی
رہوں گی تو کیا کچھ پاؤں کس جائیں گے۔ اللہ جانے وہ کسی سائیں ہوئی ہوں گی جو پھوٹے خدمت
لینے کی جا رہی تھیں۔ میں تو اپنی ہوئی خود خدمت کروں گی۔“ اسی جوش جذبات میں بولتی چلی گئیں۔ انہوں نے
عباد کے چہرے کے تاثرات دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔

”بس! جس دن تم کو گناہ لوگوں کو بلا لیتے ہیں تاکہ وہ بھی آکر ہمارا گھر بار دیکھ لیں۔ چلتے وقت زینوں
نے آہستہ سے نیچے ہٹا دیا کہ لڑکا پسند آیا ہے ان لوگوں کو۔ زینوں تو چارہ ہی تھی ایک دو روز میں ان لوگوں کو
بلا جایا کر میں نے آہستہ سے اس کے عباد سے مشورہ کر کے بلا لیں گی۔“

”اچھا کیا۔“ عباد بولا۔
”ہاں! دنیا، جب کسی کو بلاؤ تو گھر کا تھوڑا بہت تو ہاتھ منہ پونچھنا ہی پڑتا ہے۔ یہی تو کہہ دوں گی
میرے گھر میں ایک میں اور ایک میرا بیٹا ہے، آپ کے گھر کی طرح لیتے منہ بیٹیاں تو ہیں نہیں جو ابھر پھر اُٹھ
تصویریں سچا کر سکیں۔ آنے والی اپنی سرسری سے آکر سجانے گی۔“

”ابھی تو آپ کہہ رہی تھیں بستر سے سال بھر پاؤں نہیں اتارنے دیں گی اسے۔“ عباد نے گویا ی کی غلطی
کڑی۔ اسی خفت سے مسکرا دیں۔

”ارے بیٹا! آخر تو گھر اسی کو سجانا مسنوارنا ہوگا، اپنی مرضی سے سجانے..... کیوں؟“ اسی نے عباد سے اپنی
بات کی تائید حاصل کرنی چاہی۔

وہ چپ رہا۔
”بتاؤ کب بلا لیں ان لوگوں کو؟“
”مجھے بھی نہیں۔“
”کیا مطلب؟“ اسی کی ساری خوشی جیسے کافور ہو گئی اور جوش کو بجھانے لگا۔
”گھر دیکھا آپ نے ان کا؟“

”عائزہ! میری جان بس کرو۔“ مسز منصور اچھ بولیں۔ ”تنی خوب صورت جگہ اور ایسا دلربا موسم غنچا
لڑانے کے لیے نہیں ہوتے۔ ذرا دیکھو تو کسی خوب صورت ڈھلان ہے۔ سرتا سرتے سے دھکی۔ ایسی جگہوں
کو دیکھ کر تو جی چاہتا ہے بیٹھے رہیں۔“

”ہاں، ہاں، پورا مہر عینا ہے رک کیوں گئیں۔“ مسز منصور مسکرا کر بولے۔
”نیشی رہیں مای تصور ماموں کیے ہوئے۔“ عقیل نے خوشی دکھائی۔
”واہ واہ، واہ واہ۔“ منصور نے چھڑک کر داد دی۔

”عائزہ!“ مسز منصور اچھ نے عائزہ کو متنی خیر نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم گراؤنڈ کا پکڑ لگا آؤ جیٹا
تمہیں تو ایسی جگہیں بہت پسند ہیں نا۔“

”میرے ساتھ کون چلا ہے؟“ عائزہ نے کہا۔
”کم از کم ہم تینوں کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔“ عقیل نے منصور اور بطور کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے
بے اشتناکی کا مظاہرہ کیا۔ منصور اور بطور نے تائید نہیں بلائیں۔

”میرے کھینے میں بھی صبح سے ہلکا ہلکا درد ہے، سو رہی بیٹا۔“ مسز منصور نے عائزہ کی جانب دیکھتے ہوئے
محذرت کی پھر اچانک بولے۔ ”موس! جیسے آپ نہیں چلے جاتے عائزہ کے ساتھ؟“
”شیور.....“ موس بولا۔

زندہ داد! کیا سمجھدار اور بچوں کے لیے راستے ہموار کرنے والے والدین تھے۔ موس کو دیکھتے ہوئے عقیل
آنکھوں ہی آنکھوں میں مسکرایا۔ موس جینے گیا۔

صبح و عیش کر اؤ ڈپر کچھ دیر وہ دونوں خاموشی سے چلتے رہے پھر عائزہ نے کہا۔ ”نا ہے آرمی آفیسرز
شادی کے بعد ملنے والی بہنوں کے چکر میں عمو پاچوں میں چھپیں سال کی عمر میں شادی کر لیتے ہیں۔“

”اس سے پہلے بھی کر لیتے پر کوئی پابندی تو نہیں۔“ موس بولا۔
”وہ ٹھک گی اور اسے دیکھنے گی۔“

”ایسے دیکھ رہی ہو؟“ وہ مسکرایا۔
”اگر تمہارے گھر والے نہ مانے تو؟“

”وہ میرا مسئلہ ہے تمہارا نہیں۔“
”آئی لو یوس۔“ عائزہ نے کہا۔

”آئی لو یو۔“

دونوں پھر ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ موس کی نگاہیں آسمان پر دھیرے دھیرے تیرتے بادلوں پر تھیں اور عائزہ
کا دل زندگی بھر اس کے ساتھ یو بھی چلتے رہنے کی خواہش میں لگا ہوا تھا۔ مسز منصور اور ان کی تنگم دور لان چیز زبرد
بیٹھے انہی کو دیکھ رہے تھے۔ عقیل، منصور اور بطور کو اپنے ساتھیوں سے ملوانے لگ گیا تھا۔

☆☆☆

اسی بہت خوش تھیں، زینوں نے انہیں عباد کے لیے ایسی لڑکی دکھائی تھی جو توجہ و قامت، صورت، شکل، تعلیم ہر
لحاظ سے عباد کا بہترین جوڑی تھی۔ عباد کے ساتھ اس کی موٹر سائیکل پر بیٹھی ہونے کے باعث وہ اس سے راستے

”ہاں، ہاں..... ذاتی ہے اُن کا۔“
 ”چھوٹا سا..... پراتا۔“ عباد کے لہجے میں حقیر تھی۔
 ”ہاں، برسوں سے اسی گھر میں رہ رہے ہیں۔“
 ”صوفے اور سیئر ٹیبل جیسے کی کباڑے سے لیے ہوں۔“
 ”ارے بیٹا کیا برائی بھی صوفے اور ٹیبل میں۔ صوفہ سیٹ پر صاف سترے کوڑھے ہوئے تھے ماں بے چاری تو برسوں سے معذور ہے۔ گھر میں لڑکیوں کا بلیقہ ہی بول رہا تھا۔ سیئر ٹیبل پر گلدان میں جو ٹھیل کے پھول سجے تھے تم نے سنا نہیں تھا زیتون بتا رہی تھی لڑکی کے ہاتھ کی کوئی بات تھی۔ جگر بھر کر رہا تھا سارا گھر۔ میں تو ہاتھ دھونے کے بہانے ہاتھ روم بھی دیکھ آئی۔ یعنی جس کمر کا ہاتھ روم صاف ہو کچھ لوسا گھر کے رہنے والوں کو بلیقہ ہے۔“
 ”ای۔ ای۔ ای۔ ای۔“ عباد نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ ”بس کریں اب اس قصیدے کو۔ مجھے نلوگ پسند آتے ہیں نہ ہی ان کا گھر۔“
 ”کیوں، کیا ہوا؟“ الفاظ سلیقے سے مگر بھیرتے رہے۔
 ”بچپن تو میں نے عرومیوں میں گزرا ہی دیا، کیا اب شادی بھی ایسے گھر میں کر کے بیٹھ جاؤں جہاں بس گزراے والے حالات نظر آتے ہیں۔“ عباد نے کہا۔
 ”ہاں تو بیٹا جیسے چیمے لوگوں کو گزرا رہی تو کتنا ہوتا ہے۔“ ای نے بڑے اطمینان سے کہا۔
 ”میں ای۔“ عباد نے دو دو گ انداز میں کہا۔ ”میں کسی ایسے گھر میں شادی کروں گا جسے دیکھ کر آپ کے اور ابو کے رشتے دار یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ عباد اتنا کم وقت ہرگز نہیں تھا جتنا کہ ابو کی موت کے بعد ان سب نے ہمیں گردا گردنے کی کوشش کی تھی۔ مجھے جو کچھ نہیں ملا وہ میں نے کر ہوں گا۔“
 ای جنہوں نے بیوی کے بعد حاکم کو ادھائی مشکل حالات میں پڑھا لکھا کر فیشنر بنایا تھا اسے بڑی حسرت سے دیکھنے لگیں۔
 ”ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟“ عباد مسکرایا۔
 ”سوچ رہی ہوں کہاں غلطی ہوئی مجھے۔“
 ”کیا مطلب.....؟“ عباد چونک کر بولا۔
 ”بیٹے! میں نے تو تمہیں اللہ کی رحمت سے اپنے زور بازو پر پالا پوسا، بڑھاپا لکھایا۔ کبھی کسی اور کی طرف دیکھنے کی ترغیب نہیں دی، تمہارا سہ دل میں یہ لالچ کا سودا کہاں سے لگایا۔“ ای نے بل بل کر کو تو قہ کیا پھر بولیں۔ ”اما شاء اللہ انکسیر ہو۔ جو تمہیں اب تک نہیں ملا اور جس کی تمہیں طلب ہے اپنے زور بازو سے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ کتم آئے والی لڑکی سے یہ موقع کاؤ کداسا اسے قلیل تمہیں سب کچھ ملے گا۔“
 عباد ایک لمحے کو درمند ہو گیا کہ دوسرے ہی لمحے بڑی بے جا بنی۔ ”ارے ای بیٹا اب بازار لگا ہے۔ لڑکے بھی کھتے ہیں۔ جو بچتا پڑھا لکھا اور جس کی اچھی ملازمت پر ہے اس کی اتنی ہی قیمت ملے گی۔ آخر آپ نے بھی تو اتنی محنت کی میرے لیے۔ میری تعلیم پر پیسہ خرچ کیا۔ وہ دیکھیے نیچے سوک پر..... کیسی چمکتی دیکھی گاڑیاں گزر رہی ہیں۔ آخر ان کا نشیون میں بیٹیوں والے بھی ہوں گے اور انہیں اپنی بیٹیوں کی شادیاں بھی کرنی ہوں

پہلے اس گھر کی تاریخ میں ایسی جان لیوا آگ لگائی گئی تھی۔
 ”بس جیسے ہی مجھے اُدھر سے اشارہ ملے گا میں پک کر تہارے پاس پہنچوں گی۔“ زینون نے اماں کے پاس سے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔
 ”یہ تمہارا کسٹے کا رابہ، باقی اپنے حق کی فکر نہ کرنا تم۔“ اماں نے سوسو کے دونوں اس کی منگی میں دبا تے ہوئے کہا۔

”ہاں، ہاں اس کی مجھے کوئی گھبراہٹ تو ہوئی ہے۔ مجھے تو اس بات کی تسلی ہے کہ تم بھی اٹھتے وہ بھی بھلے، لڑکے کی ماں تو فرشتہ ہے۔۔۔۔۔ اچھا اب چلوں ایک دو گھر میں اور چھائی مانی ہے مجھے۔“
 زینون کے جاتے ہی اماں نے تقدیم کو پکارا۔ وہ آئی تو اماں مگر مندی سے بولیں۔ ”اے بیٹا! اس منوں مارے کو فون کر کے پوچھو تو۔ کب لے جائے گا وہ اسے۔ آخر تک بیٹھی رہے گی ہمارے سینوں کا بوہ بنی یہاں۔“
 تقدیم کو نشیم کی بد قسمتی اور اماں کی مجبوری پر ملال ہوا۔ کون ماں اپنی اولاد کو سینے کا بوہ بن گئی تھی۔
 مگر کانگھرا ہوئی ہے۔ نشیم کیسے بد نصیب تھی کہ اپنی غلطی کی وجہ سے ماں کے سینے کا بوہ بن گئی تھی۔
 اماں کی ایما پر تقدیم نے مدھن کو فون کیا تو غلاب توغی اس نے بلاتا خیر کال رہا۔ بیکری کی۔ تقدیم نے مدعا بیان کیا۔
 ”تھوڑا سا ٹائم دیں پلیز۔“ وہ بولا۔
 ”مہرازا کتنا؟“
 ”بہت تیز سوال ہے۔“

”اصل میں۔۔۔۔۔ مگر میں بھی کچھ پر ابھرتی ہوں۔ تم کمر والوں سے ہانک کر مٹی ہے۔ وہ غلطی اسی کی ہے مگر اس کی غلطی کی یاداش میں منشن میں ہم ہی ہیں۔ یہ مسئلہ جلدی حل ہو جائے ہم سب کے حق میں بہتر ہے۔“
 ”میں سمجھتا ہوں۔۔۔۔۔ میں سمجھتا ہوں۔“ اس نے کہا۔

☆☆☆

الطاف کو اس کی بہنوں نے جنہی خردی وہ بلا تاخیر پاکستان پہنچا اور آتے ہی ای کے پاس حاضری دی۔
 بیوی اور بچے کی موجودگی سے منکر نہ ہوا۔ تاہم بیوی کی کردار میں کوئی کسر نہ اٹھارھی۔ اس نے تو یہاں تک کہا کہ کین شادی والے دن اس نے اپنے محبوب کے ساتھ فرار کر پور کرام بنا رکھا تھا مگر وقت پر چوڑی لگی تھی۔ الطاف کے بقول اس بات کی خبر اسے اور اس کے گھر والوں کو بھی ہوئی تھی مگر چونکہ لڑکی والوں سے رشتے داری میں اہلذا ان کی عزت رکھنے کو شادی تو کر لی مگر دل نہ ملا۔ دوسری شادی اس نے گھریلو سکون کی خاطر کی تھی اور اپنی پہلی شادی کا قصہ اس لیے چھپا لیا تھا کہ کہیں وہ اسے رشتہ دینے سے انکار نہ کریں۔ وہ حجاب سے مل کر اس پر اپنی پوزیشن کلیئر کرنا چاہتا تھا مگر حجاب نے اس سے ملنے سے انکار کر دیا۔
 ”وہ واقعی دوسرے آیا ہے۔ اپنی غلطی پر شرمندہ ہے۔ معافی مانگ رہا ہے اور کیا چاہتی ہے وہ۔“ بہت بھائی کو بتا چلا تو وہ سخت خفا ہوئے۔
 ”تا تو جی ہوں تمہیں۔“ ای نے کہا۔

”جوہ چاہتی ہے قیامت تک نہیں ہوگا۔ یہاں سے پشاور تک نہیں اڑوانی سے کیا ہے“
 ای نے سمجھایا۔ نایاب باجی نے خوشامد کی کہ وہ ایک ایک الطاف سے مل لے سکن وہ جس سے س نہ ہوئی۔

”آپ فکر نہ کریں۔ زینون کو میں سنبھال لوں گا۔ اس سے کہہ دیں ہمیں لوگ پند نہیں۔“
 ای چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔ وہ سنبھلا۔
 ”اس سے آگے میں خود بات کروں گا زینون سے۔“ اس نے کہا۔
 ”کیا بات کرو گے؟“
 ”وہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔“
 ”کچھ بتا تو چلے۔“
 ”آپ پریشان نہ ہوں آپ کے سامنے ہی ہو گا سب کچھ۔“
 ای پھر اس کا منہ دیکھنے لگیں۔ یہ کل کا بچہ کتنا طرار ہو گیا تھا۔ جو معلومات بڑے سے ملے کرتے ہیں، وہ خود کرنے کی بات کر رہا تھا۔ لاا ماں!

☆☆☆

اماں کے دل میں ان دنوں دھوپ چھاؤں کی آجھ بھجھ چلی رہی تھی۔ اگلوں بیٹا افسر بنے جا رہا تھا۔ ابائے کے حوالے سے یوں تو برسوں سے خوش خیالیاں کرتے رہتے تھے لیکن اس کے کاکول جانے کے بعد تو وہ انہیں ملکی آنکھوں نہ جانے کیسے کیسے خوش رنگ خواب دکھایا کرتے تھے۔ اماں سے ان کا وعدہ تھا کہ مونس کی پانکٹ آؤٹ میں انہیں اگر کتنوں پر سوار کر کے کھی کا کول لے جائے گا پورا تو لے جائیں گے لیکن جب وقت آیا تو نشیم ایک کل ملکا کر چھوڑ کر گئی ہوئی تھی۔ اور جس بد بخت کی خاطر اس نے کل ملکا یا تھا وہ رات کی تاریکی میں اسے گھر کے دروازے پر چھوڑ کر جانے کے بعد دوبارہ پلٹ کر نہ آیا تھا۔ اماں جس بد بختی سے اس کی منتظر تھیں وہی جانتی تھیں۔ اس انتظار نے مونس کے افسر بننے کی خوشی کو بھی کھتا رکھا تھا۔ نشیم والے والے وقت سے تو تقدیم کے لیے ایک اچھا رشتہ آنے کی خوشی کو بھی ماند کر گیا تھا۔ کاش! نشیم نے غلط قدم اٹھانے کے نہ کتنی پریمی نظر رکھی ہوئی۔
 اس روز لڑکے اور اس کی والدہ کے جانے کے بعد زینون کافی دیر اماں کے پاس بیٹھی رہی تھی۔ بہت خوش تھی وہ۔

”ایمان ہے تقدیم کی ماں ایسا رشتہ لائی ہوں میں کہ ساری عمر تم دعا میں دو گی مجھے۔“
 ”خدا تمہیں خوش رکھے زینون۔ ہم ہمیشہ والوں کی فکر بنا کر تم ڈھیروں دعا میں لیتی ہو۔ دیکھو اب اُدھر سے کیا جواب آتا ہے۔“

”فکر نہ کرو چھائی آگے گا۔ زینون نے اماں کا زانو دھیرے سے دبا تے ہوئے کہا۔ ”لڑکے کی ماں چلے وقت چپکے سے میرے کان میں کہہ گئی ہیں لڑکی بہت پند آتی ہے انہیں۔“
 ”خدا میری تقدیم کا نصیب اچھا کرے۔“ اماں اچھائی عاجزی سے بولیں۔ ”یوں تو تمہیں بھی کچھ کہ نہیں۔ بڑی خدمت کی ہے اس نے میری۔ اپنے باپ اور بھائی بہنوں کی مگر تقدیم تو جیسے بیڑوں کی طرح اپنے ابا کا بازو بن گئی ہے۔ جہاں کوئی ضرورت، کوئی آڑ یا خیر حادثہ، آپ سے میری بچی، ہم سب کی ڈھارس بن کر کھڑی ہو جاتی ہے۔“ اماں کا بچی اس دن کے خیال سے بھر آیا جب نشیم کے جانے کے بعد اگلے روز تقدیم اس کی تلاش میں گھر سے نکلی تھی اور اسے اپنے ساتھ لے جانے والے بد بخت کو دھڑ کر دھڑکھڑکھ دھڑکھڑکھ لونی تھی۔ وہ پہلا موقع نہیں تھا اس سے پہلے بھی وہ نہ جانے کب اور کہاں کہاں گھر والوں کے کام آئی تھی۔ ان کی ڈھارس بنی تھی مگر اس سے

”بالکل سے اسی اور اس کی قدر بھی ہے دل میں۔ چان بھی دے سکتے ہوں آپ کی خاطر تو۔“
”مجھے جان نہیں چاہیے۔ اپنے گھر کو خیر ہوئے سے بچانا چاہتی ہوں۔ وادادہ سے، بہو سے، خاندان والے جو اتنا چھار شیدائیل جانے پر رنج سے مرے جا رہے تھے تاکیاں بجا گئیں۔۔۔ بھجوت کہتا ہے وہ اس گھر سے تعلق ختم کر لے گا۔“

”آپ کو سب کی پرواہ ہے میرے۔۔۔۔۔ کیسی عجیب بات ہے کہ ایک شخص نے خود کو غیر شادی شدہ ظاہر کر کے آپ کی بیٹی سے شادی کی اور آپ اپنی اس بیٹی کو احتجاج کرنے کا حق دینے کے بجائے توقع کرتی ہیں کہ وہ آنکھیں بند کر کے اس شخص کے ساتھ زندگی گزارنے چل دے۔“

”تمہارے اپنے دو حیل میں ایک ایک مرد نے تین تین چار چار عورتیں نہیں باندھ رکھی ہیں کیا اپنے گھر کے کھوئے۔۔۔۔۔ سب سر جھکا کر اپنا دقت زرا تری ہیں کہ نہیں۔“

”تو پھر میں بھی وہی مرد اور بے زبان عورتیں بنائیں تا آپ، کیوں تعلیم دلوائی۔۔۔ کیوں شہر خود یا؟ کیوں یہ بتایا کہ ہماری اپنی بھی کوئی شاخت ہے، اگر آپ بابا کو باپنی جان کے حقوق ادا کرنے پر مجبور کر سکتی ہیں تو میں الطاف کی بیوی سے کیے ہوئے وعدے سے کیسے پھر سکتی ہوں۔ میں نے اسے زانہ دی ہے۔۔۔۔۔“ ”تجربہ جذباتی ہو گیا۔“

”رنگے باندہ کے یہ اس کا اور اس عورت کا مسئلہ ہے۔ میں کم از کم اس احساسِ جرم سے آزاد ہو جاؤں گی کہ میں نے کسی کا گھر اجازت کر کے اپنا محلِ تعمیر کیا ہے۔“
ای اے یوں دیکھتے نہیں جیسے اُن کے پاس کہنے کو کچھ نہ رہا ہو۔

☆☆☆

”فصل کا اس لوگ ہیں۔ بھیا۔ شریف اور سید سے صاف سے۔ لڑکی میں بھی کسی بات کی نہیں۔“ زیتون نے کہا۔

”بچی آنی! آپ ٹھیک کہتی ہیں۔“ ”عبادہ! کن انکھیں۔“ ای اے کو دیکھا جو زیتون کی آمد پر کچھ فکر مند دکھائی دے رہی تھیں۔

”تو بس پھر کسی بات کی دے۔۔۔۔۔ کروم اللہ۔۔۔۔۔ چٹ مٹکتی پٹ پٹا۔۔۔۔۔“ زیتون نے خوشی کا اظہار کیا۔
ای نے آہستہ سے پہلو ہلاد۔

”گلتا ہے آج تمہاری طبیعت کچھ ڈانواں ڈول ہے۔“ زیتون نے ای کو چپ چاپ دیکھ کر کہا۔
”آئی۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔ بس ذرا بلڈ پریش۔۔۔۔۔ بلڈ پریش کو لوگ لاکھ کوئیں نہیں پر بے وقت بے وقت کام

آنے والی بیماری۔ ای نے بھی آٹھوے وقت ای کی پناہ سے کام چلانے کی کوشش کی۔

”اللہ کی دشمن کو بھی بلڈ پریش نہ کرے۔“ زیتون نے ای سے اظہارِ ہمدردی کیا پھر اپنے لیے میں غفلت پسند کر کے ہوتے ای کا دھیان اُن کی بیماری سے ہٹانے کو بولی۔ ”بھوہرا جائے اللہ نے چاہا تو دیکھتے ہی دیکھتے ایسی پھل چلاری لگے گی کہ تم اُن کی جبین میں میں اپنا بلڈ پریش و دیر و سب بھول جاؤ گی۔“

ای چپ رہیں۔ زیتون سے کیا کہیں۔
”تا تو پھر کب لے آؤں لڑکی والوں کو تمہارے ہاں؟“ اگلے ہیے لڑکی کا بھائی بھی افسری پاس کر کے آ رہا

ای جن کی زبان سے نکلے الفاظ اس گھر میں فرمانِ شاہی کی طرح تقطیم پاتے تھے گھر کی تاریخ میں پہلی بار ان کے حکم سے روگردانی ہو رہی تھی۔ گھر کے تین بڑے امی، بھجوت بھائی اور نایاب باہی حقیقتہ طور پر اپنی حمایت اور ہمدردیاں الطاف کے حق میں کر چکے تھے۔

”جو حالات اس نے بتائے ہیں اُن میں کوئی بھی مرد و مادی شادی کرے تو لوگ ای کو حق بجانب سمجھیں گے۔“ نایاب باہی نے کہا۔

”کوئی اس عورت کی بھی توئے۔“
”ارے رہے دو۔ لوگ خواہ وہ کہاں کہاں گھر لیتے ہیں دوسروں کی ہمدردیاں بٹورنے کو۔“

”کیا یہ نہیں گھر سکتا۔“
”شوہر ہے تمہارا۔ اس کے لیے تمیز سے بات کرو۔“ نایاب باہی نے اسے غلطی کا احساس دلایا۔

”بد قسمتی ہے میری گناہیک دھوکے باز آدمی سے میرا عقد کر لیا۔“
”خواہ وہ ایک چھوٹی سی بات کو ایسا بنالیا ہے تم نے۔ اس بے چارے نے تو مسئلہ پہلی بیوی کا ذکر نہیں کیا“

لوگ تو نہ جانے کیسے کیسے جھوٹی بول جاتے ہیں۔
”میرے لیے یہ چھوٹی نہیں بہت بڑی بات ہے۔“ ”تجربہ تملکا کر بولی۔“

”تم آخر چاہتی کیا ہو؟“ ای نے غصے سے کہا۔
”میں آپ کے اس سوال کا جواب کئی مرتبہ دے چکی ہوں۔“

”بھجوت شوٹ کر دے گا تمہیں مگر ایسا نہیں ہونے دے گا۔“ ای بولیں۔
”بے شک کر دیں۔ مجھے پروا نہیں۔“

”تجربہ! میری جان ہوش کرو، کیوں باندھنا ضروری ہو ایک بیکاری بات کی خاطر۔“ نایاب باہی بولیں۔
”بیکاری بات۔۔۔۔۔ اس نے کمالِ نظر سے نایاب باہی کو دیکھا۔“ آپ نے تصور کر سکتی ہیں کہ اپنے

چندوں کے بچے کو کسی کی دلہیز پرچوں میں لے جاؤں۔ کوئی صورتِ انتہائی حالات میں ہی ایسا کرے گی۔“
”اس نے ڈراما کیا اور منہ پھینچ لیا۔۔۔۔۔ کیا حماقت ہے یہی ا!“

”گھٹنوں آکر سوا کیوں کی طرح بیٹھا رہتا ہے وہ اس گھر میں اور یہ بیگم صاحبہ اس سے ملتی ہی نہیں۔“ ای نے نایاب باہی سے اس کی شکایت کی۔

”کس نے دعوت دی ہے اسے کہ آ کر بیٹھے۔“ وہ بولی۔
”تو پھر کسی طرح حل ہو گا یہ مسئلہ؟“ نایاب باہی نے اپنا سر ہاتھوں میں قلم لیا۔

”وہ اگر یہ سمجھتا ہے کہ اس کے آکر بیٹھا رہنے سے مسئلہ حل ہو سکتا ہے تو شوق سے بیٹھا رہے۔ میں بائٹل میں اپنا بندوبست کیے لیتی ہوں۔“

”اچھا! ای۔۔۔۔۔ بے ساختہ چونک کر اسے گھورنے لگیں۔“ ”تو یہ ارادہ ہے ہیں بیگم صاحبہ کے۔“
”ای بلہیز! ایسے الفاظ استعمال نہ کریں میرے لیے جن سے مجھے انجینیت کا احساس ہو۔“

”تم نے تو جیسے بہت دم بھرا ہے میری بھجوت کا۔ کچھ اندازہ ہے تمہیں کہ کسی کی مشکلیں اٹھانی ہیں میں نے تمہاری خاطر۔“

ہے کچھ دنوں کی چھٹی پر۔ میں تو کہتی ہوں اس کی چھٹی میں ہی دھوم دھڑکا ہو جائے تو اچھا ہے۔“

”آئی سب ہو جائے گا۔ پہلے تو آپ ذرا یہ لفافہ اُن لوگوں کو پہنچا دیں۔“ عباد نے ایک سر بند لفافہ جو اس نے پہلے ہی تیار کر کے رکھا ہوا تھا زیون کو دیتے ہوئے کہا۔ امی نے چونک کر اسے دیکھا۔

”یہ کیا ہے بھیا؟“ زیون نے لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا پھر اپنے قیاس سے خود ہی اس سوال کا جواب دیتے ہوئے بولی۔ ”اچھا اس میں تمہارا شجرہ نسب ہوگا، ہاں، بھی جو طریقے کے لوگ ہیں وہ رشتے ناتے کرتے ہوئے ایک دوسرے کا شجرہ ضرور دیکھتے ہیں تو کیا اُن کا بھی لے آؤں۔“

”اگر ویں تو ضرور لے آئیے گا آئی۔“ عباد دھیرے سے مسکرایا۔

امی کے چہرے پر ایک تسلی ساجی سا اثر تھا۔ وہ سمجھتی تھیں عباد اس لفافے میں اپنا شجرہ نسب نہیں اس رشتے سے اپنا انکار لڑکی والوں کو بھجوا رہا تھا۔

”ارے زیون دہنچے دو۔“ امی نے زیون کے ہاتھ سے لفافہ لینے کی کوشش کی۔ ”اب کون پڑتا ہے ان چوچلوں میں۔“ ساتھ ہی انہوں نے عباد کو آنکھیں دکھائیں۔

عباد نے امی اور زیون دونوں کے ہاتھ کے بیچ سے لفافہ اچکا اور امی کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ”جانے دیں امی ورنہ مجھے خود جانا پڑے گا۔“ امی نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

اس سے پہلے کہ امی کچھ پوچھتیں وہ دھیرے سے ہنسا اور بولا۔ ”فکرت کریں، کوئی ہم نہیں بھجوا رہا ہوں میں اس لفافے میں۔“ اس نے لفافہ دوبارہ زیون کو تھما دیا۔

”خدا جانے انکار میں کیا لکھا ہوگا اس نے۔“ امی نے دل ہی دل میں سوچا۔ ”آج کل کی اولاد تو ماں باپ کے کان کترتی ہے۔“ امی کو اپنے مرحوم شوہر کا خیال آیا۔ ”اس کے ابا تو ایسے نہیں تھے۔ ہمیشہ بڑوں کے سامنے سر جھکائے رکھا۔“ امی اپنا دل دکھتا ہوا محسوس کر رہی تھیں۔

☆☆☆

عباد کے بھجوائے ہوئے سر بند لفافے کا ملفوف ہم نہ سہی مگر اپنی ہلاکت خیزی میں ہم سان ضرور تھا۔ ضروری نہیں ہوتا کہ انسان کی سانس رک جائے اور دل تھم جائے کبھی کبھی کسی حادثے کی شدت سانس چلنے اور دل دھڑکنے کے باوجود انسان کو مار کے رکھ دیتی ہے۔ عباد کی جانب سے بھجوائی گئی مادی مطالبات پر مبنی طویل فہرست جس میں زیرو میٹر کا مطالبہ بھی شامل تھا اس کی اپنی دانست میں تو رشتے سے انکار کا ایک محفوظ اور مہذبانہ طریقہ تھا جو اس نے اختیار کیا مگر اماں اور ابا کے اعصاب پر اس کی ہلاکت خیزی کسی ہم کے دھماکے سے کم نہیں تھی۔

”اپنا سارا جی بی فڈ نکلو الوں تو بھی تقدیم کو جھیز میں یہ سب کچھ نہیں دیا جاسکتا۔“ ابا کو خود اپنی آواز کسی اندھے کو نہیں سے آئی تھی۔

”فرض کریں تھوڑا بہت قرض ادھار کر کے پورا پڑ بھی جائے تو اور دل کو بھی تو غمنا ہے۔۔۔۔۔ تمہید کی تو عمر نکلی ہی سمجھو۔۔۔۔۔ تھک گئی ہے میری بچی ہم سب کی خدمتیں کر کر کے۔۔۔۔۔ تسنیم کے واقعے نے ایسا خوف زدہ کر دیا ہے اس کو کہ اس مرتبہ تقدیم کا رشتہ آنے پر ذرا چون و چرا نہیں کی اس نے۔“ اماں نے دل گرفتگی سے کہا۔

”کیا کریں پھر؟“ ابا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

”رشتہ اچھا تھا۔ ہو جاتا تو میں بھی سکون سے ہوتی کہ کوئی ایک تو عزت سے اپنے گھر کی ہوئی۔“

”کسی سے قرض ادھار کا بھی امکان نہیں۔ آج کل ہر مولیٰ اپنے چوں پر بھاری ہے۔“ ابا بڑبڑائے۔
 ”کوئی بات نہیں..... دوسروں کے لیے ہم کو تو نہیں سکتے۔“ اماں نے ابا کو آزدہہ دیکھ کر انہیں دہینے کی کوشش کی۔

”یک مسلک تو مجھے کب جانے میں بھی کوئی عار نہ ہوتا۔“ ابا انتہائی رنجیدہ دکھائی دینے لگے۔
 تقدیم کر پتا چلا تو لوگوں کی ہنسی اور بے بسی پر اسے بھی ملال ہوا۔ وہ شرم و جھجک کو ایک طرف رکھ کر اماں اور کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ ”اب آئیں تو جو تھے مار کر کھالے گا ان بے جاؤں، لاچ کے ماروں کو۔“ اس حماقت سے کہا۔ ”بھگ گئیں گے۔“

اماں اور ادا دونوں اسے بے یقینی سے دیکھا کہ پھر اماں دل رکھتی ہے بولیں۔ ”دعا مانگو کہ تم لوگوں کے کوئی بھلے ہانس آئیں۔ ہر وقت میرے دل کو بے بسی کی لگی رہتی ہے۔“
 ”کم از کم میرے لیے تو آپ گھر مندر مہا چھوڑ دیں اماں۔“ وہ اماں کے نزدیک بیٹھ گیا۔
 ”ممکن ہے؟“ اماں مجسم سوال بن گئیں۔

”میں اپنے ہیروں پر کھڑی ہوں۔“
 ”کیا فرق پڑتا ہے۔“ اماں نے کہا۔
 ”اپنا بوجھ آپ اٹھا سکتی ہوں، اصل مسئلہ کفالت ہی کا ہوتا ہے اماں۔“
 ”عورت کے لیے کفالت سے بھی زیادہ کاہل اور اہم مسئلہ تحفظ کا ہوتا ہے۔“
 ”جس کا پتا دل لاچ کی مٹھی میں دبا ہوا وہ کیوں کیا تحفظ دے گا اماں۔“ انکا کرکریں آپ ان لوگوں کو۔“
 ”دیکھتے ہیں کیا کیا ہوتا ہے۔“ ابا نے کہا۔
 ”اب کیا دیکھنا۔۔۔ ان کی اسلیٹ میں شہاب ہو چکی۔ ایسے لوگوں کو تو بے تحفظ نہ مانی جائیں۔“
 ”مٹی والے مجبور ہوتے ہیں۔“ ابا کا لہجہ تھکا سکا تھا۔

”کیا مجبوری!“
 ”تم نہیں سمجھو گی۔“ ابا نے کہا۔
 ”جب ہمارے مقام کو پہنچو گی تب سمجھ میں آئے گی کہ میں۔“ اماں بولیں۔
 ”اپنی کوڑھ مغزو تو نہیں ہوں اماں..... وہ دھیرے سے مگرانی اور اس نے اپنا ہاتھ اماں کے شانے دھرتے ہوئے کہا۔ ”زیادہ سے زیادہ کیا ہو گا یہی نا کہ شادی نہیں ہوگی۔ نہ ہو..... بے شک نہ ہو۔“ شادی زندگی کا خیر اثر نہیں ہے۔“
 ”سنت ہے۔“ اماں نے کہا۔ ”اللہ کا حکم ہے۔“

”لیکن جہاں شادی کو بیڑ پار بنالیا جائے وہاں؟“ تقدیم کی نگاہوں میں کاٹ اور لہجے میں سوال تھا۔
 ”اس سوال کا جواب اماں، ابا دادوں میں سے کسی کے پاس نہیں تھا شاید وہ جواب دینا نہیں چاہتے تھے۔“
 ”موسں کی پاسنگ آؤٹ کے لیے کیا پروگرام ہے ابا؟“ تقدیم نے اچانک ہی موضوع بدل دیا۔
 ”تمہاری ماں جانے کو آدھ ہی نہیں ہو پھر جوں حالانکہ وعدہ یہ تھا کہ بیٹے کی پاسنگ آؤٹ میں انہیں میرے کندھوں پر بھی سوار ہو کر جانا پڑا تو یہ جائیں گی۔“

”ارے میرے سنے پر موسں کے لئے قسمتیں جو بنی ہیں گھر میں۔ اس بد بخت نے تو میرے لیے ہر خوشی حرام کر دی۔ یہ کیل کھلا کر نہ بتیسی ہوگی گھر میں تو میں اپنے بیٹے کے آنے پر گھر میں قرآن خوانی کروانی۔ اپنیوں والوں کو جوڑی۔ خوش بخت سے موسں کا شہتہ کر گئی۔ دیکھیں چڑھوانی خوشی کرنی۔ تسنیم کے کراوت نے میری ہانڈی خوشیوں پر پانی پھیر کر رکھ دیا۔ جانے کو قدم بھی اٹھتے ہیں جب دل خوش ہو۔“ اماں رو ہانسی ہو گئیں۔
 ”جانا تو بڑے گا اماں، کوئی معمولی بات تو ہے نہیں۔ موسں کی زندگی میں بے موسں پھر چلے کر تھوڑی آئے۔“ اگر اس موقع پر کمرے سے کوئی نہ کیا اس کی خوشی میں شریک ہوتے تو اسے تمام زندگی تپ رہے گا..... اور یہ صرف اس کی خوشی تھوڑی ہے ہم سب کی خوشی ہے۔ ہم سب کے لیے فکر کا موقع ہے۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا اماں؟“
 تقدیم نے اماں کا حوصلہ بڑھانے لگا۔

”بالکل!“ ابا نے تاکید کی۔
 ”ایسا کر تم اور تمہارے ابا چلے جائیں۔“
 ”میں تو سر آکھوں کے بل جاؤں گی لیکن آپ بھی کیوں نہیں۔“
 ”مجھے پریشانی ہوگی، ساتھ جانے والوں کے لیے بھی پریشانی کا سبب بنوں گی۔ ویسے بھی بچیاں ہیں گھر اس کے سر پر، باپ میں سے کوئی ایک تو ہونا چاہیے۔ مجھے گھر میں رہنے دوں تو چلے جانا۔“
 ”جانا تو ہر صورت ہو گا ابا۔“ تقدیم نے ابا کو دیکھا۔
 ”غریب ہے ہم باپ بنی چلے چلیں گے۔“
 ”خوش بخت کے لیے آگے بھی جانے کو دے دو۔“ اماں بولیں۔ ”موسں آئے تو میں موقع دیکھ کر اس کے نام کی لڑکی تو پتا نہ دوں خوش بخت کو۔ چاہے کوئی فقر ہو یا نہ ہو۔“
 ”آپ اطمینان رکھیں، میں غل غل ہی بنے ہوئے دوسوں کی۔“
 ”جیسی رہو..... اللہ تمہارا نصیب اچھا کرے۔“ اماں نے دل سے دعا دی۔

☆☆☆
 اس کو جانے کے لیے چاب صبح کے وقت عموما گھر سے میں روڈ کو پیدل آنے کے بعد رکشالے لیا کرتی تھی۔ اسی نے اس کیلے کسی میں سفر کرنے سے ہمیشہ منع کیا تھا۔
 اس روز بھی وہ حسب معمول میں روڈ پر آنے کے بعد کسی خالی رکشالے کے انتظار میں کھڑی تھی کہ سنے ماڈل کی ایک طور گھر کے کاراس کے بہت نزدیک آ کر۔ یہ کوئی اچھے والی بات نہ تھی۔ آئے دن کا تماشہ تھا۔ ایسے موقع ہوں لفٹ دینے کے شوقینوں کے منہ کھلے کے بجائے یا تو چند منٹ پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو جاتی تھی یا ایسے کار نشین لوگوں کو قطعاً نظر انداز کر کے آگے چلا شروع کر دیتی تھی اس وقت بھی اس نے یہی کیا۔ کار آگے سے روکتی ہوئی پھر اس کے نزدیک آ کر۔ سنے ماڈل کی ایسی کے شمار کار میں شہر میں ہوائی دوڑتی پھر رہی تھیں۔ الحاف کے اس بھی ایک ایسی ہی گاڑی تھی۔ گاڑی کا مارن بجاد اور اگا دروازہ کھول دیا گیا۔ وہ کار نشین کے بے غیبتی اور احتیاطی پر ہی جی میں کھوئی اسے لڑکے کو ٹھک گئی۔ اپنے بائیں پہلو پر جھکا گاڑی کا اگا دروازہ وا کیے الحاف اسے دیکھ رہا تھا۔

(باقی آئندہ)

مکمل ناول

فیصلوں کا سفر

مالیہ صرا



سعد بن وقاص جہاز کے وسیع و عریض عرشے
پر یلگ پردوں ہاتھ پھیلائے کھڑے تھے۔ اُن کی
سیاہ سوچی آنکھوں کے سامنے وسیع و عریض بحرِ بے
کناں، جزا کا لکاٹھا نہیں مارتا سمندر تھا۔ تاحد نگاہ



تک پھیلا سفید پانی اور اس کے اوپر جھکا نیلا
آسمان..... ہر سو نیلا ہٹ نمایاں تھی۔ سعد بن وقاص
کے ماتھے پر چھ سوچ گھٹنوں کا جال تھا۔ جب تک
سمندر کے درمیان جہاز کے اوپر آن ڈیوٹی رہتے

بس اس بہت ہو گیا۔ مگر لوٹ چلا اور دل کے ساتھ خوشیاں مناؤ۔ ”سینٹی انٹیں سمجھا رہا تھا اور دل..... دل وہ ضدی بچہ ہے جو کہنے کو بچا نہیں دیتا ہے اور سن پسند کھلوانٹوٹ جائے تو دوسروں کو اٹھا رہتا ہے۔ کھلونوں کی کچیاں سفید کر رکھتا ہے اور دھوا رہتا ہے۔

رات عرش پر بیٹھے چاند کی کرنوں میں ڈوبے سمندر کو دیکھتے وہ صبا کے بارے میں سوچتے رہے۔ بانیوں میں صبا کی سرکوب ڈوب کر ابھرتا رہا۔

”اسے اس کا حق دینا۔“ سینٹی کی آواز بکری۔

”کیسے؟“ بانیوں میں اٹھائیں پھیلیں۔

”چار سال سے وہ تمہارے بچوں سمجھا رہی

ہے..... تمہارے گھر کی دیکھ بھال کر رہی ہے اس

ناتے..... تمہاری بیوی تم سے منسلک تمہارے نام سے

جڑی ہے اس واسطے..... اسے سہاگن سمجھا، اس کے

دل کے ارمان ہیں۔ تم نے اگر عشق کیا ہے تو اس نے

بھی محبت کی ہوگی کوئی یونی تو نہیں دیا ہے محبت میں

اکوتا۔“ سینٹی جب بولے پر آتا تو کس نہیں تھا آخر

شاعر بندھا تھا۔ حد چوک چوک جاتے۔ کیسے منافقت

کرتے، کیسے ڈھکی دل و جگر پر ہاتھ رکھتے۔ باوصاف

کے جود کو چمکو کر رہی تھی اور دل و دھماکی تیار

ہو رہا تھا۔ انزل سے کوئی انیت، کوئی گاؤ محسوس ہی

نہیں ہوتا تھا تو محبت کیسے ہوتی..... صابر مگر تھی مگر

انہوں نے اپنے دل میں اسے مرنے ہی نہیں دیا تو

دوسری کی جگہ کیسے تھی..... انزل ضرورت بن کر زندگی

میں آئی تھی اور صابحت تھی، محبت رہے گی۔ اب دل کو

کسی دوسری محبت کی ضرورت نہیں تھی..... صبا ان کا عشق

تھی تو انزل کی کیا پناہ شازدہ کی کو شرو سے پسند نہی۔

ان کی شادی کا وقت آیا۔ ان کو اپنے دل کے انزل کا نام لیا

تھا اور انہوں نے صبا کو دیکھ کر انزل کے گرا کر

تھی جسے محبت کی ہوئی۔ فتح کے غمار میں انہوں نے

اس کا دل ڈالنے کی آواز دی تھی۔

کے دوست سینٹی نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ وہ جو گھرے پانیوں میں اس کو جن رہے تھے چوک کر پڑے۔

”اس..... ہاں..... نہیں تو.....“ بیک ریٹنگ

سے لگا کر کہنے پر ہاتھ بندھ لے۔

”یہ میرا وہ نہیں ہے یقین ہے، لگتا ہے اس بار

گھر جانے کی، بچوں کے ساتھ بھائی کے ساتھ رہنے

کی خوشی نہیں ہے نہیں۔“ سعد نے گہری سانس لی۔

”نہیں ایسا بات تو نہیں ہے۔“ لگ لگاؤ

نقل ان پر ڈالی۔

”یا پھر تم اس حصار محبت سے باہر نکلتا ہی نہیں

چاہتے۔“

سعد نے لگ لگاؤ اس پر ڈالی۔

”ماضی کی یادیں انسان کا نیا دہرے تک ساتھ

نہیں دیتی آخر میں حال میں لوٹا پڑتا ہے۔“ انہیں دل

میں زندہ رکھا اور باہر والوں کو خوش رکھو۔ وہ تمہاری ذات

سے منسلک تمہاری توجہ کے تحت، تمہاری محبت کے

طلب گار ہیں۔“ دھیرے سے ان کا شانہ دبا کر کشی

انہیں سمجھا رہا تھا۔ وہ ان کے حال دل سے باخبر تھا۔ جو

محبت کا اٹھنا اور چاہت کا گواہ اور ان کے نکاح کے نام سے

اس کے سامنے تھے اور جو ان کی پہلی شادی کی طرح

دوسری شادی پر بھی خوش تھا۔ دوست دوستوں کی

خوشیوں میں ہی خوش ہوتے ہیں۔ انکھ بھر کر اسے دیکھا

اور انکھ بھر آئی۔ دھیرے سے لگا رہا۔

”میں جانتا ہوں تیرا دامن دیکھ رہے مگر یوں

نفرار کب تک، بچے تو پھر بیٹے ہیں نا، انکھ بھی تیرا

اٹھارے ہے۔“

”اور..... وہ.....؟“

”اور وہ..... وہ.....؟“

”اور وہ..... وہ.....؟“

”اور وہ..... وہ.....؟“

صبا کے بغیر ان کی زندگی ادھر ہی تھی۔ صبا سے انہوں نے عشق کیا تھا۔ منتوں سے پایا تھا۔ عشق چمک جائے تو بہت اذیت ہوتی ہے یوں جیسے جسم سے جان نکل جائے اور ان کی روح صبا کی روح کے ساتھ ہی نکل گئی تھی، تو وہ کیسے زندہ رہے۔ مگر زندہ رہنا تھا۔

ان کی زندگی تھی..... ان کے بچوں مون اور ایمان کو

ان کی ضرورت تھی۔ ان کے بہتر مستقبل کے لیے۔

ہنسا، مکرنا قہقہہ ویران ہو جائے، اس کا وجود

سم و خور کی آواز گاہ بن جائے..... یہ کیسا درد

ہوتا ہے۔ یہ کوئی انزل کے دل سے پوچھتا۔ سعد بن

وقاص نے صبا سے عشق کیا تھا تو! انزل نے بھی سعد بن

وقاص سے بھی محبت کی تھی مگر اسے اپنا نہیں کب ملتا

ہے، اس کا کاسٹرڈل صرف اپنے رب کے حضور بکیر

رہتا رہتا تھا۔ سعد بن وقاص کی بات سے غافل نہیں

تھے مگر یہ مجبور یوں کے سوسے تھے۔ بعض اوقات

مجبور یوں کے سوسے دل جیت لیتے ہیں یا پھر کرب

مسلک دیتے ہیں۔

دل باریک جاتے ہیں، جذبے مر جاتے ہیں۔

اپنی زندگی کا لٹا تھا تھا یہ

پانیوں کے سبز پر چلیں جس گھڑی

سالموں پر کوئی بھی ہمارا نہ ہو

اجنبی وکس کی لکھی شام کے

آسانوں پر کوئی بھی ستارہ نہ ہو

آخری دم تک بھی غم کو

بادبانوں کا کوئی ہمارا نہ ہو

بے حد درد بھی سے وہ سوچتے اپنے خال اور صبا

کے خواب میں گم تھے۔ مگر جانے پر وہ کہتے خوب

صورت اور بھر پر انداز میں ان کا استقبال کرتی تھی۔ وہ

پر کار ہوئی تھی۔ ہر جہ عید اور ہر لخت فخر کے مانند ہوتی

اور اب..... راکہ اب بھی جینے کی وسعتوں سے نکلی۔

”کیا بات ہے صبا کچھ چپ چپ سے ہو؟“ ان

مرسکون اور دنیا کے بچکاموں سے دور رہتے۔ بس اب گھر جانے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ مون اور ایمان کی ہنسی مسکراتی تصویر انہوں نے اپنے لپ ٹاپ پر، موبائل فون پر سیٹ کی ہوئی تھی جب دل چاہتا بات کر لیتے تھے۔ تصویروں سے دل بہلا لیتے۔ تصویریں جو زندگی کی ساقی بن کر رہ گئی تھیں۔ ہر تصویر میں جان جاناں صبا ان کے ساتھ ہوتی تھی۔ ان کا بچل، ان کا خیال، گمان، خواب اور دنیا صبا کی ان مسکراتی تصویروں سے آباد تھی۔ ایسے میں انزل کی اس زندگی میں بچل کب کہاں لگتی تھی؟

انزل ان کے بچوں کی دوسری ماں۔ بچوں کی زندگی میں انزل سا ساقی تھی اور ان کی زندگی میں تو بس صبا ہی ہوتی تھی۔ صبا جو باجی تھی..... صبا جو ان کے گرد نہیں تھیں تھی۔ ان کے جہاز کو لکڑی کے ساحل سے لگنے میں کچھ ہی دن تھے۔ اور بہت سالوں کے بعد ان کی زندگی میں یہ موقع آ رہا تھا کہ عید اپنے وطن میں کرنے جا رہے تھے۔

سعد بن وقاص اپنی چھٹی کسی بھی ساقی و کر دوست کے ساتھ بانٹنے کے لیے تیار تھے۔ مگر اب کے ان کا جہاز ابو غازی خود بھی کاپی کے ساحل پر اپنی عید منانے جا رہا تھا۔ ان کا دل بے چینی سے بے تاب کی تال پر دھت سے قہر کر رہا تھا۔ اپنے گھر میں آخری عید انہوں نے چار سالہ مون اور دو سالہ ایمان کے ساتھ منائی تھی، صبا کے ساتھ چار سال پہلے.....

خوب صورت شراوتوں، بھتی ساقوں، خوشبو دار گھون اور صبا کے چمک، شوق اور خوب صورت بیکر کے ساتھ..... کیسے انزل کے ساتھ عید منائیں گے۔ ان کی خواہش ہوتی تھی عید پر مگر نہ جائیں۔ یادیں ان کا چمکا کر نہیں تھیں۔

اس بار یہ تو خوش ہوں گے ہی انزل کی خوشی بھی دیدنی ہوگی مگر صبا.....! اتنے سالوں کے بعد بھی

کہاں سے لوٹ آنا ہے
ذرا سا فیصلہ کرنا
بڑا دشوار ہوتا ہے

انزل نے دھیرے سے ڈائری پر قلم رکھ دیا۔
نہشت سے پشت لگا کر سر لگا کر آنکھیں موندیں اور
تعمیلیں سے آنکھیں دباتے ہوئے گہری سانس لی۔
”ہاں“ بڑا دشوار ہوتا ہے..... امی..... مگر
فیصلہ تو ہو چکا ہے۔ امی میری زندگی میں کی اور فیصلے
کی کوئی مثال نہیں ہے، یہ مگر اور حد کا ساتھ میری منزل
ہے اور منزل میں بار بار تین بدلا کرتیں۔ مجھے سعد سے
عشق چوں ہے۔“ اور خودی تیرا مسکرا دی۔

کوئی اسے ٹھیک دیکھے یہ جنوں نہیں تو کیا ہے۔
کر اسی کے ہو گئے ہم جو نہ ہو سکا ہمارا
”سعد نہیں تو کیا ہوا عورت کی صورت ان کے
بچے تو ہیں ہاں ان کے گھر میں تو ہوں نا..... امی، آپ
نہیں جان سکتیں کہ میری زندگی کا سکون کہاں ہے.....
قرار کیا ہے۔“ دھیرے دھیرے اس سے آنکھیں کھول
دیں۔ جو سو کر اس کو تھا، رات کا پچھلا بہرہ دھیرے
دھیرے بج کے پہلے پہر کی جانب بڑھ رہا تھا۔ تازہ
ہوا شب کے باسی پھولوں کی مہک اڑا لے جا رہی
تھی۔ اس کی سائڈ ٹیبل میں گے مچھے کے پھولوں
کی مہک نے فضا کو مہلک کر رکھا تھا۔

”میں تو اس میں بھی بہت خوش ہوں۔ آپ کتنی
ہیں کہ اب کے سعد آئے تو فیصلہ کروالو۔ تم اس کے
بچوں کی خادمہ نہیں ہو اس گھر کی نوکری نہیں ہو.....
بیوی کے حقوق دے نہیں۔“
”امی مجھے بیوی کا نہیں چاہیے، انگوں تو ابھی
مل جائے۔“ وہ دھیرے سے امی اور دپتے میں
کھڑی ہو گئی۔

”مجھے رجب چاہیے۔ رجبے کا احترام چاہیے،
خیرات نہیں۔ مجھے انتظار کرنا ہے۔ حق چھیننا نہیں

”ابھی طرح بچوں کو رکھا ہوا تھا۔ غل غام مٹیہ بھی
لوٹی تھی۔“ بچے اور انزل ایک دوسرے کے لیے
لام بردار تھے۔ ان کے دل کوڑا حاسر کی۔ ان کے
پے بیا کی نشانی محفوظ اور مومن ہاتھوں میں تھے۔
اب ہر ایک عرس بعد تین چار ماہ کے لیے ان
کا ہوا بھیرہ عرس کے ساحل سے لگ رہا تھا۔ صبا کی
دایرہ وحدہ لا الہی نہیں تھیں امنڈ امنڈ کے آری تھیں
گرمیوں کی جگہ جانی تھیں۔ اپنے اندر کی محبت کو کیسے
باریں دیکھنے کو آدہ کر دیں دوبارہ سے محبت کرنے
کا اور سستی..... سستی کہتا ہے۔

”بچوں کے ساتھ کسی اور کو بھی تیرا انتظار ہے،
اسے بھی محبت دینا۔ وہ بھی تشنگی سے بھرے موموں
میں تیرا انتظار کر رہی ہے۔“
☆☆☆

”اف! کتنا مشکل ہے یہ سزا مسلسل.....

بڑا دشوار ہوتا ہے
ذرا سا فیصلہ کرنا
کہ بیوی کی کہاں کی کیا پان بے زبانی کو
کہاں سے یاد رکھنا ہے
کہاں سے بھول جانا ہے
اسے کتنا بتانا ہے

اسے کتنا چھپانا ہے
کہاں درد کے بتانا ہے
کہاں غم کے رونا ہے
اس آئینے کے کوئے کو کتنا بھگوانا ہے

کہاں آواز دینی ہے
کہاں خاموش رہنا ہے
کسی دکھ کو کہاں پر
کون سی مدت سے کہنا ہے
کہاں رستہ بدلانا ہے

”آج نہیں تو کل ہو گا ہونا تو امر ہے نا۔ بچے
کھڑے جائیں گے۔ تمہارا روزگار سندری کی دستوں پر
پھیلا ہے، سال ڈیڑھ سال بعد تمہارا جہاز ساحل سے
لنگے گا۔“
”آپ..... صرف آپ؟“ انہوں نے ماں کا ہاتھ چوم
لیا۔

”مجھے اب کسی رشتے کی ضرورت نہیں ہے۔“
”بچوں کو کنگ گھراں کی رگ ماں کی ضرورت
ہے پٹا۔“
”میں ان کے لیے بہت اچھی میڈر رکھ دیتا ہوں
گھراں آپ ہوں گی۔“

”انزل کو میری خاطر میرے گھر میں
آؤ..... ایک فیصلہ میں نے تمہارا مانا تھا۔ صبا کو
آئی تھی۔ قدرت نے اسے چھین لیا ہے..... ایک
فیصلہ تمہاں کے لیے ماں کو۔ انزل کو آؤ۔“
”امی!.....!۔“ وہ گراہ اٹھی۔

”جہاں زندگی ختم ہوتی ہے وہاں سے ہی
دوبارہ شروع ہوتی ہے سعد! یہ بشری تھا ہے اور زندگی
کے اصول ہیں۔ تمہا انسان بھی بھی زندگی نہیں گزار
سکتا۔ مجھ پر بھروسہ کرو۔“ اور انہیں ماں کا اصرار، ماں
کا تذبذب اور ان کی حالت دیکھ کر دل کے نہ ماننے
کے باوجود اُک فیصلہ کرنا پڑا بچوں کے لیے..... ایک
گھراں کی رگ ماں کی ضرورت تھی۔ انہوں نے انزل
سے نکاح کر لیا..... صرف نکاح۔ دل و دماغ کسی
بشری تقاضے کے لیے آدہ نہ ہوا۔ امی کا بانی پاس
ہوا۔ ساتھ ہی ان کا نکاح ہو گیا۔ پھر وہ جہاز لے کر
واپس آ گئے۔ پچھلے چار برسوں میں وہ دفعہ دو گھر
گئے۔ ایک مرتبہ ای کی ڈیڑھ پر ان چاروں کے لیے۔
دوسری دفعہ پندرہ دن کے لیے ان کا جہاز ساحل سے
لگا تو انہیں خبر ہوئی کہ ماں کا ایکسپرنٹ ہو گیا ہے
اسکول دین سے تو اسے دیکھنے گئے تھے۔ انزل نے

صبا سے شادی کے بعد انہیں گھر میں نظر
نہیں آئی اور تہی ای نے بھی کہا کہ مجھے جہاد کے گھر
لے چلو انزل سے ملنا ہے۔ انہوں نے بیٹے کی جنوں
خیر محبت کے آگے اپنے دل پر ردہ کر لیا تھا۔ سستی
دونوں کے عشق و محبت کے بارے میں جانتا تھا۔ سستی
کا بچپن اسی گھر میں گزرا تھا۔ بچپن کے ساتھی تھے
دونوں۔ حال دل سے کیسے بے خبر رہتا ہوا۔ پورا پاند
سندری کی لہروں پر رقص کر رہا تھا۔ ابو غازی سندری کا
سینہ چتر ساحل مراد کی چاہے دوں اور دوں خاور سعد
ریٹنگ پر بازو پھیلا ڈالتا دیر کا شکار تھے۔

وہ نکاح کر کے چلے گئے تھے اسی کے لیے حد
اصرار پر۔ صبا کی موت کے کھل چہ ماہ بعد امی کا بانی
پاس ہوا تھا۔ وہ آخری بار ان سے ملنا چاہتی تھیں۔
ماں کی محبت سے مجبور ہو کر گھر گئے تھے۔ وگر نہ دل
اٹھتا رہتا تھا۔ یہ سوچنا بھی سو یاں روح لگتا تھا کہ اس
گھر میں جائیں جہاں صبا لگتی تھی۔ آخری سرسبز
لان میں اس کا جنازہ رکھا تھا آخری آخری بار دیدار
یا کیا تھا۔ کیسے وہاں جائیں گے مگر ان کی تکلیف کا سن
کر جانا پڑا۔ امی واقعی بہت کڑو ہو گئی تھیں نہایت
غالب تھی۔ اسپتال میں ہی انہوں نے ہاتھ باندھ کر
اس سے الٹی کی تھی اور وہ خود بخود ہو گئے تھے۔

”بچے ماں کے بغیر نہیں رہ سکتے سعد! نکاح کر
لو..... انزل سے، میری پسند ہے وہ عزیز ہے مجھے،
تمہارے بچوں کو وہی سفال کتنی ہے۔“
”امی!.....!۔“

”انکار تمہارا کتنا..... مجھے اپنی زندگی کا کوئی
بھروسہ نہیں ہے۔ کون ان بچوں کو دیکھے گا۔ بچوں کی
ثانی نہیں ہے جو سنبھال لے۔ خالد، چوہیاں اپنے
اپنے گھروں کی ہیں۔ میرے بعد کون دیکھے گا۔“
”امی! انہوں نے ماں کا ہاتھ چوم لیا۔“ خدا
نہ کرے آپ کو کچھ ہو۔“

ماہنامہ پاکیزہ۔ جون 2012ء 189

”محبت ایسا مٹر ہے
فنا جو ہو نہیں سکتا

اور..... میری محبت بے لوث ہے اور سنا
ہے،“ دیر سے سچے سچے حکم فرم کے آگے آگے
ٹھہری۔ ”بے لوث جذبے رائگاں نہیں جاتے۔“

پر لٹ گیا۔

”بھئی یہ آپ باپ بیٹے کا معاملہ ہے۔“

استحقاق بھرے اعزاز میں سن درست کرتی، اخبار پڑھتی

انزلہ نے کہا۔ ایک بل کے لیے وہ انہیں باگلی۔

”بابا“ کا تین فریم کھیلنے لگیں۔ دل میں

آکاس تیل سے سر اٹھایا۔ دوڑنا سے آگے، جدائی

کے احساس نے دل کے درد کو جگایا۔ انزلہ سگراتے

ہوئے ایمان کو بہلا پھسلا کر باہر لے گئی۔ مون ان

کے بچے پر سر رکھنے لگتا تھا۔ جا کا احساس رگ و پے

میں سرایت کر گیا۔ ان کی انکھیں مون کے نرم بالوں

سے کھلنے لگیں، نگاہیں، مسکراتی ہوئی جا کے خاموش

وجود پر پھر کھیں۔

”مون جانے کون کون سی کہانیاں

سنانے لگا۔ جا ان کے شانے سے آگئی۔ سحر کی

ہر کھیں سیکھیں اور بند ہو گئیں۔ جدائی کا درد لہو

رنگ ہو کر وجود سے لپٹ گیا اور توڑ دی ویر بعد دودھ کا

گلاس لاتی انزلہ دلیپڑ پر ہی پھر کھیں۔ بستر پر دراز سحر

دوسرا ڈریک نیل سے اٹھائی کی تصویر پر۔ انزلہ کا

دل دکھ سے بھر گیا۔ قریب آ کر گلاس ساڈ نیل پر

رکھا۔ اس شخص کے ہونٹوں پر ہنسی کے پھول کھلنے

کے لیے جانے کتنے شخص سفر لے کر گئے ہیں۔ قبل

کھول کر اوپر ڈال دیا۔ تصویر پر اس پر رکھا ہاتھ

چھپ گیا۔ آہٹ پر آنکھیں کھول کر دیکھا۔

”بھئی بھئی خشک تھی نا اس لیے اس کی دل آزاری

تھی۔ آپ یہ دودھ پی لیں، ابھی نیم گرم ہے۔“

”ابھی طلب نہیں ہے۔“ انہوں نے نگاہ

چلا کر سامنے بیٹھی گئی۔ جب گھر اس کا تھا تو گھر

والے کو بھی تو اپنا بتانا تھا پھر شرم کیسی۔ کیسی

گلاب۔ حیا دریاں پیدا کر دیتی۔ اور پھر دل نے

کفر و کفر کو تو اپنا بنانے کی قسم کھائی تھی اور دل کی قسم

اکر ضرور پورا ہوتا چاہیے۔ بچوں نے باتوں کا سلسلہ

اکول سے شروع کر دیا اور ہر بات کا اختتام مون

ہاں کرتا۔

”مجھے کل سے آپ اسکول چھوڑنے جائیں

گئے۔“

”اور مجھے ماما۔۔۔ ایمان نے فوراً انزلہ کے

گلے میں بائیں ڈال دیں۔ بچوں سے محبت نظر آ رہی

تھی۔

”میری ماما بہت اچھی ہیں۔ ایمان جھونے

لگی۔

”اور میرے پاپا۔“ مون کیوں پیچھے رہتا۔ سحر

ہاں رہے بچے بچوں کے لیے۔ انزلہ سے نظر چار ہے

تھے۔ ڈریک نیل پر انزلہ کی پشت اور ان کی نشست

کے سامنے جا کھانا تو فریم بھی نمایاں تھا جو بار بار انہیں

اپنی جانب متوجہ کر رہا تھا۔ ان کی نگاہ دھندلا رہی تھی۔

بہت مرنی نہیں ہے، دور ہو کر اور بھی درد دیتی

ہے۔ اور یہ مٹھا سارو انہیں بہت عزیز تھا۔

”چلو بیٹا اب پاپا کو تھوڑا سا آرام کرنے

دے۔“ بچوں کے ہنسی مذاق اور شرارتوں میں بہت سارا

وقت گزرتا تو انزلہ کو خیال آتا۔

”ماما۔“ مون نکلا۔

”پلیز ماما۔۔۔ ایمان نے ہاتھ لپچا اختیار کیا۔

”چلو۔۔۔ شاہین۔“ دو پنا شانوں پر

گفت اور بو کے تھا۔۔۔ انہیں اپنی ساگرہ یادیں

تھی۔ مباحثی تو۔۔۔ سنہری سیٹ گلاب کی کٹی کے ساتھ

انزلہ نے ان کی جانب بڑھایا۔

”شکر ہے۔“

”پاپا۔۔۔ گفٹ کا جھنک نہیں کہتے۔“ سحر مسکرا

دے۔ گفٹ بیک ساڈ پر رکھ دیا اور وہ کھلنے کا شکر

ساڈ میں بڑا ہل سحر بچوں کے ساتھ اٹھ کر اپنے

رہم میں چلے گئے۔ بیڈروم او بیسیا تھا جیسے چھوڑا

ہر چیز اپنی جگہ کھانے پر تھی۔ مباحثی تو کئی شکایتیں

ہوتیں۔

”سحر پلیز چروں کو اپنی جگہ پر رکھا کریں۔ پھر

ٹائل۔۔۔ شیوز۔ آف کتابیں۔ پلیز اپنی ہی ڈر

تو سنجال لیا کریں۔ اور۔۔۔ اب۔۔۔ بستر پر گرے

گئے۔

”کئی دنوں سے شکایت نہیں ڈھانے سے۔“

”پاپا۔۔۔ یہاں کیوں۔۔۔ اور چلیں نا ماما

کے بیڈروم میں۔ ایمان نے پانی پلانے ہوئے کہا۔

”یہ پاپا۔۔۔ کا بیڈروم ہے پاجمل اور پاپا کو آرام

کی ضرورت ہے۔ آرام کرنے کے بعد

گئے۔“ مون نے سمجھا۔ بیک کراؤن سے ٹیک لگا کر

سحر سگرا دیے۔ ان کا بیٹا کتنا سنجیدہ دار تھا۔

”اوپر ماما کا بیڈروم زیادہ اچھا ہے ہوا دار،

روشن، میسر والا۔“

”اچھا۔۔۔ ماما کو یہاں لے آؤ۔“ مون نے

مشورہ دیا اور ایمان بھاگ بھی گئی۔ سحر روک نہ

سکے۔ مون ان کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ سحر اس کے

بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی۔ ایمان انزلہ کو لے بھی

نے ڈکی کھول دی۔ سحر سامان رکھنے لگی۔ بچے

گاڑی میں بیٹھے تو سحر پیچھے ان کے ساتھ ہی بیٹھ

گئے۔ انزلہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنجال لی جبکہ دل

میں یہ ارمان تھا سحر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھیں گے تو وہ

فرنٹ سیٹ سنجال لے کر۔۔۔ بچے پیچھے۔ فیملی مکمل۔

جانے کیوں گہری سانس لی۔

”ابھی شاید وہ وقت نہیں آیا جب فیملی مکمل ہوتی

ہے۔ ابھی مزید انتظار کرنا تھا۔ ابھی تو۔۔۔ ابھی

تو۔۔۔ گاڑی آگے بڑھا دی۔

”ماما آرڈر لیتا ہے۔“

”ماما آفٹر کیم بھی۔“

”ماما مٹھا پی بھی۔“

”ماما۔۔۔ میرا بوکے۔“ بچوں کی فرمائشیں۔

انزلہ نے راستے میں سے سارے آرڈر لے لیے۔

بچے خوش ہو گئے۔ چلتی گاڑی میں سحر، جا کے ساتھ بچو

سفر تھے۔ ذہن دہل کے دروازے کسی اور کے لیے وا

تھے۔ ان کے آنے کی خوشی میں ان کی پسند کے کھانے

پکائی تھی وہ اور بازار کے کھانے جب آتے تھے جب

ان کے جانے کا وقت آتا اور کچھ ساتھ گزرتا تھا

اور یہاں ایسا کیا ہوگا؟ یہاں تو بس سمجھوتہ ہی ہے۔ سر

جھٹکا۔ گاڑی رک گئی۔

گھر آ گیا تھا۔ بچے کھانے کے صحنوں میں لے کر۔۔۔

اندر بڑے۔ انزلہ عبدال سے سامان نکلتا تو گئی۔

اسے ضبط بھی کرنا تھا اور میر بھی۔ عرصے بعد پر دہی

گھر آیا تھا، بہت وقت تھا ابھی انہیں اپنے طال میں

آخری بار رہنے دو اور۔۔۔ ڈرائیونگ نیل پر چکن

برائی، وائنٹ فور، کباب اور ٹرائفل دیکھ کر شرمندہ

سے ہو گئے سب ان کی پسند کا تھا اور اس وقت ان کی

حیرت، خوشی میں بدل گئی کسانے کے بعد جب مون

بڑا سا لکھتا تھا۔

”بھئی بھئی نہ تو یہ پاپا“۔ بچے پیچھے ایمان

193 جون 2012ء Courtesy www.pdfbooksfree.pk

booksfree.pk

1998, 1999, 2000, 2001, 2002, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010, 2011, 2012, 2013, 2014, 2015, 2016, 2017, 2018, 2019, 2020, 2021, 2022, 2023, 2024, 2025, 2026, 2027, 2028, 2029, 2030, 2031, 2032, 2033, 2034, 2035, 2036, 2037, 2038, 2039, 2040, 2041, 2042, 2043, 2044, 2045, 2046, 2047, 2048, 2049, 2050, 2051, 2052, 2053, 2054, 2055, 2056, 2057, 2058, 2059, 2060, 2061, 2062, 2063, 2064, 2065, 2066, 2067, 2068, 2069, 2070, 2071, 2072, 2073, 2074, 2075, 2076, 2077, 2078, 2079, 2080, 2081, 2082, 2083, 2084, 2085, 2086, 2087, 2088, 2089, 2090, 2091, 2092, 2093, 2094, 2095, 2096, 2097, 2098, 2099, 2100, 2101, 2102, 2103, 2104, 2105, 2106, 2107, 2108, 2109, 2110, 2111, 2112, 2113, 2114, 2115, 2116, 2117, 2118, 2119, 2120, 2121, 2122, 2123, 2124, 2125, 2126, 2127, 2128, 2129, 2130, 2131, 2132, 2133, 2134, 2135, 2136, 2137, 2138, 2139, 2140, 2141, 2142, 2143, 2144, 2145, 2146, 2147, 2148, 2149, 2150, 2151, 2152, 2153, 2154, 2155, 2156, 2157, 2158, 2159, 2160, 2161, 2162, 2163, 2164, 2165, 2166, 2167, 2168, 2169, 2170, 2171, 2172, 2173, 2174, 2175, 2176, 2177, 2178, 2179, 2180, 2181, 2182, 2183, 2184, 2185, 2186, 2187, 2188, 2189, 2190, 2191, 2192, 2193, 2194, 2195, 2196, 2197, 2198, 2199, 2200, 2201, 2202, 2203, 2204, 2205, 2206, 2207, 2208, 2209, 2210, 2211, 2212, 2213, 2214, 2215, 2216, 2217, 2218, 2219, 2220, 2221, 2222, 2223, 2224, 2225, 2226, 2227, 2228, 2229, 2230, 2231, 2232, 2233, 2234, 2235, 2236, 2237, 2238, 2239, 2240, 2241, 2242, 2243, 2244, 2245, 2246, 2247, 2248, 2249, 2250, 2251, 2252, 2253, 2254, 2255, 2256, 2257, 2258, 2259, 2260, 2261, 2262, 2263, 2264, 2265, 2266, 2267, 2268, 2269, 2270, 2271, 2272, 2273, 2274, 2275, 2276, 2277, 2278, 2279, 2280, 2281, 2282, 2283, 2284, 2285, 2286, 2287, 2288, 2289, 2290, 2291, 2292, 2293, 2294, 2295, 2296, 2297, 2298, 2299, 2300, 2301, 2302, 2303, 2304, 2305, 2306, 2307, 2308, 2309, 2310, 2311, 2312, 2313, 2314, 2315, 2316, 2317, 2318, 2319, 2320, 2321, 2322, 2323, 2324, 2325, 2326, 2327, 2328, 2329, 2330, 2331, 2332, 2333, 2334, 2335, 2336, 2337, 2338, 2339, 2340, 2341, 2342, 2343, 2344, 2345, 2346, 2347, 2348, 2349, 2350, 2351, 2352, 2353, 2354, 2355, 2356, 2357, 2358, 2359, 2360, 2361, 2362, 2363, 2364, 2365, 2366, 2367, 2368, 2369, 2370, 2371, 2372, 2373, 2374, 2375, 2376, 2377, 2378, 2379, 2380, 2381, 2382, 2383, 2384, 2385, 2386, 2387, 2388, 2389, 2390, 2391, 2392, 2393, 2394, 2395, 2396, 2397, 2398, 2399, 2400, 2401, 2402, 2403, 2404, 2405, 2406, 2407, 2408, 2409, 2410, 2411, 2412, 2413, 2414, 2415, 2416, 2417, 2418, 2419, 2420, 2421, 2422, 2423, 2424, 2425, 2426, 2427, 2428, 2429, 2430, 2431, 2432, 2433, 2434, 2435, 2436, 2437, 2438, 2439, 2440, 2441, 2442, 2443, 2444, 2445, 2446, 2447, 2448, 2449, 2450, 2451, 2452, 2453, 2454, 2455, 2456, 2457, 2458, 2459, 2460, 2461, 2462, 2463, 2464, 2465, 2466, 2467, 2468, 2469, 2470, 2471, 2472, 2473, 2474, 2475, 2476, 2477, 2478, 2479, 2480, 2481, 2482, 2483, 2484, 2485, 2486, 2487, 2488, 2489, 2490, 2491, 2492, 2493, 2494, 2495, 2496, 2497, 2498, 2499, 2500, 2501, 2502, 2503, 2504, 2505, 2506, 2507, 2508, 2509, 2510, 2511, 2512, 2513, 2514, 2515, 2516, 2517, 2518, 2519, 2520, 2521, 2522, 2523, 2524, 2525, 2526, 2527, 2528, 2529, 2530, 2531, 2532, 2533, 2534, 2535, 2536, 2537, 2538, 2539, 2540, 2541, 2542, 2543, 2544, 2545, 2546, 2547, 2548, 2549, 2550, 2551, 2552, 2553, 2554, 2555, 2556, 2557, 2558, 2559, 2560, 2561, 2562, 2563, 2564, 2565, 2566, 2567, 2568, 2569, 2570, 2571, 2572, 2573, 2574, 2575, 2576, 2577, 2578, 2579, 2580, 2581, 2582, 2583, 2584, 2585, 2586, 2587, 2588, 2589, 2590, 2591, 2592, 2593, 2594, 2595, 2596, 2597, 2598, 2599, 2600, 2601, 2602, 2603, 2604, 2605, 2606, 2607, 2608, 2609, 2610, 2611, 2612, 2613, 2614, 2615, 2616, 2617, 2618, 2619, 2620, 2621, 2622, 2623, 2624, 2625, 2626, 2627, 2628, 2629, 2630, 2631, 2632, 2633, 2634, 2635, 2636, 2637, 2638, 2639, 2640, 2641, 2642, 2643, 2644, 2645, 2646, 2647, 2648, 2649, 2650, 2651, 2652, 2653, 2654, 2655, 2656, 2657, 2658, 2659, 2660, 2661, 2662, 2663, 2664, 2665, 2666, 2667, 2668, 2669, 2670, 2671, 2672, 2673, 2674, 2675, 2676, 2677, 2678, 2679, 26

192 ماہنامہ پاکیزہ۔ جون 2012ء

”میں ماما کے ساتھ جاؤں گی۔“ ایمان نے کہا۔
 ماما کا ہاتھ تھام لیا۔
 ”چلو۔۔۔“ بچہ بائیس بیک میں رکھا۔ سعد بڑا نگاہ ڈالی۔ رات والے کمروں میں تھے۔ بلیک ٹراؤڈر اور نیلی ٹی ٹی ٹی۔ بلیک ہلی بی بی شیو۔ نیند کے خمار سے جاگی آنکھیں۔ ہاتھوں سے بالوں میں برش کرتے سعد کو دیکھتے ہوئے انزلہ نے نگاہ چرائی۔ وہ تو ہر نگاہ میں عجیب بڑا ڈانٹا ہی تھی اور سعد ہمیشہ سے زیادہ ہی اچھے لگتے تھے۔

”چلو..... چلو“ اندر کے شور کو دبا کر بیک اٹھا کر بارہنگی، کاسی دوپٹا شانوں پر بٹھرا تھا۔ گاڑی نکال کر تے لاک کیا۔ ڈرائیونگ کے لیے جابی سعد کی جانب بڑھا۔

”جانب بڑھا، تم چلا لو..... میں ریڈیو نہیں ہوں۔“ وہ اُکے پیٹھ سے جیسے بٹھے گئے۔ بے حد

خوش تھے۔ بچے۔ آج بچے کے ساتھ اسکول جاتے مومن
لی باتیں اور قصے ہی نہیں سُن مہر ہے تھے۔ ایمان
نے پایا کوئی سیکیولر سے ملوانا تھا۔ سعد بن ربیع
تھے اور اسے مکمل ساتھ مکمل فطرتی کو کیچہ کرانڈہ کوئی
خوشی ہو رہی تھی کوئی کس کے دل میں تو جھانکنے اور.....
ساکت رہ جاتا۔ اب نگاہ غلط اندازہ سعد بر ڈالی۔ سعد

”سفر انکسالی بہ جئے..... نہیں..... اللہ
کرے۔“ اندر شور ماسٹا۔ احساسِ نریاں سے
آنکھیں پھینکیں اور اندر کے شور سے بچنے کے لیے وہ
پچن میں خود کو کھمف کر گئی۔ نت نئی ڈسٹر..... شرابی
کرتی اور ڈانٹنگ ٹیبل پر رکتی۔ بچے اور سعد کھانے
بٹنے کے شوقین تھے۔ اس کی محنت و صول ہو جانی۔

☆☆☆

ایک ہفتے بعد پھر ای کا فون آگیا۔
 ”کیا ترتی کی ہے تم نے.....؟“
 ”جی.....!“ وہ حیران ہی تو رہ گئی۔

”جی جی پاپا..... میں بھی اپنے دوستوں کو بلاؤں گا۔“

”میری سالگرہ میں تمہارے دوستوں کا کیا کام؟“ ایمان نے جرح کی۔

”پاپا..... ای دن میری بھی سالگرہ ہوگی۔“

”اور کیا..... سحر سے بات کی ہے یا خدمت گزاری پر ہی اکتفا کر رکھا ہے۔“ اُن کا قطعاً لہجہ تھا۔

”ای پلیئر!“ نزلہ سے لڑ پڑا کر اُردو دیکھا۔

”میں خود بات کروں گی آکر۔“

”پلیئر ای اکیا ہو گیا ہے آپ کو..... ابھی تو

اب۔ ”اس کا اداس چہرہ انہیں بھی خاموش کر گیا تھا۔“
 ”ای..... یہ وقت ہے، ان باتوں کا۔“ اسے ابھی سب اندر بھی انزلی کی تعریفیں کر رہے تھے۔
 بچوں کو سمیٹ کر رکھا ہے۔ بہت محبت کرتی ہے ا غصہ آنے لگا۔

”یہی وقت ہے اگر تم نے نہیں کی تو میں خود سدا سے بات کر لوں گی۔ میری بیٹی کو کیا سمجھ لیا ہے..... سہاگن ہوتے ہوئے بھی سہاگن نہیں ہے۔“

”اچھا آئی..... جارہے ہیں، اسی ٹھیکس نا۔“

میں بتاؤں فرق ناعرج جو ہے مجھ میں اور تجھ میں میری زندگی سلاطین، تری زندگی کنارہ کوئی نظر آتا، اگر تجھ کو کھینچنا نہیں تو کہا سے

”اسی کے ارادے بالکل ٹھیک نہیں لگ رہے تھے اس کی ہمت اس کا حوصلہ..... کافی کا پانی رکھا اور شعلہ اگلاں بھر کر ہونٹوں سے لگا گیا۔

”ای..... میں کیا کروں..... بعض چیزوں پر ہمارا اختیار نہیں ہوتا۔ میں بردہتی نہیں کر سکتی بس کوشش ہے۔ وہ مرد ہیں، فیصلے کا اختیار انہیں حاصل

ہے۔ میں تو بچپن کی محنت کو بھاری ہوں۔ اللہ نے شاید میری زندگی کو یہی نصیبی ہے۔ آنکھوں کی سطح جیسے گلی۔ دل اداس ہو گیا۔

”انزل..... اس ہجر کے سفر میں تمہارے ہاتھ ہے۔“ دیرے سے یونیل کی بیویں کو چھوا۔ عشق
محبت اپنا پن..... دیرے دیرے اس کے وجود میں
کئی سُر سے بجنے لگے۔ بیگی ہوئی آنکھیں محبت کے
ریختی۔

”تو کیا ہوا..... محبت کے نصیب میں تو ہے ہجر
یہ تو ساری عمر ہی اداس و بے گل رہتی ہے۔ محبت مجھے
ہے انہیں تو نہیں نا۔ مچھر صلبہ، برداشت اور سمجھنا بھی
احساس کی شدت سے گلابی ہونے لگیں۔ دکھ..... دکھ
بھی محبت کا۔
کوئی سمجھ سکتا ہے..... نہ جان سکتا ہے۔ رات

”ای..... ماں ہیں نا۔“ آنکھوں کی غمِ سطح کو
 چھوا۔ ”اور مائیں بیٹیوں کے سکھ چین کے لیے کوئی
 ☆☆☆☆

بھوتہ نہیں کریں۔“ اور کافی کی جانب متوجہ ہو کر
 کپٹن کا لگی لگی اور کسی کام سے آتے محد خاموشی سے
 واپس پلٹ گئے۔

اسی نوبہ کی سوں کی۔ عجب لاری کی اور اٹھائی لایا۔ اور وہ بی اٹھائے۔ خر سے سزا

آئے ہیں۔“

”اور ابھی چلا بھی جائے گا۔۔۔ تو ہاتھ تیرہ جا کے ہوئی کرانزلہ۔۔۔ ٹھیک ہے کیا؟“

”میں جانتی ہوں ای ٹھیک نہیں ہے مگر کاسٹ دل کیسے دراز کروں، کیسے امید کا دامن پھیلاؤں۔“

اس نے سوچا پھر بولی ”ای میں بات کروں گی۔“

”اگر تو تیسری دفعہ خالی رہی نا تو پھر دیکھنا تیرے اور سعد کے سارے ہی کسی بل ٹکال لوں گی۔“

انسان لوں لوں، خادماؤں، نوکرائیوں کو بھی ان کا حق دیتا ہے۔ کوئی اتنا شقی القلب نہیں ہوتا۔“

”ای۔۔۔ مجھے رعب چاہیے خیرات نہیں۔“

”اور۔۔۔ وہ تجھے کچھ نہیں دے گا۔“

”ایسا تمہیں ای۔۔۔ انزلہ کا بل سکر گیا۔“

”جو نظر آ رہا ہے اسے دیکھ کر بے کنبے پر نہ جا۔۔۔ میں تجھے نام دے رہی ہوں۔“

”جی۔۔۔ ای۔۔۔“ دھڑ سے کہہ۔ اسے

شمت نے روتا آیا۔ سامنے سے سعد آرہے تھے۔

ضبط کرنا تھا اور وہ بھی قیامت کا۔

”ٹھیک ہے ای بعد میں بات کریں گے۔“

اس نے فون بند کر دیا۔

”جی۔۔۔ کچھ چاہیے تھا؟“ وہ کھڑی ہوئی۔

”ہاں۔۔۔ ایک کنگ چائے کا مل جانے۔“

”جی۔۔۔ ایک کنگ چائے کا مل جانے۔“

”جی۔۔۔ ایک کنگ چائے کا مل جانے۔“

”جی۔۔۔ ایک کنگ چائے کا مل جانے۔“

”جی۔۔۔ ایک کنگ چائے کا مل جانے۔“

”جی۔۔۔ ایک کنگ چائے کا مل جانے۔“

”جی۔۔۔ ایک کنگ چائے کا مل جانے۔“

”جی۔۔۔ ایک کنگ چائے کا مل جانے۔“

”جی۔۔۔ ایک کنگ چائے کا مل جانے۔“

”جی۔۔۔ ایک کنگ چائے کا مل جانے۔“

”جی۔۔۔ ایک کنگ چائے کا مل جانے۔“

”جی۔۔۔ ایک کنگ چائے کا مل جانے۔“

”جی۔۔۔ ایک کنگ چائے کا مل جانے۔“

”جی۔۔۔ ایک کنگ چائے کا مل جانے۔“

”جی۔۔۔ ایک کنگ چائے کا مل جانے۔“

”جی۔۔۔ ایک کنگ چائے کا مل جانے۔“

عالم بے خودی میں سجدہ چوکے تھے اور جیٹس کی سرچنگ دک گئی تھی۔ فضا ترم سے بھر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

بعض اوقات ہماری غلطی نہیں ہوتی اور ہم قصور وار گردانے جاتے ہیں اور تصور جانے کے بعد ششدر کھڑے رہ جاتے ہیں۔ اور دل کے جذلوں

کے سمندر میں بس خیل خیال سوچنا رہتا ہے کہ کہیں ہمارا سیر زندگی جھل جھٹ کے نام پر رانگا نہ ٹھیں۔

محبت کے نام پر اپنی ذات۔ جن کے کام کیلئے ہوئے اشک چھپانا، انہیں سنہا نا ممکن تھا تھا۔ وہ عندیہ ضبط

سے شدت کر یہ کھنسیال رہی تھی ابھی نہیں۔ چھت کی جانب دیکھا رہا ہوتا ہے میں بس چند کھنوں کا ہی

توقا صلے ہے۔

”اے اشک ذرا۔۔۔ سنہیل جا۔“

میں۔۔۔ میری تہائی اور کمر۔

ہم دونوں ایک دوسرے کا درد بانٹ لیں گے۔

بس۔۔۔ تو اس وقت ذرا سنہیل جا۔ اندر شور جاری تھا۔

آپا کی آواز۔ زارا آپا کی فکر ہے اندازہ خال ضروری گا

واو یلا۔۔۔ اور اس پر سعد بن وقاص کی خاموشی۔ ”جرم

محبت ہے یا محبت جرم ہے۔“ دھڑ سے بریانی کو دم

پر رکھ دیا پھر وائٹ ٹو سے کی جانب بڑھی۔

”اب میرے جذبے یوں بے توقیر اور رانگا ہوں گے“ حالانکہ معاملہ کچھ بھی نہیں تھا مگر

تھی۔ وہ ادھر بے کر جا رہا تھا ہاتھ کھینچ، ہاتھ آخر میں ناراض ہو کر پور بھاگا۔

”میں نہیں بولتا آپ سے۔“

”مون۔۔۔ مون۔۔۔ تم مجھے بہت تنگ کرتے ہو۔ پٹائی ہونے والی ہے تمہاری۔“ وہ چیخے سے

چچی۔ اسی وقت سعد کی بڑی بہن آپا اور زارا آپا اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے یہ جملہ نہیں کیا۔

”اور کھانا تیار نہ ہوا تو شور مچاؤ گے۔“ مصروف سے اعزاز میں کچی جاری تھی۔ ”مشکل میں ڈال

دیتے ہو تم۔ بہت کندہ ہے بچے ہو تم۔“

”ہاں بھئی، اب ہمارے بچے برے بھی ہوں گے۔ کندہ ہے بھئی، ان کی شکایتیں ان کے باپ سے بھی

کرو گی اور مار بھی پڑاؤ گی۔“ از پخت سنا پی کچن کے دروازے پر آکر بیٹھیں۔ انزلہ کر بڑا کر مڑی۔ ان

کے پیچھے زارا آپا۔ ”کرم کرم کھیر کا چچو اس کے پاؤں پر کھرا۔“

”آف۔۔۔“ لفظ اور جلن ایک ساتھ لگے۔ گھبرا کر پاؤں اٹھایا تو گریڈ میں ہاتھ گرم دیکھی کہ چھو گیا۔

”آف!“

”ابھی ہم زندہ ہیں اپنے بچوں کو سنہیل لے لے، کسی ذمہ میں مت رہنا تم۔“ آگے آگ اور پیچھے

شٹل۔ پاؤں کی جلن دیکھنے کے بجائے دوبارہ پلٹ کر آپا کے سرخ چہرے کو دیکھا۔

”ہو گیا ہے آخر۔“ اور اٹھا ہوا پاؤں مٹنے سے گھٹنے تک گرم اودن سے ٹکرا گیا۔ جس میں اوپر

کھیلے بچوں کو سر پرانز دینے کے لیے کیک بیک ہونے کے لیے رکھا تھا۔ مون کو ایسے سر پرانز بہت پسند تھے۔

”خبردار جو جھوٹی شکایتیں لگائیں، دکھا دیا نہ سوتلائیں۔“ وہ ہچکچاہٹ کر رہی تھی۔

”پاپا۔۔۔“ ہر سے بہت زور سے مون کی پیچ بلند

ٹانگ اوپر سے نیچے تک چلی ہوئی تھی اودوں کے ساتھ لگ کر۔ کلائی کے آبلے..... دل جلا رہے تھے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی اپنی بے بسی اور اپنے دکھ سے لگن لگ کر۔

☆☆☆

نہ روا کی نہ نرم ہو گیا۔ صبح وہ اپنے ساتھ منگ دی کرتی روم سے نکل آئی۔ آج پھر ہی نہیں۔ خالد صغریٰ اور زارا آئی جا چکی تھیں۔ مون اور ایمان کو ناشتا کرایا۔ سب کے لیے ناشتا بنایا اور کمر کے معمولات میں لگ گئی۔ زخم گراہ نہ کر اس کے ساتھ تھے حتیٰ الٰہی انکس۔

”تم نے بتایا ہی نہیں کہ مون کے چوٹ لگی ہے۔ وہ تو صغریٰ کا خون آقا تو چا چلا۔“ حمیدہ زبیر لگائی سے اوپر اُٹھ کر دیکھ رہی تھیں۔

”ای..... اتنے خوش خیال ہی نہ آیا۔“
”دکھ رہے ہیں؟“ مسدک جانتا دیکھا۔
”مون سو رہا ہے۔“ سعد اخبار لے کر اُپر ہی آگئے۔

”آپ ٹھیک ہیں نا۔“

”اس میں ٹھیک ہوئی۔ تم اپنی سزا دوں گے تمہاری خال کلائی کتنی بھری ہیں۔ کیا دکھایا ہے انزلہ نے سوتا ہیں۔ تمہارے بغیر بچوں کو پال رہی ہے۔ محبت، خیال، دھیان، پڑھائی توجہ سے..... ان کے پیچھے اپنی جوانی، اپنا حسن اپنے ارمان مار رہی ہے اور تمہاری بہنوں نے لمبی میں اسے سوتیلی بنا دیا۔“

”ای..... پانچ۔“ انزلہ گھبرا کر ان کی جانب بڑھی۔ ”ایسا کچھ نہیں ہے۔“ سعد دونوں کو دیکھنے لگے۔
”لوں۔“ پوچھیں اس نے نہیں ڈرایا دھکیلا۔ بچہ مار کے ڈرے ہم کیا تھا۔“
”آپا ایسا نہیں ہے۔“ مڑ کر بتی سے انداز میں

نے ہاتھ جھٹک دیا۔
”ہوڑ دو بی بی، یہ سب تمہاری ہی وجہ سے تو ہوا ہے۔ تم نے بچے کو بھرتیس ڈرا تیس نہ وہ یوں چلاوا بناتا۔“ آپا نے اسے ہٹا دیا۔
”آپا میں نے کیا..... کیا ہے؟“ وہ چکا چکا ہوئی۔

”تم ہی تو کہہ رہی تھیں کہ ابھی باپ سے پتو کی ہوں۔“
”ایسی بات نہیں ہے آپا، میں مون کے لیے سر پر انزیک بننا ہی تھی وہاں سے ہٹ نہیں سکتی تھی اور یہ مجھے تنگ کر رہا تھا کہ اوپر چلیں..... چنگ اڑانا سیکھیں۔“

”بس بی بی، ہم نے جو دیکھا ہے وہ کہیں گے، سوتیلی ماں سوتیلی ہی ہوتی ہے۔ اپنے بچے کی آس ہو گی تو ان بن ماں کے بچوں کو کھڑا کرے گا۔“ آپا کا لہجہ ملول ہو گیا۔ انزلہ کا منہ کھلا رہ گیا۔ بات کو کیا رنگ دے رہی تھیں وہ مدح پتے تھے۔ مون ان کے ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ شدید بے بسی کا احساس ہوا۔ اب وہ سوتیلی ہوئی۔ جھگڑے سے مڑی اور باہر نکل آئی۔ زمین پچھلے دوروں سے میں سنا جانے۔ سعد نے کیا سوچا۔ کچھ نہیں بولے۔ یقین کر لیا کہ ان کے بہن کی باتوں کا..... اس کا سخت، اس کا خیال اس کے آنسوئیں تھم رہے تھے۔ رات نہ چاہتے ہوئے بھی ساری ڈنٹے داریاں بھا کر کمرے میں آئی۔ دروازہ بند کیا اور اس دروازے کے ساتھ پھنسی چلی گئی۔ آنسو تھے کہ ٹوٹ ٹوٹ کر برسر رہے تھے۔ وہ تو بچی کا ماں ساں رتبہ چاہ رہی تھی اور..... اسے سوتیلی ماں کا وجہ دے دیا گیا۔ اس کا قصور..... اس کا بھروسہ..... خیر خواہ کوئی نہیں..... سزا دیا..... اس کا احساس اس کا دل جبر رہا تھا۔ پاؤں کے دھڑ دھڑکاؤ، پیڑی کے دھڑکے میں نہیں ابھی۔ شلوار کا پانچا اٹھایا اور ساکت رہ گئی۔ پوری

سے ہوش ہوا تھا۔ سڈنوں کو دیش اٹھا کر اندر لے گئے۔ آپا اور زارا آپا نے اس کی جانب دیکھا ہی نہیں۔ وہ کمر دودھ لے کر اندر گئی۔
”اوپر..... دھکولے۔“ آپا نے سر جھٹکا۔
”مون کمرہ دیکھ کر رہی تھی چنگ مت اڑاؤ۔“ اس کی زرد رنگت دیکھ کر انکس بھرا آئے تھیں۔

”چلو جاؤ..... سب خالی کرو کر..... بچے کو سکون کی ضرورت ہے۔“ آپا نے کہا شروع کر دیا۔ سعد اور ایمان پہلے ہی باہر تھے۔ وہ بھی باہر آگئی۔
”نکتی چوٹ لگی ہوئی نا؟“ کاروینہ کا قابل فہم ہور ہوا تھا۔ ”ایسا کیا کر دیا تھا بھلا.....“ بچن میں آکر دوبارہ سے جو لے کھولے۔ اپنی جلن اور تکلیف کا احساس ہی نہیں ہور ہوا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد مون کو دیکھ آتی وہ صبر ہوا تھا۔ سب لاؤنج میں تھے۔ اس بار وہ لاؤنج میں چائے دینے آئی تو باہر ہی ٹھک گئی۔

”خردار..... جو کوئی دوسرا بچہ..... دیکھو تو ابھی سے سوتیلی بن گئی ہے، کہہ رہی تھی باپ سے پٹوؤں کی بہت تنگ کر رکھا ہے تم لوگوں نے، پتہ تھا سم کیا۔“ آپا کی آواز دھیمی تھی۔ انزلہ ساکت رہ گئی۔ سعد چپ تھے۔
”یہ دو بچے ملی جائیں، بہت ہیں، جانے تمہارے بعد کیا حال کرتی ہو گی۔“ آپا کا بس نہیں چل رہا تھا۔ وہ دیوار سے لگی تھی۔ ”یہ سیرے خلاف ہیں۔“
”ہور ہا ہے۔“ اس نے تو بچی نہیں پیار میں بھی نہیں مارا۔ اور آپا..... اس کا گلہ رند نہ لگا۔ بچن میں پلٹ آئی اور چائے زری کے ہاتھ اندر بھجوا دی۔ قابل یقین بات تھی۔ اس کے وجود میں خاموشی کے دھڑکتے چلے گئے۔

”سعد نے یقین کر لیا، وہ کیا سوچتے ہوں گے؟“ اور جب رات کو مون کو کھانا کھلائے تب بھی تو آپا

ہوئی۔
”بھائی۔“ ایمان کا دل دہلا دینے والا لہجہ۔
”ایسا خیر۔“ اپنی تکلیف، اپنی جلن بھول کر وہ باہر بھی گئی۔ مون اوپر سے کرتا ہوا آ رہا تھا۔ جانے کیسے بیڑیوں پر پاؤں پھسل گیا تھا۔

”بھائی..... بھائی..... مون..... سعد اور ایمان بھاگتے ہوئے اتر رہے تھے۔

”مون..... مون..... میرے بچے۔“ انزلہ بھاگی۔

”ڈرامے باز۔“ آپا پیچھے تھیں۔ جھپٹ کر مون کو اٹھایا۔ وہ بے ہوش تھا۔ سر سے خون نکل رہا تھا۔ گھٹنا چھل گیا تھا۔
”کیسے گرا ہے؟ وہ صدمہ کو کچھ کر چلائی۔

”چنگ اڑا تے ہوئے پاؤں پھسل گیا۔“
جھپٹ کر مون کو اس کی گود سے لیا۔ ایمان نے گاڑی کے دروازے کھولے۔ اتنی دیر میں انزلہ بھاگ کر اندر سے چابی لے آئی۔ سعد نے گاڑی ان اشارت کی۔ آپا آرام سے اسے ہٹا کر آگے بیٹھ گئیں۔ زارا آپا اور مون پیچھے۔ گاڑی باہر نکل گئی اور تلخ وقو محاش انزلہ حواس باختہ کھڑی رہ گئی۔ آپا کا انداز..... ان کا لہجہ..... ان کا رویہ.....

”کیوں؟“ اپنی تکلیف..... اپنا دکھ..... اپنی جلن بھول گئی۔
”مجھے کسی نے گاڑی میں نہیں بٹھایا۔ مون کیسے گرا گیا۔“ اس کا دل بند ہونے کو تھا۔ اپنے چلتے ہوئے دھڑکاؤ سے..... سارے چہرے بند کر کے باہر آگئی۔
”یا اللہ مون ٹھیک ہو۔“

سعد کے موبائل پر رینگ گیا۔ بیل کی آواز قریب سے ابھری۔ بیل فون سامنے سا نہ ٹھیک پر پڑا تھا۔ وہ آگیا۔ بہت دیر بعد وہ لوگ آگئے۔ مون کے سر پر پٹی بندھی تھی کٹنے پر بھی بیڑی نہ تھی۔ وہ صرف خوف سے

بے جان سی نظریں آیا پر انھیں جو سوئے ہوئے سون کے بال سنوار رہی تھیں۔ ایک ہاتھ میں ایمان کا ہاتھ تھا۔ وہ باہر چانا ہو رہی تھی۔ چل رہی تھی۔

”پاپا! پاپا! ماما کو دیکھنا تا۔“ اور پاپا دم سادے سادے لفظوں کے پر دم میں اتر رہے تھے۔

”عشق۔“ عاشقی۔ محبت۔ مرنے والی راج کر رہی ہے۔ تجھے خاک کے سوائے کیا ملے گا۔“ کل کی آواز دی اور پھر بجتی گئی۔ لیکن میں کام والی زری پہلے گیٹ کی جانب بھاگی پھر اندر بھاگی آئی۔ ”صاحب، کوئی سستی صاحب آئے ہیں۔“

”سستی؟“ آپا چوکی۔

”سستی!“ سعد نے زری پر ڈھکڑیا۔

”جی۔ صاحب۔“

”انھیں اندر لاؤ۔“ حواس واپس آنے لگے۔

”یک نظر آیا اور بچوں پر ڈالی۔ آپا کا دینا ایک دم سے ایسا کیوں ہوا؟ اور آئی۔۔۔۔۔ باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔

☆☆☆

شام گزر گئی۔ رات آگئی۔ وہ ساکت کار پٹ پر بیٹھ سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ سامنے کے زخموں پر امی نے مرہم لگا دیا تھا۔ اندر کے زخم رسنے لگے تھے۔

یہ اس کے ساتھ کیا ہو گیا تھا۔ اس کا قصور۔۔۔۔۔ آپا کو کیا ہوا تھا۔۔۔۔۔ اور سعد نے بھی نہیں روکا۔۔۔۔۔

مولن تو سو رہا تھا ایمان نے بھی راستہ نہیں روکا۔ ”اے۔۔۔۔۔ اللہ؟“ آنسو سوچ سوچ کر کل رہے تھے۔ آنکھیں سوچ کی تھیں۔ کھانا جو کاتوں رکھا تھا امی سوئے چلی گئی تھیں۔

”ساری رات سوچ لے میں وکیل کر کے طلاق دلاؤں گی تجھے۔ وہ بے وردہ بیت لوگ بے لوث جڈیوں کو کیا جائیں۔ انھیں سوتیلی ماں ہی چاہیے۔ سب دروازے کھڑکیاں کھلے ہیں بھانگنا مت۔ رات کی تار بجی میں ان لوگوں کے لیے بے رحم گوئی تو

اس مرد کی عاشقی میں دل رہی ہے بیگا رادا کر رہی ہے، کیا حاصل جو تیرا ہے ہی نہیں۔“ حمیدہ انزل کو گیٹ تک لے آئیں۔ پیچھے کو نہیں آیا۔ ایمان۔۔۔۔۔

مولن۔۔۔۔۔ سعدنا پاپا۔ سعدنا کھڑے تھے۔

”امی! نہیں۔“ جھٹکے سے مڑی۔ ”بچہ مر جائیں گے میرے بچہ۔“

”اے۔۔۔۔۔ دیکھ لے۔“ حمیدہ بیٹم نے جھٹکے سے ہاتھ چھوڑا۔ وہ پیچھے جا کر گی۔ دو ہاتھوں میں دل الجھا۔ بال کل کر شالوں پر بکھر گئے۔ انزل پالکوں کی طرح پیچھے چلی۔

”بچہ بھی نہیں آئے تیرے پیچھے۔ جن کے لیے اسنے دن رات کال کر رہی ہے۔“ دو رنگ سناٹا تھا۔ امی ٹھیک کھڑی تھیں۔ ”بچہ بھی نہیں آئے تھے۔“

”جی وائسڈان آکر گیٹ پر رہی۔“

”چل اٹھ اب۔۔۔۔۔“ گاڑی سے اترنے والے نے انزل کو کرا ہوا بھی دیکھا اور حمیدہ بیٹم کو چلاتے ہوئے بھی۔ اور حیران بھی ہوا۔ اور وہ اٹھ گئی۔ دل چھٹ رہا تھا۔

”امی ایک دفعہ بچوں سے مل لوں۔“

”انزل۔۔۔۔۔“ حمیدہ بیٹم رو دیں۔ ”مت کر ایسا۔۔۔۔۔ مت کر اپنے ساتھ ایسا۔ محبت بچہ نہیں ہوتی، مت رو لیں ان کی خاطر اپنی جوانی۔“

”امی! وہاں پہنچل رو دی۔ لیفان گاڑی آگے لے آیا حمیدہ بیٹم نے ہاتھ پکڑ کر اسے گاڑی میں دھکیلا اور خود بھی بیٹھ گئیں۔ گاڑی آگے بڑھ گئی۔

نفا میں غیر معمولی سناٹا چھا گیا۔ گیٹ پر چوکیدار موجود نہیں تھا۔ آنے والے نے تیل پر ہاتھ رکھا اور اٹھانا بھول گیا۔ یہ منظر دیکھ کر وہ۔۔۔۔۔ اپ سیٹ مائنڈ ہو رہا تھا۔ ساکت کھڑے سعد بن وقاص کو کتلی کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ”یہ کیا ہو گیا۔“

کیکر ہوا۔۔۔۔۔ آئی کیا کھڑی تھیں۔ اور آپا۔۔۔۔۔

لٹا دے اپنا من، اپنا تن اپنا آپ مار دے۔۔۔۔۔ کر سوتیلی ماں سوتیلی ہی رہتی ہے، چل اٹھ۔ مل گیا تنغا تجھے۔“

”ا۔۔۔۔۔ سی۔۔۔۔۔!“ بے بسی سے گریہ زاری سے دیکھا۔

”کیا جوئے کھا کر بھٹکی گی؟“ حمیدہ بیٹم کا غصہ کم نہیں ہوا تھا۔ ”ان جیسی عورتوں کی وجہ سے سوتیلی ماں کا لفظ اٹھ نہیں رہا دینا سے۔“ جھٹکے لگا ہوں نہ آپا کو دیکھا۔

”سچ۔۔۔۔۔ تو کروا دھوتا ہے اور ہم برے ہیں۔“

آپا نے برابر کا جواب دیا۔

”پلیز۔۔۔۔۔ پلیز!۔۔۔۔۔“ سعداٹھے۔ ”میں تو۔“

”تم تو میاں چپ رہو۔۔۔۔۔ جا کر کمرے میں بیٹھو اور بے جان تصویر پر سے دل بھلا دو اور اپنے بچوں کے لیے دوسری تو کرنا بھی خرید لیتا جو بے لوث، بے غرض اور ہمدرد ہو۔“

”چل اٹھ۔“ انزل کا ذمہ خوردہ ہاتھ پکڑا۔ اس کی چیخ لگی تھی۔

”یہ ہاتھ کیسے چلا۔۔۔۔۔ اور یہ پاؤں۔“ ماں کو ان دیکھے بنانا سے ذمہ لے کر آئے۔

”بس ان کھاد کے لیے تو بیٹھی تھی۔“ تاسف سے دیکھا۔

”امی نہیں۔۔۔۔۔ پلیز امی، نہیں۔۔۔۔۔ مولن میرے بغیر نہیں رہ سکا۔ ایمان ڈر جائے گی رات کو۔۔۔۔۔ امی پلیز۔۔۔۔۔ امی پلیز۔۔۔۔۔“ بے درد ہو کر حمیدہ بیٹم اسے کھینچے ہوئے باہر لے جانے لگیں۔ انزل چل چل کر روئی۔

”ان کے سنے ہیں ان کے پاس انہیں تیری ضرورت نہیں ہے، دیکھ لے عاشقی کا نتیجہ۔۔۔۔۔ مرد کی محبت عورت کو کہاں کھینچتی ہے، عورت کی عاشقی اسے خوار کر دیتی ہے۔“ دیکھ ایک مرد کی محبت مر کر بھی اس کے سینے میں اس کے کمرے میں راج کر رہی ہے اور تو

انہیں دیکھا۔ اس کی متورم ٹھیکیں، آنکھوں کے آنسو کوئی نہیں دیکھ رہا تھا۔ ماں کو سنا ہوا نظر آ رہا تھا۔

”اگر کہہ بھی دیا تھا تو کیا ہوا ماں بنی ہے۔ دن رات ایک کر کھائے اس نے ان بچوں کے پیچھے ماں کا ہاتھ رکھا نہ کسی اور کا۔۔۔۔۔ سلسلے میں کیا مل رہا ہے اے؟“

حمیدہ آج دونوں سوڈن میں تھیں۔

”امی۔۔۔۔۔ پلیز! اندر چلیں۔“ انزل نے ان کا ہاتھ کھینچا۔

”اور میں تم اسے کیا دے رہے ہوں اعتبار، نہ محبت۔ ارے۔۔۔۔۔ کوئی غیر بھی اس طرح سے بچوں کا خیال رکھ لیتا ہے تو اسے سراہا جاتا ہے، محبت دینی جاتی ہے اور تم۔۔۔۔۔“ سعد بڑا گئے۔ انہیں احساس ہونے لگا ان کی خاموشی معاملے کو طول دے رہی ہے۔

”ارے لے جائیں اتنا ماں ہے تو ہیں نہیں چاہیے۔“

”ہا۔۔۔۔۔ ہا۔“ انزل آپا کے ان لفظوں پر ڈسے گئی۔

”بہت مل جائیں گے خدمت گار۔“ نخوت بھرے اعزاز سے سر جھکا۔ ماحول میں ایک لمحے کے لیے سناٹا چھا گیا۔

”لے جاتی ہوں بھاری نہیں ہے میری بیٹی جھجھ پر۔۔۔۔۔ اور نہ ہی لاوارث ہے۔۔۔۔۔ امی پر حقیق کا بھوت چڑھا تھا، بچوں کی محبت میں مر رہی تھی۔ ہائے بن ماں کے سینے ہیں۔“ حمیدہ تو جلال میں آنکھیں دیوے ہی وہ انزل کی خدمت گزاری اور سعد کی خاموشی سے جلی جی بیٹھی تھیں۔ بچوں کے پیچھے ان کی بیٹی زار رہی تھی حاصل نہ وصول۔ سعد نے چونک کر ساس کے لفظوں پر غور کیا۔ وہ اب انزل کو جھٹکے سے اٹھا رہی تھیں۔

”جن بچوں کی ماں میں مرجاتی ہیں وہ دن ماں کے رہتے ہیں۔ لاکھ کوئی دوسری عورت ان پر جان

”آپاسے ان کا فیصلہ ہو جو وہ کیا چاہتی ہیں اور کل آدمیوں سے جائزہ لو۔۔۔ کہ کیا ہوا ہے۔“

باقی کسی کو قصور وار نہ بناؤ گئے تو خدا کی بڑی مشاجرا آگئی۔ کیوں وہ زندگی کا سکون خراب کر رہی ہیں۔۔۔ سعد اسے کہنے لگے۔ ”میں کل مجھ کو گاں“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”ابک بات یاد رکھ مزدوں کا حق نہیں دیا کرتے۔“ سعد اسے دیکھتے رہ گئے اور وہ باہر نکل گیا۔

آپانے کھانا لا دیا۔ بچوں نے نہیں کھایا ان کے حلق سے بھی نوالے نہیں اترے۔۔۔ منیل سے اٹھ گئے۔ رات نو بجے، موروں کو لینے آیا کھر میں مہبان آنے سمجھ کر دوھاے۔

”میں صبح آؤں گی“ اتنا کہہ کر آپا چلی گئیں۔ کھر میں سنانا چھو گیا۔ زری چونکا دی کہ بیٹی تھی۔ اپنے

ماحولیات سے بہت دور تھا۔ جون 2012ء

”سنی! آخنی رک ہی نہیں رہی تھیں۔“ بے بسی سے سر اٹھایا۔

”انہوں نے ٹھیک کیا۔ وہ ماں تھیں اور میں بیٹیوں کی اسودگی کے لیے فیصلے کیا کرتی ہیں۔ جس فیصلے میں عزت نہیں محبت نہیں کیا فائدہ ایسے مصلوں کا جو زندگی پر بارین جا میں اور کیا کیوں نہ ہو۔“ سنی حقیقت میں دیکل صفائی بنا تاخوت قدم اٹھایا۔

”ہوا تھا۔“

”ظاہر ہے اسی کی وجہ سے یہ سب ہوا ہے سنی! نذوہ بچہ کو کھڑی نذوہ کہ جاتا“ آپا اندر آگئیں۔

”کیا یادس کا بچوں پر کوئی حق نہیں ہوتا آپا۔۔۔۔۔“

”وہ اتنی کم عمر ہے جس میں ہی خود بچی کی گئیں مجھے۔۔۔۔۔“

”کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے ان کی پچھلے اہد سال کی خدمت کو مت بولے گا آپا۔۔۔۔۔ میں توان کے جذبے سے بہت متاثر ہوا ہوں۔“ سعد سخت شرمندہ طور پر تھے۔ بھی مومن اندر آگیا۔

”آپا۔۔۔۔۔ اما کوھر میں؟“ مومن سعد کے پہلو میں آجیٹھا۔

”جی گئی ہے وہ۔۔۔۔۔ اور آؤ۔۔۔۔۔ کیا چاہتے ہیں۔۔۔۔۔“ آپا نے اسے ساتھ لگایا۔

”کیاں گئی ہیں وہ؟ مجھے بھوک لگی ہے۔ مجھے ان کے اچھے کھانے ڈال رکھا نے ہیں۔“ وہ کھٹکا۔

”ابھی آج ہی ہیں۔“ سعد نے مومن کے شانے پر ہاتھ پھینچ لیا۔

”انہیں سچ بتاؤ۔“ سنی کا لہجہ سخت ہوا۔

”سنی!۔۔۔۔۔ سعد نے گھر کا۔۔۔۔۔ جی ایمان اندر آگئی۔ رویا روپا چہرہ تھا۔

”کیا ہوا بیٹا!۔۔۔۔۔ سعد نے ہاتھ پھینچ لیا۔

”آپا۔۔۔۔۔ وہ رو رہی۔“ مجھے بھوک لگ رہی ہے میں نے اما کو فون کیا۔۔۔۔۔ جلدی آئے۔۔۔۔۔ مجھے میڈیج کھانا ہے۔“ اس کا لہجہ بھر گیا۔ ”نانا ہی نے

”ایسا کوسو تیلان دکھا دیا تھا انہوں نے؟“
 طرے سے سہکو دیکھا۔ ”مولا کو مارا تھا۔ کمرے میں بند
 کیا تھا..... بھوکا رکھا تھا، خوف زدہ کیا ہوا تھا اور مون تو
 کمرہ کی تیرے سامنے ہی تھا..... اور تم نے انہیں روکا
 بھی نہیں..... نکالا دیا۔“
 ”میں نے نہیں نکالا..... سہنی۔“ سعد نے سر
 اٹھایا۔
 ”تم نے ہی نکالا ہے۔ تہہ ہارا کمرہ تمہارا حکم
 چلا ہے۔ آپ تمہاری بہن ہیں آپ کا فیصلہ کر تہہ ہاری
 خاموشی نے مہر لگا کر تمہارا فیصلہ بنا دیا۔“ سعد گڑبڑ
 مغمے۔
 ”میں نے ٹپکی بارانزل بھائی کو دیکھا ہے۔ کتنی
 کم عمر، معصوم اور ڈٹے دائیں، انٹن والدہ کھینچ کر
 لے جا رہی تھیں اور وہ بچوں کے واسطے دے کر رکتا
 چاہ رہی تھیں اتنی ذات کے باوجود.....“ سہنی انہیں
 شرمندہ کر رہا تھا۔
 ”میں خود نہیں جانتا یہ سب کیسے ہوا بالکل
 آجاک ہوا۔“
 ”تم کوئی میلے میں کم ہوئے نہیں تھے سعد،
 تمہیں روک کر سارا مسئلہ سننا چاہیے تھا۔ آپ کی غلط فہمی
 دور کر دینی چاہیے۔ ایک معصوم عورت چار سال سے
 تمہارے بچوں کو سنبھال رہی ہے، پال رہی ہے
 زمانے کے سرد گرم سے بچا کر رکھ رہی ہے، اپنا آپ
 تھارے اس کے پاس صلہ..... اور تم نے اسے کیا دیا ہے
 گاٹی، بدلتا چلتا..... زندہ بیوی کی موجودگی میں سہنی
 کوئی شکم کی محبت میں جلتا..... وہ سہنی سے دیکھ رہی ہے
 اور نہ سے کچھ نہیں کہہ رہی بھڑکی اسی گھر پر ان بچوں
 پر اپنی محبت تھارے ہے۔ کس قدر خود غرض انسان ہو تم،
 میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا.....“ سہنی انہیں آئینہ دکھا رہا تھا
 تو انہیں نظری نہیں آیا۔ ”بچوں کو بھی تو نے ان کے
 پیچھے نہیں جانے دیا۔“

آگے دروازے بند نہیں گئے۔ لوٹ کر آؤنگی تو میں
رواۂ زمین کھولوں گی۔“ ای کاؤد کو انداز تھا۔ اس
کی زندگی کے فیصلے کی ذمہ داری اس پر تھی۔ وہ شروع سے اس
بچوں کے باپ سے شادی کر لی۔ وہ شروع سے اس
بچے کے خلاف تھیں مگر ان کا عشق، ضد، محبت.....
وہ بھی غصے سے معموم بچوں کی وجہ سے مان گئیں۔
ایک ایسی ہی دم مرگ تھیں سنبھال نہیں سکیں بچوں کو۔
لیکن اس قدر ناقد رہی۔ چہرہ ہیکم کے وجود میں بھائی
سے مل رہے تھے۔ طلاق..... بھنگی..... کا احساس
اسی سو ان روح تھا۔ اس کا بدن خالی ہو رہا تھا۔
مجھ جیسے جید نماز پڑھ کر اس کے کمرے میں
آئیں تو آئیں ہو گئے۔ ہم ہی بغیر کسی بغیر جا رہے
کے کارپٹ پر سکر کی کٹی پڑی ہوئی تھی۔ سنا ہوا بچہ
بہرہ دھیرے سے اس پر چھو کر ماری اور کبل ڈال
کر باہر نکل آئیں۔
”میں تیری ماں ہوں انزلہ تو میری ایک ہی
بیاری بنی ہے، کہاں جی لگا کبھی۔ خاندان والے
بیاری پہلے ہی کہتے ہیں وہ بچوں کے باپ سے بنی کو بیاہ دیا۔
میری جان اگلے ہی تو میری قدر کر لیں نا..... نہ سنا
لا نہ نہ بچہ بھاگے آئے۔“ کھلی آنکھوں سے بچہ سو رہا
تھوڑا سا اندھا لانے لگے۔ آؤ سونے لگے۔
”لفظہ عدوی میری بچی کو سہرا دے، اس کے حق
جو سہرا ہے وہ کہہ دے۔“ انہوں نے بچہ سو رہے
پیشانی کھ کر دعا کے لیے ہاتھ چملا دیے۔
☆☆☆
سینٹی..... دم بخود تھا۔ اس کے سامنے سعد سر
کھائے بیٹھے تھے۔ وہ تو خوش خوش ملنے آتا تھا۔ اگلے
تھے یہ لوگ فارم ہاؤس جا رہے تھے۔ انہیں دعوت
ہی آتا تھا سب ل کر ایک ہفتہ گزاریں گے..... اور
ہاں..... تاسف سے سعد کو دیکھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

”ایمان درودی۔۔۔“ ایمان درودی۔۔۔
 ”کیوں آگئیں آپ داور۔۔۔؟ میں نے آپ کے پاس رہتا ہے۔“ سنی اور سعد۔۔۔ اندر آگئے۔
 سعد شرمندہ تھے۔ سب کچھ سنا ان کا حق تھا۔ سر جھکا لیا۔ مون باہر آگیا۔ حیدر بیگم اندر چلی گئیں۔
 ”تم۔۔۔ داور کیسے؟“ مون نے ساری فکر دور کر دی۔

”میں ماما کے پاس آ رہا تھا راستے میں سنی انکل مل گئے وہ چھوٹے تھے آپ اور اب میں کبھی نہیں جاؤں گا۔۔۔ ماما کے بغیر۔“ مون نے انزل کا ہاتھ تھام لیا۔
 ”اور میں بھی۔“ ایمان نے اس کے گرد بازو حائل کر دیے۔ انزل نے دونوں کے رول پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ سعد مون نے پیٹھے اور سنی کی طرف دیکھا تو یہ ساری پلانک سنی کی تھی جی وہ سیدھا سارے ادھر لے کر آیا۔ سارا دن خوار کروانے کے بعد۔
 ”یہ بہت ضروری تھا۔“ سنی نے سعد کا ہاتھ تھام لیا۔

”ہاں۔“ سعد نے گہری سانس لے کر انزل کو دیکھا۔ ”یہ بہت ضروری تھا زندگی کو گزرنے کے لیے۔“ گلگا ساحلہ۔۔۔ بھڑکے۔ سو۔۔۔ سو۔۔۔ چہرہ دکھائی دینا بندھی تھی۔ یہی پریمی بیڑ تھی۔ اس کی جانب دھینے سے گردن آج سے پہلے تک ہمیشہ اسے تک سکہ سے تیار دیکھا تھا۔ حیدر بیگم آگئیں۔
 ”کیا سوچ کر ادھر آئے ہو میاں۔۔۔ تمہاری بہن نے کیا سلوک کیا۔۔۔؟“
 ”میں شرمندہ ہوں آئی۔“ سعد نے دو ٹوک لہجہ اختیار کیا۔

”تمہاری شرمندگی اس کی بے عزتی کا ازالہ کر دے گی۔“ انزل کی جانب اشارہ کیا۔
 ”میں انہیں پلے آئی ہوں۔“
 ”کس کی مرضی سے۔۔۔ بچے تمہارے۔ گھر

تمہارا اس کا کیا جب اسے بیوی کا درجہ ہی نہیں ملا۔۔۔ کسی کو مل بھی دے وہ معاملہ جانے کی۔“ سخت لہجہ تھا۔
 ”آئندہ آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔“
 ”جائے گی تو شکایت ہوگی نا، اس نے اپنی زندگی کو کھلنا سمجھ لیا ہے مگر میں ہوں۔۔۔ مجھے اس کی خوشیوں کی ضمانت چاہیے۔“ وہ شرائط پر اتر آئیں۔ انزل نے تذبذب سے دیکھا۔
 ”میں ہر شرط پوری کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ان کی خوشیوں کی ضمانت دیتا ہوں۔“ سنی آگے ہوا۔
 ”تم۔۔۔ پیچھے ہوا اور سعد کو بولے دو۔“ اسے خاموش کر دیا۔

”میں معذرت کر رہا ہوں آئی اور پوری کوشش کروں گا کہ انہیں مجھ سے شکایت نہ ہو۔“ سعد کا سر جھکا ہوا تھا اور حیدر بیگم کو یقین کرنا تھا۔ ان کی بیٹی پاگل تھی اس کی کوئی کل سیدی نہیں تھی ہمیشہ سے ہی اپنے لیے مشکل راہ کا انتخاب کرتی تھی اور دل لگا بیٹی تھی اور دل کی لگی ساری عمر ہی پر ملا رہتی ہے پھر یہ شخص خود چل کر آیا ہے اسے موقع نہ دے دو۔۔۔ پھر انہوں نے انزل سے کہہ دیا تھا کہ صرف ایک موقع۔۔۔ اور زندگی میں ایک بار اور۔۔۔ ایک موقع ضرور ملنا چاہیے انہیں۔ ایک بار پھر بچوں کی خاطر انزل پر ترس آ گیا تھا۔

”چلیں! سعد، انزل سے کہہ رہے تھے۔ انزل کھڑی ہوگئی۔ بچوں کے چہرے چمک رہے تھے۔ اسے ہر حال میں جانا تھا۔ اس شخص کے بغیر وہ نہیں رہ سکتی تھی۔ زندگی کی سانس سواناں روح تھیں۔ مرنا ہی تھا تو پھر اس قفل میں ہی تھی۔۔۔ محبوب کا دور اور گھر تو وہ گاتھائی کا جنگل نصیب میں ہے تو پھر اس کے گھر کے دروازے پر ہی تھی۔ اس کی خوشبو بچوں میں بھی تو ہے نا۔۔۔ وہ کیسے۔۔۔ جی سکتی ہے اس کے بغیر۔۔۔ اپنے دل کی پیاس بجھائی تھی کوئی اس کے دل سے پوچھتا مگر

پوچھتا کون؟ یہ اس کے دل کی لگی تھی اور یکطرفہ تھی۔ ایک طرف محبت ہمیشہ ہی چمکتے ہوئے سمندر میں رہتی ہے۔ اس کا دل ادا ہونا ہوا تھا۔ اسی طرح سے ملے جلے حیلے میں بکھرے بالوں میں دھم دھم وجود کو مٹاتے۔۔۔ نکل آئی۔ اس شخص کے سامنے ہمیشہ تیار ہو کر آتی تھی۔ قریبے قریب سے راتی تھی۔ اس کی ہاب انھی نگاہ شاید اسے سیراب کر دے۔ آج گلگا سا روپ تھا اور دل کو یقین تھا، اس کے لیے محبت کے سب دروازے بند تھے۔ اللہ نے سارے در بند کر کے ہانے کے لیے اس کا دروازہ آگیا کر دیا تھا۔ بچے بہت ٹوٹ تھے گاؤں میں اس کے شائوں پر سر رکھے بیٹھے تھے۔ اپنے اپنے گھر اپنی پروگرام بنا رہے تھے۔ سنی کے ہونٹوں پر شرمیلی دھن تھی۔ سعد اس کے ڈرامے پر سکر رہے تھے جس نے ان کی جان نکال دی تھی۔ یہ لوگ گھر میں داخل ہوئے تو آیا اپنے بیٹے کے ساتھ چلی گئیں۔ گھر کے دروازے پر دوڑ کر انتر آئی۔

”سعد۔۔۔ میں نے پہلے بھی تمہیں سمجھا تھا پھر سمجھا رہا ہوں زندہ ہو جانا پھر اپنا حق، پہلا اختیار ہوتا ہے اور زندہ بھی وہ جس نے ہمارے پیاروں کو کمیٹ رکھا ہو۔“ سعد نے سر جھکا لیا۔
 ”کسی کو بقا ضرور دینا چاہتا ہوں۔“ اور ناحق جرم سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔“
 ”ماما۔۔۔ ماما۔۔۔ وہ۔“ چکن سے بچوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

”جا تو بھی کچھ لگے۔“ میں ایک ہفتے بعد آؤں گا، ہم لوگ قاضی پر چارے ہیں کوئی عذر کوئی بہانہ نہیں اگر سب قاضی نہیں ہوں تو لوگوں کا بیڑ دم ایک نہیں ہوا تو اب کے تیرے مقابل میں ہوں گا اور خود انزل بھائی کو تیری زندگی سے نکال کر رکھ دوں گا۔“ سنی بھرا ہوا تھا۔ مسکایا دے رہا تھا۔
 ”تم لوگ بھی قاضی پر چلو گے ہمارے

ساتھ۔۔۔ اور۔۔۔“ سعد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
 انہیں ایسا کرتا ہی تھا۔ اب کے بچوں، مگر آئی اور سنی کے نار اور شاد کے ساتھ انہیں بھی انزل کا احساس ہوا رہا تھا۔ اس کی بے لوث چاہت بے لوث چاہے۔ اور یہ اس کے گردیدہ تھے۔ سنی نے انہیں گلے لگالیا۔ انزل کو بڑے زبردست دیکل ملے تھے۔

☆☆☆

رات انزل بچوں کے کمرے میں ہی سوئی۔ دل میں سوچ لیا تھا اب اسے لڑھکی رہنا تھا۔ اپنی ضرورت کی چیزیں یہاں شفقت کر کے اوپر والے اس کمرے کو کیٹ روم بنا دیں گی۔ ناگمیں دیوار والا دروازہ جہاں سے چاند پورا اور درون نظر آتا تھا۔ اوپر کا ٹیسر کچاں پر رکھی کر سبوں پر بیٹھ کر رات گئے تک سعد کو سوچتی تھی اور ان کے ساتھ ٹیسر پر ٹھٹھا چاہتی تھی۔ سب۔۔۔ خواب۔۔۔ سب خواب ہے۔ بچوں کے بچنے پر سر رکھے بار بار آگئیں بھگدے رہی تھیں۔ ایک شخص کی محبت میں جلتا ہو کر ساری عمر کا جبر خیر لیا تھا سب کی ناراضی کا مول وے کر۔۔۔ اور جس بھی وہ جو دوسری محبت میں جلتا ہے۔

رات داور سے دوسرے گھر کی طرف تھی۔ سعد اپنے بیڑ روم میں ٹل رہے تھے۔ بیڑ وہ بھی وہ جو ہر پہلے صبا کی یاد سے ہبکتا تھا۔ اس کے وجود کو مرنے ہی نہیں دیا تھا اس کی خوشبو۔ الماری کھول دی۔ اس کے بیگروں لگے ہوئے کپڑوں پر ہاتھ بھیرا۔۔۔ دھانی ساڑی، سرخ سوٹ۔۔۔ سفید پٹوٹاز۔۔۔ آگئیں بھینکنے لگیں۔۔۔ نیچے حلیات میں رکھے شو۔۔۔ مڑ کر دیکھا۔ ڈریسنگ ٹیبل تک آباد تھی۔ لپ اسٹک، کٹ، چوڑیاں، پھونچو۔۔۔ دوسرے سے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کمرے ہوئے ان کا تنہا روم۔ وہاں بیٹھ کر تیار ہوتی تھی۔ وہ پیچھے بیٹھ کر اسے تنگ کرتے تھے۔ اور جب وہ تیار ہو جاتی تھی تو آٹھ کر اس کے مقابل

”ای تکلیف میں سارے کام کر رہی تھی؟“
”جی ہاں۔“ محبت نے انہیں دیکھا اور انہیں
خود پر تاسف ہونے لگا۔

”تم اپنے دلکھ میں مبتلا ہو کر دوسروں کی محبت
دیکھتے ہیں نہیں ہیں؟“ کس اذیت سے گزر کر دوسرے بیس
خوشیاں دیتے ہیں مگر اپنے لیے سوچتے ہوئے ہم اپنی
ذات میں کتنے خود غرض ہو جاتے ہیں۔“ انہوں نے
خود کو کلامت کیا۔

”اب نہیں۔۔۔۔۔ جب دوسرے ہمارے لیے
جیتے ہیں تو ہمیں بھی دوسروں کے لیے جینا چاہیے۔“
انہوں نے اس کا پاؤں اٹھا کر بیڑ پر رکھا اسے سیدھا
کیا اس کے پیچھے کھینکے گئے اور بچوں کو ڈانٹا۔
”کوئی فرمائش نہیں، ماما نے بیڈ سے نیچے نہیں
اترنا۔ سب کچھ بڑی میڈ۔“

”ہرے۔“ نیچے خوش تھے۔
”ایسی کوئی بات نہیں، میں ٹھیک ہوں چل سکتی
ہوں۔“ انزل بڑھتی ہی ہوئی گئی۔

”بیٹھے جائیں۔۔۔۔۔ ماما کے ہاتھ کا کوئی
تھیں کھانے کا تھیں دن تک۔“ ایک اور فرمان جاری
کر دیا۔ نیچے پاؤں میں پاؤں مل رہے تھے۔
”پاپا رات کا ڈنر؟“ مون کو لنگر ہو گیا۔

”چار۔ دن بعد۔“
”سینی اٹکل کے فارم ہاؤس بھی جانا ہے۔“
”ماما کے ٹھیک ہونے کے بعد۔“ وہ بیڈ پر بیٹھ
گئے۔ انزل تھر سے سٹ رہی تھی۔ جب ہم بدلنے
لگتے ہیں تو سانسے کیوں بدلنے لگتا ہے۔ دل کو سمجھانے
لگتے ہیں تو صبر اٹھانے لگتا ہے پھر سے ضبط میں دراؤں
پڑنے لگتی ہیں۔

”ماما کو آرام کرنے دو۔“
”ماما جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔“ نیچے باہر
نکل گئے۔ انہوں نے اس کی ناگواری پر ہل پر چلا دیا۔

”یہ دیکھیں پاپا۔۔۔۔۔ ایمان انہیں دیکھ کر کہیں
ہل۔ انزل ان کے بیڈ پر پاؤں لٹکا کر کھینچی تھی۔ ایمان
نے ایک دم سے اس کی شلوار کا پانچا اوچکا کر دیا وہ نہ نہ
کر رہی رہ گئی۔ اس کے کھنسنے سے نیچے آ لیے آ جاتے تھے،
پو پوٹ گئے تھے کچھ کی اسکرین ہو گئی تھی۔

”کیا ہوا۔۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔۔“ سعد پر ہکا بکا رہ گئے۔
”ہٹو۔ ایمان کچھ نہیں ہوا۔۔۔۔۔ دو اگانی ہے
میں نے۔“ انزل کڑبڑا گئی۔

”کیسے ہوا؟“ سعد نے ایمان کے قریب بیٹھ کر
ہاتھ لیا۔

”معمولی سا زخم ہے ٹھیک ہو جائے گا۔“ وہ
پانچا چپ کر رہی تھی۔
”یہ معمولی سا ہے؟“ پاؤں پکڑا۔ ”چلو ڈاکٹر
کے پاس۔“

”نہیں۔ چھوڑیں پاؤں۔۔۔۔۔ ٹھیک ہو جائے
گا۔“

”پاپا میں نے ڈاکٹر اٹکل کو فون کر دیا ہے
آ رہے ہیں۔“ مون دوبارہ بھاگا گیا۔
”کیسے ہوا ہے؟“

”اس دن اوون میں ٹھیک بیک کر رہی تھی، آپا
کی باتیں سنتے ہوئے ناگ گرم اوون سے چپک گئی
تھی۔“ اس نے سر جھکا لیا۔

”اور تم نے بتایا نہیں کسی کو۔۔۔۔۔ مرہم تو لگا
لیتیں۔“ انہوں نے اپنا تپتے سے اسے دیکھا۔

”پاپا۔۔۔۔۔ ماما کو کتنا درد ہو رہا ہوگا؟“
”پاپا۔۔۔۔۔ ڈاکٹر اٹکل کا فون آیا ہے۔“ تیل کی
آواز پر مون ان کا فون سن آیا۔ ”وہ نہیں آ سکتے
معرُوف تھے اگر خاص کام ہے تو کیا ڈاکٹر کو بھیج
دیں۔“ انہوں نے کیا ڈاکٹر کو بلا لیا۔ اس نے زخم
صاف کر کے بیڈج کر دی۔ اسے تکلیف تھی
پرداشت کر رہی تھی۔

”سالیہ۔ ان کی جانب دیکھتے سے گریز ان کی
سامنے اخبار پھیلائے ساری سرگرمیوں کا جائزہ
رہے تھے۔ دوپہر کا پینچ جیتا تھا۔ شام کی چائے
ساتھ ایمان کی فرمائشیں۔
”رات کا ڈنر میری طرف سے۔“ مسکراتے
ہوئے اخبار بند کر دیا۔

”ہرے۔ پاپا۔۔۔۔۔ میلا۔“
”پاپا۔۔۔۔۔ میڈ ونڈ۔“

”اور۔۔۔۔۔“ اندر جاتی انزل کو روکا۔
”جہاں نیچے نہیں گے۔“ بچوں کو دیکھ کر
مسکراتے ہوئے پوچھا مگر خاصہ تھی۔

”ہرے۔“ نیچے بہت خوش تھے۔ زندگی رواں
مندی تھی۔ سینی کا فون آ گیا۔
”کچھ ہوا۔۔۔۔۔؟“

”یار۔۔۔۔۔ ہو جائے گا اتنی جلدی کیا ہے؟ ابھی
بیٹھے ڈرگ رہا ہے۔“

”ہا۔۔۔۔۔ ہا۔۔۔۔۔“ مرد ہو کر ڈر رہا ہے۔
”سینی جیسا۔“ مس باتیں بند کر دیں۔ ”ڈو تھی ہو
ہاں۔“

”سارے کیس تم دیکھو نے مل کر بند کر دے۔“
”دے۔“

”نہیں ختم کرادے۔“ سینی نہیں رہا تھا۔
”پاپا۔۔۔۔۔“ مون بھاگا آیا۔

”پاپا۔۔۔۔۔ ایمان اندر نہیں سے جی رہی تھی۔
”پاپا۔۔۔۔۔“ مون سامنے آیا۔ اس کی سانس
پھولی ہوئی تھی۔ انہیں پھلی ہوئی تھیں۔

”کیا۔۔۔۔۔ ہوا؟“ فون رکھ دیا۔
”پاپا۔۔۔۔۔ ماما کی ناگ وٹھیں اٹا پڑا زخم،
میں نے دوا بھی نہیں لگائی۔ انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر
چلیں۔“ انہیں۔۔۔۔۔ ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور لے کر گئے
میں لے آیا اور سدھاتے چلے گئے۔

آ جاتے۔ آئیہ مکمل ہو جاتا اس کے بالوں میں چھوٹ
لگا دیتے آٹھیں بار بار بھگ رہی تھیں۔ اب آٹھیں
اس دور دل کو بند کر دیتا تھا کچھ اور لوگ اس کا حق دیتا
تھا۔ بڑے ہو رہے تھے نیچے جب ہاتھ دار ہو جاتے
تو۔۔۔۔۔ کچھ فیصلے انسان کو وقت سے پہلے کرنے پڑ
جاتے ہیں۔ مہا ان کے لیے مرنے جی تھی، بچوں کی آنکھ
شعور انزل کی گود میں کھلا تھا اس کے درے پر فائز
کر دیا تھا اسے مہا ان کے لیے زندہ تھی۔ بس آج
تک، آج کے بعد اگر انہوں نے اس کمرے میں تنہا
رات گزار دی تو نیچے پوچھتے تھے کہ کیوں پاپا۔۔۔۔۔
”میں زندہ تو بچ گیا ہوتا چاہیے۔“ اور آپ۔۔۔۔۔
اس کی تصویر لٹا دی۔ دروازہ بند کر کے الماری لاک کر
دی۔ ڈریگ ٹیبل کی ساری چیزیں دروازوں میں
ڈال دیں۔ اس کی تصویروں کو باکس میں بند کر دیا۔
کل سے اس کمرے کو بچوں کی اسٹڈی میں تبدیل کر دیا
دیں گے۔ انہوں نے دل سے فیصلہ کیا۔ اس بار
آٹھیں نہیں بیٹھیں اور صبا کی تصویر بھی انہیں مسکرائی
ہوئی لگی جو ان کے داشت کی طرح تھی جسے نکال رہے
تھے۔ جب ایک مضمون کمر لڑی ان کی محبت میں، ان
کے بچوں کو ان کے گھر کو اپنا گھر بن گئے تھے تو اس کے لیے
وہ بھی خود کو بدل گئے تھیں، بچوں کا احترام واجب ہے
ان پر۔۔۔۔۔ دل سے جین ہوا۔ اسے بھی آہستہ آہستہ
قرار آ جاتا تھا۔ دروازہ بند کر کے باہر نکل آئے۔ ہر سو
گہرا اندھیرا تھا۔ بچوں کے کمرے میں جھانکا۔ دونوں
بچوں کے درمیان انزل سو رہی تھی۔ اس کے بازو پھیلے
ہوئے تھے اور پھیلے بازوؤں میں مون اور ایمان
سامنے ہوئے تھے۔ دیر سے ایک تکیہ اٹھا کر مونوں
کے پہلو میں لیٹ گئے۔

☆☆☆
مع ان کے گھر کی رونق پر قرتھی۔ چکن کی
خوشبو۔ بچوں کی فرمائشیں۔ انزل کی ٹیکمیل اور اس کا گنگنا

کیا ہے۔ انسان بچوں کے لیے تو جیتا ہے، تم نہ ہوتیں تو میرے بچے کھڑے ہوتے۔“
 ”نہیں، یہ کبھی نہیں بکھر سکتے۔“ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ مڑگاں بھیک بھیک کر برسات سمیٹ رہے تھے۔

”مجھے بچوں کے لیے رہنے دیں میں بچوں کے لیے آئی ہوں، ہم لوگوں کو بس یہ سمجھوتا کرنا پڑے گا۔“ وہ دیر دیر سے کہہ رہی تھی اور اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔ یہ شخص اس سے کبھی محبت نہیں کر سکتا تو بچوں کے ساتھ ہی سہی۔

”میں نے بچوں کے تمام جملہ حقوق ساری زندگی کے لیے تمہارے نام منسوب کئے، تمہیں آئندہ مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔“ وہ دیر سے بستر سے اترنے لگے۔

”تم ان کے سیاہ و سفید کی مالک ہو۔“ سعد کھڑے ہو گئے۔ ”بچوں کی جانب سے کبھی ہرٹ نہیں ہوگی۔“ وہ دروازے کی جانب بڑھ گئے۔ انزلہ سر اٹھا کر یوں دیکھنے لگی گویا بے یقین ہو۔ سعد کمرے سے باہر چلے گئے بچوں کے حقوق اسے سوچ کر اور وہ بے یقینی سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

”کیا تھا مجھے سمیٹ لیتے کیا تھا مجھے میرے ہونے کا بھی احساس دلا دیتے..... جھوٹا ہی سہی۔“ وہ گھٹنوں پر سر جھکا کر روئے چلی گئی۔

”تو یہ طے ہے انزلہ کے تم نے حرام نصیب ہی رہنا ہے۔ اب تمہیں زندگی سے اور نصیب سے کوئی شکوہ نہیں کرنا۔“ خود کو سمجھایا مگر آج آنسو کی طور سمجھنے کے لیے تیار تھے اور نہ سننے کے لیے تھم رہے تھے۔ ساری رات وہ اٹکبا رہی۔ رات گئے تک سعد لان میں ٹہلتے رہے اور پھر لاڈ لچ میں آکر سو گئے۔ صبح دم بھر شور ہنگامہ تھا۔ سعد ناشتا بنا رہے تھے۔ زری مدد کر رہی تھی۔ انزلہ باہر آ گئی۔

”لاؤ..... میں بنا دوں۔“ سعد کی جانب دیکھنے سے گریزاں اور رات بھر ساون بھادوں سعد سے چپا ہوا نہیں تھا۔

”نوو..... آرام..... آرام، ہمیں آپ کے ہاتھ کا کچھ نہیں کھانا۔“ بچے چیخے۔ وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ ناشتا اس کے آگے آ گیا۔ سعد کے چہرے پر کھجلی رات کا کوئی عکس نہیں تھا۔ بگلی..... دیوانی..... پاگل ہو..... محبت تمہیں ہے انہیں تو نہیں..... درد بھی تمہیں ہوگا انہیں نہیں..... اس نے گہری سانس لی۔

شہر آباد، رونقیں آباد
 دل کی دھڑکتوں کو کون سنتا ہے
 آنکھیں احساس دل سے نمکین پانیوں سے
 بھرنے لگیں۔ سردیوں کی ٹھنڈی دوپہریں ہوں یا سرد راتیں۔ اب ہر موسم ہر ساون اکیلے ہی گزارنا ہے۔

دوپہر میں بچے سعد کے ساتھ لان میں مصروف تھے۔ زری سے کہہ کر اپنے کمرے سے اپنے کپڑے منگوا لیے۔ آہستہ آہستہ سامان بچے شفٹ کر کے گیٹ روم کی ضرورت تو رہتی ہے۔ بہت دنوں کے میلے کپڑے تبدیل کیے بالوں میں برش کیا۔ لان میں کینو اور مالٹے پہنچا دیے۔ بچے انجوائے کر رہے تھے۔ کھانا بازار سے آیا۔ اس نے منع بھی کیا مگر نہ بچے مانے نہ سعد۔ رات کو بچوں نے پڑا، برگر اور آئس کریم کی فرمائش کی۔ چوکیدار کے ساتھ انہیں بھیج دیا۔

☆☆☆

آہٹ پر سر اٹھایا۔ سعد اس کے سامنے کھڑے تھے۔ ”آپ.....“ انزلہ نے میگزین بند کیا۔ تک سک سے تیار، خوشبو اڑاتے بھرپور پر سنائی لیے۔
 ”کوئی کام تھا؟“ وہ سر اٹھا کر سنبھلی۔
 ”ہاں۔“ وہ اس کے سامنے بیٹھے۔

”کل بچوں کے جملہ حقوق تمہارے نام کیے تھے۔ آج اپنے جملہ حقوق تمہارے نام کروانے آیا

موسموں کے تغیر

شعبہ فضل و مناقب

پیشہ

وہ آج بھی ہمیشہ کی طرح کسی لمحے کے مانند ساکت کھڑا تھا۔ لگتا تھا جیسے وہ پتھر کا بے جان مجسمہ ہو جس کے اندر نہ تو دھڑکن ہو نہ ادا ہونے جذبات ہوں اور نہ احساسات۔ سامنے بیٹھی فریدہ آگنی مسلسل اسے کوس رہی تھیں۔

”تم یہ فیفتے اٹھالائے ہو..... دیکھ لو ابھی طرح کس قدر ڈول کر رہیں اس کے..... تمہیں نمونے کے لیے جو فیفتے دیے گئے تھے وہ کہاں ہیں.....



تھی بے رحمی کے ساتھ رہتا ہے تا زندقہ..... ہمیشہ کے لیے بچوں کے لیے بچوں کے باپ کو بھی قتل کر لو..... آپ کے وہ سر نہیں پیش قدمی جاری رہی۔

”ساری زندگی تمہارا ہو کر رہے گا تمام جملہ حقوق کے ساتھ۔“ انزل گز بڑا گئی۔ ”اپنے جملہ حقوق میرے نام کرو۔“ آواز دھیمی ہو گئی۔ فرار کی ساری راہیں بند نہیں۔ دھیرے سے اپنا سر مدھ کے شانے سے لگا دیا۔ آنسو بے اختیار ہونے لگے۔

”بس..... اب اور نہیں۔“ مدھ نے سمٹ لیا۔ ”زندگی کے آخری دن کا جبر آخری مرتبہ ہم دونوں نے گزرا لیا۔ مرنے والوں کے ساتھ زندگی نہیں گزرتی۔ زندوں کو مار نہیں دیا جاتا۔“ مدھ دھیرے دھیرے پچھلے سر کو پکڑ کر رہے تھے۔

”چلو..... اور اپنے کمرے میں..... درپچے سے ایک ساتھ چاند دیکھیں گے۔ چاند کی روشنی میں بیٹھیں گے۔ میرے پردا کر کے گرم کافی پیے ہوئے۔ ایک دوسرے کا ہاتھ تمام کر زندگی کی دھڑکنوں کو محسوس کریں گے۔“ چلو۔“ مدھ بے خود ہو رہے تھے۔ اتنے اظہار پر انزل گہمرا گئی۔

”میں کیسے..... میں چل نہیں سکتی۔“ انزل نے ارٹھا۔

”میں اٹھا لیتا ہوں۔“ مدھ ہنسنے لگا۔

”نہ..... نہیں۔“ وہ گہمرا گئی۔ ”بچے۔“

”صرف..... مدھ کو کچھ محسوس کرو اور۔“

وہ ایک بار پھر اسے ڈسٹرب کرنے لگے۔ ”اس سے محبت کرو۔“ گلابی آنکھیں خمار لیے، محبت سے سرخ آنکھوں پر جھک گئیں۔

اس کا عشق اُپنا نیت اور محبت کے ساتھ اس کا بن کر اس پر چھا گیا۔ کیسے نہ محبت کو قبول کرتی۔ اس محبت کے لیے تو اس کی دھڑکنیں زندہ تھیں۔



ہوں..... قبول کرلو۔“

”جی.....“ آنکھوں میں تیرا بھرا۔

”بچوں کے ساتھ مجھے بھی پانٹ لو..... مجھے آتش دان کے پاس اکیلی بیٹھی لڑکی کی تنہائی دور کرنی ہے۔ اس کے ساتھ بائیں کرتی ہیں، اب اکیلے کمرے میں تنہا نہیں سو سکتا۔ سیری تنہائی شیئر کرلو۔“ انہوں نے دھیرے سے ہاتھ پھیلا دیا۔

”میں نے..... منع تو نہیں کیا..... آپ خود ہی.....“

”ہاں، میں خود تھا مجھے کرایا ہوں، تم نے کبھی سمجھا تھا نہ مانگا تھا..... نہ دینا تھا اور نہ کسی گھر سے ہونے شخص کو سینا تھا.....“ چکر وہ نگاہ ڈالی۔

”اتھا گھر۔“ انزل بس دی۔ کل شب اتار دینی تھی کیس..... اب اور نہیں۔

”مئی کتنی بہن تم جی ہو مجھے بچوں کو ہی سینا آتا ہے۔ اور کچھ زندگی میں سکھائی نہیں۔“

”میں جانتا ہوں.....“ اس کے قریب ہوئے،

باڈی اسپرے کی خوشبو اسے ڈسٹرب کرنے لگی۔

”تم صرف قبول کرلو..... باقی میرا کام۔“

ہاتھ تمام لیا۔

”میں نے بتایا تھا..... میں بچوں..... وہ جبکی۔“

”بس.....“ آگے کہنے سے روک دیا۔ ”بچوں کا منظر نامہ اس قسم ہو چکا ہے اب میں اور تم..... مجھے اپنا بیڈ روم تبدیل کرنا ہے اس کمرے کو میں کیسٹ روم بنا رہا ہوں یا اسٹری روم۔“ انزل نے سر اٹھا لیا۔ ”اپنے دل کی خواہش پر۔“ چلوں کی سطح کو چھوا۔ متورم، روئی ہوئی پکوں کو فرار سا آنے لگا۔

”اوپر والے کمرے میں شفٹ ہو جائیں، میں بچوں کے کمرے میں شفٹ ہو رہی ہوں۔“

”قطع نہیں۔“ وہ اور قریب ہوئے۔

”اوپر کمرے میں جو میری تصویر کے پہلو میں لڑکی

دوسرے لوگ اس کی مدد نہیں کر سکتے۔“ آپا نے جلدی سے بات بدلتے ہوئے کہا۔
”لیکن حماد بے چارہ کیا کر سکتا ہے، کیسے آواز اٹھا سکتا ہے ان کے خلاف، مگر سے بے گھر نہیں کر دیں گے وہ اے! مہینہ انجمنی نظروں سے آپا کو دیکھتے ہوئے بولی۔
”بہی تو ساری بات ہے۔ وہ گھر سے بے گھر نہیں ہو جاتا۔ اسے ایک چھت کے نیچے ساری سہولتیں ہی ہوتی ہیں چاہے روٹی اسے ذلت سے ملے۔ لیکن فری میں اسے سب مل تو رہا ہے وہ یہ سب کھوٹا نہیں چاہتا۔“

”آپا تم جانتی ہو اس کا ساری دنیا میں بچا کے سوا کوئی اور نہیں۔ وہ جائے تو کہاں جائے۔“ مہینہ حیرت سے بولی۔
”ارے وہ کوئی لڑکی تو نہیں ہے جسے ایک گھر کی چھت چاہیے وہ تو مرد ہے مکمل آسمان تلے رہ سکتا ہے۔ خالی پیٹ کرادرہ کر سکتا ہے۔ وہ اس گھر سے چلا بیوں نہیں جاتا۔ جہاں اس کی عزت نہیں۔ اسکی روٹی تو کسے بھی کھا پاؤں گے کریں گے جیسے وہ کھاتا ہے یا شاید وہ گالیاں کھا کر بے حس ہو چکا ہے۔
اب نہ وہ چوتھے نہ سوچنا چاہتا ہے۔“

اماں کے آواز دینے پر وہ اٹھ کر اماں کے کمرے کی طرف چلی گئی لیکن آپا کی باتیں بھی کئی دن تک اس کے ذہن میں چراتی رہیں۔ آپا ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ حماد کو اپنی عزت نفس کی کوئی پروا نہیں۔ فریہ آئی کوئی ایک بات بھی اس سے سیدھی طرح نہیں کرتیں، مہک اسے ایک ٹوک سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی اور حماد کے بچا ٹھوم صاحب اسے لے لے لڑکے، اوپر ٹوکے کہہ کر صرف کام کے لیے بلاتے ہیں۔ مہینہ مسلسل سوچ رہی تھی۔
مہینہ نرم احساسات رکھنے والی ایک نرم دل

ہاں یوں کر تعلیم دلا کر اس پر احسان کیا ہے اور اب اسے ٹھوکروں میں رکھ کر اپنے احسان کی قیمت وصول کر رہے ہیں اس سے۔“ آپا غصہ کی سے بولیں۔
”کیا تعلیم دی ہے اس بے چارے کو۔۔۔۔۔ اپنے بچوں کو اچھے سے اچھے اسکولوں اور کالجوں میں پڑھایا۔ اور آخر کے بعد اسے کالج سے ہٹا دیا کہ گھر کے کام کاج دیکھنے والا کوئی نہیں۔ بے چارہ بی اے کی پرائیوٹ تیاری کر رہا ہے لیکن دو سال ہو گئے اس کی تیاری نہیں ہوئی۔ وقت ہی نہیں ملتا اسے، کیسے امتحان دے گا۔“ مہینہ نرمی سے بولی آواز میں بولی۔
”لیکن تجھے کیا۔۔۔۔۔ وہ جائیں اور ان کا کام جانے، وہ اس کے اپنے ہیں ہم کیا کہہ سکتے ہیں اس بارے میں۔ فریہ آئی کو حماد سے تمہاری ہمدردی کے بارے میں بتا چلا تو انہیں بالکل بھی اچھا نہیں لگے گا۔“

آپا نے دھمکے لگے میں کہا۔
”تم جانتی ہو آپا، مجھے کبھی بھی نا انصافی پسند نہیں رہی ہے، مجھے تو جانوروں پر ظلم کرنا پسند نہیں ہے، حماد تو بھرا انسان ہے کیسے چپ رہ سکتی ہوں میں! مجھے اور کچھ نہیں تو مہک سے بات کرنی ہی ہوگی۔“ مہینہ بولی تو آپا نے حیرت سے اسے دیکھا۔
”غضب نہ کرنا مہی، مہک تیری بہت نزدیکی دوست تھی لیکن اسے اپنے گھریلو معاملات میں تیری مداخلت پسند نہیں آئے اور ایسا نہ ہو کہ اس بات کو لے کر وہ کچھ اور سوچنے لگیں۔“ آپا قدرے توقف سے بولیں تو مہینہ حیرت سے آپا کو دیکھنے لگی۔
”کیا سوچیں گے وہ۔۔۔۔۔ کیا سوچ سکتے ہیں وہ؟“

مہینہ بولی۔
”تم رہے ہو۔۔۔۔۔ لیکن جب تک مظلوم خود پر ڈھائے جانے والے مظالم پر آواز نہیں اٹھائے گا

رہی تھی۔
جب وہ گھر گئی تو آپا نے ہب ڈھیر سارے برتنوں کے درمیان بیٹی برتن جو رہی تھیں۔ اماں اور آپا کی آواز اس کمرے سے آ رہی تھیں۔ وہ کمرے میں جانے لگی تو آپا نے اسے آواز دے کر بلایا۔ وہ قریب آئی تو آپا نے اس سے پوچھنے لگیں۔
”کیا خریدنا تھا مہک۔۔۔۔۔ تو نے اس کی شاپنگ دیکھی؟“
”وہی جو ہر ہفتے خریدتی ہے۔ کپڑے، جوتے، میک اپ کی چیزیں وغیرہ۔“ مہینہ بیزاری سے بولی۔
”کیا بات ہے مہی۔ وہاں کچھ ہو گیا تھا کیا۔ تو بہت بھی بھٹی لگ رہی ہے؟“ آپا نے غور سے اس کی اتری صورت دیکھ کر پوچھا۔
”وہی حماد والا قصہ تھا آپا۔ آج اس کی پھر سے بی جھڑک رہی تھی کہ بے فریہ آئی نے۔“ وہیں آپا کے قریب بیڑی پر بیٹھے ہوئے وہ بولی۔
”یہ تو بڑی بات ہے، کوئی نئی بات تو نہیں پھر تو ہر بار اتنی آپ سیٹ کیوں ہو جاتی ہے۔“ آپا نے پلیٹ جھوکر سائنز پر لگے ریک میں اٹھاتے ہوئے کہا۔
”آپ سیٹ ہونے والی بات تو ہے نا آپا۔۔۔۔۔ حماد مہک کا فرسٹ کزن ہے۔ حماد کے والد اور مہک کے والد سے بھائی تھے پھر کیوں فریہ آئی اسے ٹوکروں کی طرح فریٹ کر رہی ہیں بلکہ ٹوکروں سے بھی بدتر جبکہ بابا امیر سے اس گھر میں اچھا سلوک ہو رہا ہے حماد کی نسبت۔ ایسا کیوں ہے آپا؟“

مہینہ بولی۔
”در اصل حماد بے چارہ شروع سے بچا کے نکلوں پر پلا ہے۔ ماں، باپ، بچپن میں زور لگے تھے۔ نہ کوئی بہن نہ کوئی بھائی تھا۔ بچا، چچی نے اسے

بولو، بتاؤ۔۔۔۔۔ اسحق کی اولاد کوئی کام جو کبھی ڈھنگ کا کیا ہو۔“ بیٹوں کا بنڈل اس کے منہ پر ہارے ہوئے فریہ آئی بولیں تو مہینہ کا دل جیسے اس نے مٹی میں کچلا لیا۔ حماد اپنی طرح کھڑا رہا اپنے دفاع میں وہ ایک لفظ نہیں کہہ پا رہا تھا مہینہ کو غصہ آ گیا آخر وہ کچھ کہتا کیوں نہیں۔ اس دوران بابا امیر ڈھیر سارے ڈالے وہاں آ گیا وہ اس گھر کا بہت پرانا توکر تھا اور ہر معاملے میں بولنا اپنا فرض سمجھتا تھا اس وقت بھی جب فریہ آئی غیظ و غضب کے عالم میں اسے کہہ رہی تھیں۔

”جاء۔۔۔۔۔ بدواں دکاندار کو دے آؤ اور صبح چیز لے کر آنا۔۔۔۔۔ ورنہ گھر میں نہ کھنا، تم بھت کام کا نہ کاج کا دھن اناج کا۔“
”مہی بی صاحب۔۔۔۔۔ بابا امیر پریشان سا ہو کر بولا، وہ دکان تو بہت دور ہے، اب بھی بیسج کا گھیا اب آیا ہے۔ اب پھر پھیل جائے گا تو اس کی تو ٹائمن ٹوٹ جائیں گی۔“
”ہاں تو توٹ جانے دو اس کی ٹانگیں۔ اب کیا میں اسے کسی کا کر لیا دے کر بھیجوں۔ اچھا ہے اسے تکلیف ہوگی تو آئندہ دیکھ بھال کر سوا لائے گا۔“ وہ سر جھکا کر فیتوں کا بنڈل اٹھا کر چلا گیا جبکہ مہینہ اور امیر بابا کھڑے کے کمرے سے نکلے اسی دوران مہک باہر آئی اور مہینہ کو دیکھ کر لپک کر اس کی طرف آئی۔
”مہی۔۔۔۔۔ تم کب آئی ہو؟ اندر میرے کمرے میں کیوں نہیں آ رہی تھیں؟“
مہینہ نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا لیکن وہ جواب کا انتظار کیے بغیر اسے ہاتھ سے کھینچے ہوئے اپنے کمرے میں لے گئی اور اسے اپنی تازہ شاپنگ دکھانے لگی جو اس نے کل ہی ساری دن لگا کر کٹی تھی۔ مہینہ کا دل حماد کی وجہ سے پھول سا ہو رہا تھا مگر وہ زبردستی ہی اس کے جوش و خروش کا ساتھ دے

میں سو افرید پرید رہا تھا۔

”حماد ذرا یہ مولیاں تو دیکھیں۔ خراب تو نہیں ہوں گی تاہم اصل مجھے تجربہ نہیں ہے۔ اکثر مولیاں اوپر سے صاف نظر آتی ہیں لیکن اندر سے بالکل خراب جبکہ اسی نے آج خاص طور پر مولیاں لانے کے لیے کہا تھا۔۔۔۔۔ وہ بے تکلفی ظاہر کرنے کے لیے اسی سے بات چیت کر رہی تھی۔

حماد پھر تیرے اچھی اچھی مولیاں نکال کر ایک طرف رکھ رہا تھا۔ سودے کے قتلے لیے وہ باہر آئے تو سامنے ہی ایک گھوٹکا سامنا ہوا تھا۔۔۔۔۔ گھوٹکے کے سامنے چند میز کرسیاں رکھی تھیں اور وہاں لوگ بیٹھے چائے پیتے تھے۔

”حماد مجھے چائے کی بہت طلب ہو رہی ہے۔ چلو چائے پی لیتے ہیں۔“ مائین جلدی سے بولی۔ وہ چونک گیا۔

”نن۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ مجھے دیر ہو جائے گی۔ خانساں سودے کا انتظار کر رہا ہوگا۔ آپ چائے پی لیجیے۔ میں چلا ہوں۔“ وہ اٹکتے ہوئے بولا۔

”مجھے اکیلے بیٹھ کر پائے پینے میں مزہ نہیں آتا۔ اور پھر تاہم ہی کتنا لگتا ہے ایک کپ چائے پینے میں۔“ وہ اس کا بازو دیکھتے ہوئے بولی۔ اس کے چہرے پر شہ پریشانی کے اثرات تھے اور وہ سہا سہا سارس جھکائے مائین کے ساتھ کھینچ چلا جا رہا تھا۔ چائے کے مہاپ اڑاتے کپ دونوں کے درمیان چھوٹی ٹیبل پر رکھے تھے۔

”حماد۔۔۔۔۔ ایک بات پوچھوں؟“ مائین نے بات کی ابتداء کی۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا اور ابھی وہی نظروں سے اسے دیکھا۔

”حماد۔۔۔۔۔ جب فریڈ آئی تھیں ذرا تھیں تو تھیں پر انہیں لگا؟“ وہ نرم اور دھمے لہجے میں بولی۔

دیا لیکن منہ سے کچھ نہیں بولا۔

”مجھے بھی کمرے کے لیے کچھ چیزیں دیکھنی ہیں۔۔۔۔۔ چلو میں تمہارے ساتھ چلی ہوں۔“ اس نے ماحول کی اجنبیت کو اپنی بے تکلفانہ گفتگو سے توڑتے ہوئے کہا لیکن وہ گھبرا سا گیا۔

”نن۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ وہ آپ آلو پیاز وانی مارکیٹ میں جا کر کیا کریں گی۔“

”ارے۔۔۔۔۔ آلو پیاز ہی تو لانے ہیں مجھے۔“ وہ اس کے گھبرائے پر ہنس دی۔ وہ اب بھی گھبرا رہا تھا۔

”آپ مجھے بتا دیجیے۔ میں لے آؤں گا آپ کے لیے۔“ وہ تجھے تجھے لہجے میں بولا۔ اس کی آفر مائین کو عجیب لگی۔

”فریڈ وہاں آئی میرے کام کے پر آپ کو ڈانٹیں گی نہیں؟“ غور سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ جیسے ہوئے لہجے میں بولی۔ وہ بولکلا کر ابھر اُدھر دیکھنے لگا۔

”جی، آپ کے طفیل مجھے بھی اس مارکیٹ کو دیکھنے کا موقع ملے گا جہاں سے آپ چن چن کر سستی سبزی لانا لاتے ہیں۔“ وہ بولی۔

وہ کچھ نہ بولا، دھمے دھمے انداز میں قدم اٹھاتا ہوا اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا لیکن اس کے چہرے پر عجیب سی گھبراہٹ چھلی ہوئی تھی اور وہ چونک کر خوفزدہ انداز میں آگے پیچھے یوں دیکھتے ہوئے جا رہا تھا جیسے کسی کے دیکھ لینے کا ڈر ہو۔ مائین کو اس کا یہ براساں انداز بالکل نہیں بھار رہا تھا۔ اس پر اسے قصہ بھی آ رہا تھا اور رحم بھی۔۔۔۔۔ کیسے ایک اچھے بھلے شخص کی شخصیت سبج ہو کر رہ گئی تھی۔ صرف چند لوگوں کی احساس برتری کے باعث۔۔۔۔۔ لیکن وہ اس کے انداز کو نظر انداز کر کے نرم لہجے میں عام سے موضوعات پر بات چیت کر رہی تھی۔ مارکیٹ میں وہ اس کی موجودگی میں بہت لیے دیے انداز

حماد کی زندگی میں کچھ سنبھلاؤ آئے لیکن آج آپالے جو بائیں کیں تو اسے لگا جیسے اس سارے معاملے میں صرف گھر والوں کا قصور نہیں بلکہ اس میں حماد کا بھی قصور ہے کیونکہ گھر والے والا اور ظہر سبب والا یکساں قصور وار ہوتا ہے۔

اب مائین حماد سے بات کرنے کے لیے موقع ڈھونڈنے لگی۔ حماد اور اس میں کوئی بے تکلفی نہیں تھی جب تک کہ حماد کو برا بھلا کہا جاتا تو اس کے چہرے سے جھلک سی بدردی صاف دکھائی دیتی۔۔۔۔۔ کبھی کبھی حماد اس کے چہرے پر ایک نظر ڈال لیتا سخرہ ڈال اپنی نظریں ہٹا لیتا لیکن وہ اتنا بھی بے وقوف نہیں تھا کہ اس کو اس کے چہرے پر بدردی کی نظریں نہ لگائے۔ شاید وہ دل ہی دل میں خفت میں طرح لڑا جاتا لیکن مائین تو اپنی سامنے ہی اسے یہ طرح لڑا جاتا دیکھ کر شرمندہ چہرے کی طرف دیکھنا بھی گناہ سمجھتی تھی۔

گھر میں تو بات کرنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔ مائین حیران تھی کہ وہ حماد سے کہاں اور کیسے کچھ کہہ پائے گی لیکن شاید خدا کو بھی یہ منظور تھا کہ وہ حماد سے بات کرے اس دن جب وہ سردیوں کے پکڑے خریدنے نے مارکیٹ جا رہی تھی تو سرگ کے بائیں طرف ڈھیلے ڈھالے انداز میں چلا ہوا حماد اسے نظر آ گیا۔ یقیناً اس سے بہتر موقع اسے وہ بارہا ہاتھ نہیں اٹھتا تھا۔ مائین نے اپنے قدم تیز کر لیے اور اس کے قریب پہنچ کر سلام کیا۔ اس نے بڑ بڑا کر مائین کی طرف دیکھا کیلئے تو وہ حیران ہوا پھر دھمے انداز میں سلام کا جواب دے کر اس نے اپنے قدم تیز کر لیے کہ مزید بات چیت نہ ہو لیکن مائین اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھی سو اس نے بھی اپنی رفتار بدھواتے ہوئے بات چیت میں شامل کی۔

”سودا لارے ہو؟“ اس نے اثبات میں سر ہلا

لڑکی تھی۔ وہ شروع سے بہت حساس تھی اس کی اور مہک کی کلاں میں بہت فرق تھا۔ یہ علاقہ بڑے لوگوں کا علاقہ تھا۔ جانے کیسے سے دور میں یہ مکان مائین کے ابو نے خرید لیا تھا۔ دس مرلے کا یہ مکان پرانی طرز کا بنا ہوا تھا اور آج کل کافی قیمت کا تھا لیکن چونکہ یہاں بڑے بڑے مالدار لوگوں کی کوشیاں بن گئی تھیں اور بڑے بڑے لوگوں کے بچے میں رہتا ایک الگ مزہ تھا اس لیے لوگوں کے اسرار گئے یا وجود مائین کے والد نظر کو تھیں بچے یہ گھر نہیں بچا اور اب شاید راکھ کو تھیں گئے بچے کھڑا یہ عام سا سودا مکان ان کو تھیں کا نظر بد لگتا تھا۔

ظفر صاحب ایک سرکاری آفس میں گریڈ 16 کے ملازم تھے۔ ان کی تنہم روزیہ ایک سیدی سادی خاتون تھیں۔ ان کے دو بچے تھے۔ ذنب بڑی سی مائین چھوٹی۔ وہ لے لے کر رہی تھی۔ اس کا اور مہک کا بڑا گھراؤ دستانہ تھا حالانکہ مہک کے والد کا بہت بڑا کاروبار تھا۔ وہ ایک اچھے کالج میں پڑھ رہی تھی جبکہ مائین کو ایک سرکاری ادارے میں پڑھنے کے لیے جانا پڑتا تھا لیکن دونوں ہم عمر تھیں۔ مہک، مائین کے پڑوس میں تھی۔ دونوں کی ادھر ادھر ملاقاتیں ہوئیں تو دونوں دوست بن گئیں اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ دوستی اتنی گہری ہوئی کہ دونوں ایک جان دو قلب بن گئیں۔ مہک بھی مائین کے گھر آیا کرتی لیکن زیادہ تر وہ مائین کو ہی بلایا کرتی۔ مائین کو بھی وہاں جانا ملتا تھا۔ آتے جاتے اس کی حماد سے بھی ملاقات ہو جاتی۔ پھر آہستہ آہستہ اسے گھر کے ایک فرد کی حیثیت حاصل ہوئی کبھی کوئی بات ہوئی۔۔۔۔۔ دھڑلے سے اس کے سامنے کی جاتی۔ حماد کے ساتھ گھر والوں کا جو رویہ تھا وہ بھی اس سے چھپا نہ ہوا اور آہستہ آہستہ حماد کی عظمت پر اس کا حواس دل نہ ترے لگا اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ اس سلسلے میں وہ ایسا کیا کرے کہ

آئی کی طرف سے پیغام آیا تو آپ دیکھ کر ہنس کر مارتے اس وقت وہاں چلی گئی۔

سر دیوں کے ابتدائی دن تھے۔ فریہ آئی لان میں صوب میں بیٹھی کیونکہ کھانا نہیں لے سکتی تھی۔ دیکھ کر تو خوش ہوئیں اور کیڑا اپنے ہاتھ سے پھیل کر اسے کھانا نکلتی۔ وہ شرمندہ ہوئی۔

”آپ رہنے دیں..... میں پھیل دیتی ہوں۔“ اس نے فریہ آئی کے ہاتھ سے کیڑے لے لیے اور پھیلنے لگی۔

”آئی..... بہک کہاں ہے؟“ اس نے اُدھر اُردھ دیکھتے ہوئے کہا۔

”اپنے کمرے میں بی بی دی دیکھ رہی ہوگی یا شاپنگ کے لیے گئی ہوگی۔ تم تو جانتی ہو یہی وہ خوشی ہیں اس کے۔“ فریہ آئی بولیں۔ وہ کچھ نہ بولی۔ چلتے ہوئے کیڑہ مک لگا کر اس نے فریہ آئی کے سامنے رکھ دیے۔ جیسی فریہ آئی ایک ٹھنڈی آہ بھر کر بولیں۔

”ماہی! تم بڑی بکھرا ہو..... تم جانتی ہوگی کہ مینیوں کے گھراؤ جائیں تو ماؤں کو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ جب سے بہک کی طلاق ہوئی ہے میں بہت ڈسٹر ب رہنے لگی ہوں۔“

”آئی! آپ اس طرح سوچ سوچ کر بیمار پڑ جائیں گی۔ خدا ہمک کے ساتھ اچھا کرے گا۔ ایشا اللہ سے جلد ہی ایک اچھا سہارا اور اچھا گھریل جائے گا۔“ ماہین کا حاس دل ان کے دکھ پر بے اختیار ترپنے لگا۔ اس نے گلوگیر آواز میں فریہ آئی کو تسلی دینے ہوئے کہا۔

”ماہی! میں نے یہی بات کہنے کے لیے نہیں بلایا ہے۔ تم کالج میں بکھرا ہو..... ہر قسم کے لوگوں سے تمہاری ملاقات ہوتی ہے اگر تم کو کوشش کرو تو بہک کا گھر دوبارہ بس سکتا ہے۔“ فریہ آئی ایک ہیسی

سائے کر بولیں۔

ماہین چند لمحوں تو کچھ ہل ہی نہیں سکی۔ اسے فریہ آئی کی بات پر حیرت ہوئی۔ اس نے تو جیسا اس کچ پر سوچا بھی نہیں تھا کہ فریہ آئی اس قدر پریس تھیں کہ انہیں کسی دینا بھی ضروری تھا سوچے وہ وہاں سے اٹھی تو اس نے غلطی دل سے فریہ آئی کے وعدہ کیا تھا کہ وہ بہک کے دوبارہ گھر بسانے کے لیے کوشش ضرور کرے گی۔

ان دنوں کالج میں امتحانات چل رہے تھے۔ ماہین بالکل فارغ نہیں تھی۔ اس دن بھی وہ اضافی روم میں بیٹھی بیچہڑ چپک کر رہی تھی کہ ماسی مریم نے کسی مہمان کے آنے کی اطلاع دی ماہین کو حیرت ہوئی اس سے ملنے بھلا کون آ سکتا ہے؟ اس نے سوچا پھر یہ سوچ کر مطمئن ہوئی کہ بچیوں کے داخلے وغیرہ کے سلسلے میں ان کے والدین وغیرہ آیا کرتے ہیں۔ وہ انتظار گاہ میں..... مگنی تو اس کا شک بچ نکلا۔ وہ کسی لڑکی کا بھائی تھا جو اپنی بہن کے داخلے وغیرہ کے سلسلے میں بات کرنے آیا تھا۔ وہ جوان سال لڑکا تھا اس کی بہن ان کے ساتھ نہیں تھی۔ بقول اس کے وہ کچھ بیمار بھی اس لیے دوڑیں اس کی بھائی کو بھیج دیا تھا معلومات حاصل کرنے کے لیے۔ ماہین نے اسے ضروری معلومات فراہم کر دیں وہ جاتے جاتے کچھ متاثر ہو کر بولا۔

”مس ماہین..... اگر میں کبھی بیمار آپ سے ملنے آؤں تو آپ برا تو نہیں مانیں گی؟“

”بس ایسے ہی..... آپ کی گفتگو بڑی سنجیدگی ہوئی اور معلوماتی ہے۔ لگتا ہے آپ کے پاس معلومات کا خزانہ ہے۔“ ماہین ہنس دی۔ ایسے ان بیچور لوگ اکثر اس سے متاثر ہوا کرتے تھے۔

”آپ لوگوں کو معلومات فراہم کرنا میری

ذمہ داری ہے۔ داخلے وغیرہ کے سلسلے میں آپ آسکتے ہیں۔ باقی تو میری معلومات صفر ہیں..... میرا مطلب ہے زندگی کے بارے میں آپ کو کچھ نہ بتا سکتی کی۔“ وہ ہنسی سے بولی۔

وہ کی بارش پر ادا کر کے چلا گیا۔ ماہین مسکرائے۔ ہوئے وہ بارہ اضافی روم میں آئی۔ دو تین دن بعد وہ پھر آ گیا۔ آج بھی اس کے ساتھ اس کی بہن نہیں تھی ماہین کو پچھاننا کہ وہ کیڑا آیا تھا۔

”فراز صاحب! اچھا ہوتا کہ آپ آج اپنی بہن کو لے آتے۔ وہ اپنے کاغذات ساتھ لے آئی تو مجھے اسے سمجھانے میں آسانی ہوتی۔“ وہ روکے لپچے میں بولی۔

”آج میں اس سلسلے میں نہیں آیا ہوں مس ماہین۔“ وہ کرسی کی پشت سے ٹپک لگاتے ہوئے بولا۔

”جی.....؟ ماہین نے ٹھیک کر اسے دیکھا اور اٹھتے لپچے میں بولی۔ ”جبر آپ کس سلسلے میں آتے ہیں؟“

”مس ماہین..... دو رسل میرا ایک دوست ہے۔ اچھے عہدے پر فائز ہے۔ دیکھنے میں گڈ لکک ہے جو ان ہے۔ میری عمر کا ہوگا اسے گھر بسانے کے لیے ایک اچھی لڑکی کی ضرورت ہے۔ بد قسمتی سے اس کی کوئی جلی نہیں۔ نہ ماں، باپ، نہ بہن بھائی، لے دے کے ایک میں اس کا دوست ہوں۔“ فراز نے آپ کا مقصد بتایا۔

”آپ کیا سوچ کر یہاں آئے ہیں؟ کیا ایک تعلیمی ادارے کا مذاق اڑانے..... کیا آپ سمجھتے ہیں کہ تم اپنے ادارے میں ہیں پر وہ رختے کروانے کا کام کرتے ہیں؟“ ماہین کو بی بھر غصہ آیا۔ وہ سکتے لپچے میں بے مشکل اپنے غصے کو قابو میں کرتے ہوئے بولی۔

”نہیں..... بالکل بھی نہیں۔“ وہ جلدی سے بولا۔ ”بھلا یہ تو میں نے صرف اس لیے کہا کہ کسی کی مدد کرنا کوئی غلط بات نہیں۔“

”لیکن اس کام کے لیے آپ نے میرا ہی انتخاب کیوں کیا؟ جاہن اس کی میرج بیورو کا روزانہ کھانکھانیں..... میں کیا آپ کو اپنی فارغ التحصیلی ہوں جو.....“ وہ اس کی بات کاٹ کر بھینچا کر بولی۔

”میرج بیورو والے اکثر دھوکا دیتی سے کام لیتے ہیں۔ میں نے یہ سوچ کر کہ آپ کالج میں پڑھاتی ہیں اگر کسی اچھی لڑکی کو جانتی ہوں تو.....“ وہ سر جھکا کر دھیمی آواز میں بولا۔

ماہین کے دماغ میں جیسے ایک بجلی کی گوندی مہک جیسے اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی آئی کی اچھائی آواز اس کے کانوں سے گھرنے لگی اور پھر ادا وہ بھی اسے یاد آیا جبکہ مصروفیت میں وہ تقریباً اس بات کو بھلا بھی گئی تھی..... لیکن یہ تو جیسے خدا نے خود ہی انتظام کر دیا تھا۔ اسے انفس ہونے کی گویا اس نے اس لڑکے کو اتنا بیمار بھلا کر دیا۔

”اگرچہ میں نے بھی اس قسم کے کام نہیں کیے لیکن آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔ پہلے یہ بتائیں کہ آپ کا دوست کام کیا کرتا ہے اور اس کے بارے میں مزید معلومات بھی دیجیے تاکہ لڑکی کے والدین کو قنصل سے آگے کیا گیا جائے۔“ وہ فوری طور پر لپچہ تبدیل کر کے بولی۔ اس کے مثبت انداز میں بات کرنے سے وہ خوش ہو گیا اور جلدی جلدی اسے ساری معلومات دینے لگا۔

لڑکا پولیس ڈیپارٹمنٹ میں حال ہی میں ڈی ایس پی کے عہدے پر ترقی کر گیا تھا۔ آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ شرافت اور ایثار اخلاق میں اس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اب وہ گھر بسانا چاہتا تھا لیکن اس کا کوئی قریبی رشتہ دار نہیں تھا جو اس کی مدد کرتا۔ ماہین کو

ماہنامہ ہاپیکڑہ۔ جون 2012ء

اس کا گھر دوبارہ بن جائے گا تھا کہ فریہ آہنی کے گھر پہلی گلی آہنی نے اسے گلے سے لگا کر بوسہ دیا اور اپنے پاس بٹھالیا۔

”آہنی! مہک کہاں ہے؟“ اسے مہک سے ملنے کی بات تھی۔

”مل لینا بھئی مل لینا..... وہ اپنے کمرے میں ہے لیکن پہلے میرے پاس تو بیٹھو فریہ آہنی ہنس کر بولیں۔

”آہنی! مہک کو آپ نے اس رشتے کے بارے میں بتایا، اسے اعتراض تو نہیں ہے؟“ وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

”ہمیں..... اب اس کے کس بل نکل چکے ہیں۔ میں نے اسے سمجھا دیا ہے کہ میرے اور اس کے ڈیڑے کے بعد وہ ایک بغیر کی مرد کے اپنی زندگی کیسے گزارے گی۔ ویسے تو وہ بالکل راضی ہے لیکن کچھ باتیں بھی تم سے اسے سمجھانا۔“ فریہ آہنی نے اسے خوش خبری سنائی۔ کچھ ریڈیو مہک کے سامنے بیٹھی تھی۔

”ابھی امما کی باتوں سے میں شفق تو ہوں لیکن ایک گورنٹ سرورٹ کی کتنی سیلری ہوگی..... تم تو میرے شوق جانتی ہو۔ کیسے زورہ ہوگا میرا۔“ مہک اسے کہہ رہی تھی۔

”مہک! وہ یقیناً تمہارے شوق افروز نہیں کر سکے گا..... تم کو ہی اپنا آپ بدلانا ہوگا۔ میرا خیال ہے تم اتنی شاپنگ کر چکی ہو کہ اگر میں ہوتی تو شاپنگ کے نام سے ہی دور بھاگتی۔ بس اب تم کو کھر بیٹھنا ہے۔ گھر تکی سنبھالیں گے اور اپنے پیڈا کرتے ہیں۔“

”دہات!“ مہک چیخ کر بولی۔

”ابھی مہک! اگر تم مجھے ایک اچھی بیوی ہونے کی یقین دہانی نہیں کرو گی تو میں اس بات کو نہیں ختم کروں گی اس لیے کہ اگر میں تمہارے ساتھ اچھا کرنا چاہتی ہوں تو مجھے اس معصوم لڑکے سے ملنا ہی نہیں

دل میں دعا کرتے گی کہ خدا کرے اسے مہک کی پہلی شادی اور طلاق پر اعتراض نہ ہو۔

بات چیت شروع ہوئی۔ اس کی زیادہ تر باتوں کا جواب فرازا دیتا رہا۔ سعد مہک کے خاموش بیٹھا تھا۔ مہک کی ڈیڑھ ساری تقریبات کے بعد اس نے دے لفظوں میں مہک کی پہلی شادی اور طلاق کے بارے میں بتا دیا جس نے مہک کو دونوں چونک گئے۔ کچھ دیر ماحول پر براغیر فطری سانسنا طاری رہا۔ پھر فرازا نے تھیں کر اس سے مہک کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ مہک نے بڑی سچائی سے مہک کا کام اس کا ٹیکہ گزارا تو اور وہ سب کچھ بتا دیا جو کوئی نافرستہ بتانے کے لیے ضروری ہوتا ہے حتیٰ کہ ان کی امارات کے بارے میں بھی تفصیلی بات کی۔ فرازا نے ہی سوچنے کا ٹائم لیا جبکہ سعد بالکل خاموش تھا۔ جاتے جاتے سعد نے بڑی گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ مہک نے بڑی طرح الجھنے کی کہ آخر یہ بندہ اتنا ششاس کیوں لگ رہا ہے لیکن دماغ میں کوئی ٹھنکی نہیں بیج رہی تھی۔ تب تک اس نے اپنا ذہن اس طرف سے ہٹایا اور مہک کے بارے میں سوچنے لگی۔ آہنی نے یقیناً مہک سے بات کی ہوگی۔ جانے اسے کا تو کھل گیا ہوگا۔ ان ہی سوچوں میں گہری جھ وہ گھر گئی تو اس نے اس سے پہلی بات یہی کی۔

”مہک تم سے ملنا چاہتی ہے۔ دو بار مہک نے فون کیا ہے اور ایک بار جساری آہنی نے..... وہ مجھ سے ملنا چاہتی ہیں۔ میرا خیال ہے وہ تمہارے لائے ہوئے رشتے کے بارے میں کچھ کہنا چاہیں گی۔“

اماں سے وہ کبھی کوئی بات چھپایا نہیں کرتی تھی سو یہ بات بھی اس نے تفصیل سے اماں سے کہی اور اماں نے اسے کسی ایسی کوشش سے منع نہیں کیا تھا کہ ان کو کبھی مہک سے ہمدردی تھی اور وہ چاہ رہی تھیں کہ

مہک کی رضامندی سے پہلے ماہین اس لڑکے سے ملنا چاہتی تھی۔ اس کے دل میں بے حد شرم بھی تھا کہ کیا چار لڑکا کسی مطلقہ لڑکی سے شادی نہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی آئینہ لڑکی کوئی کٹوری لڑکی ہو۔ بہر حال اب تو اس کام میں ہاتھ ڈال لیا تھا۔ اسے اب پورا کربا ہی تھا۔ ویسے بھی اس کی بیچری لڑکی کسی گھر کی مدد کے لیے بیٹن پیش ہوتی اور یہاں تو معاملہ اس کی دوسری مہک کا تھا فرازا نے اپنا تسلیہ نہیں مانا کہ وہ اسے قاتلوں میں سے لے کر اسے فون ملا یا۔

”فرازا صاحبہ..... کیا آپ اور سعد صاحب مجھ سے ملاقات کر سکتے ہیں۔ میرا مطلب ہے اسی سلسلے میں جس کی آپ نے بات کی تھی۔“

”جی..... کیوں نہیں۔“ وہ بڑے ہٹاش لہجے میں بولا۔ غالباً اسے امید نہیں تھی کہ ماہین خود اس سے رابطہ کرے گی۔

”کیا ہم کالج آجائیں؟“ وہ پوچھنے لگا۔

”ہاں.....“ وہ سوچتے ہوئے بولی۔ ”کالج تو ایسی باتوں کے لیے مناسب جگہ نہیں ہے لیکن..... کیا کیا جاسکتا ہے۔“ اپنے گھر میں آپ کو نہیں ملا سکتی آپ ایسا کریں..... پٹنٹی کے بعد آجائیں۔ میں انتظار گاہ میں آپ کا ویٹ کر دوں گی۔“

مقررہ وقت پر فرازا اور سعد آگے سعد کو کچھ کرہ چونک گئی لگتا تھا کہ سعد سے پہلے بھی کہیں مل چکی ہے۔ اسے اس کی صورت ششاس لگ رہی تھی لیکن فرازا پر زور دینے کے باوجود اسے یاد آتا تو اس نے سمجھ لیا کہ شاید وہ کسی کے داخلے کے سلسلے میں آیا ہو اور اس کی صورت اس کے ذہن میں محفوظ طورہ ہو۔

کالے رنگ کی قمیض شلوار پہنے اس نے سلیقے سے بالی جمائے تھے۔ چہرے پر بڑا سکون اور دھیمی سی مگر اہٹ کھیل رہی تھی۔ مردانہ وجہات کا وہ دو جوان اسے مہک کے لیے ایک بہترین تھلا لگا اور وہ دل ہی

مہک کے لیے یہ رشتہ مناسب تو لگا تھا لیکن کیا خیر آہنی کو پسند آئے یا مہک خود ہی ایسا رد قبول نہ کرے کیونکہ وہ تو ایسی لڑکی تھی کہ پھر ان کے ہاتھ کا میل تھا جبکہ ایک گورنٹ سرورٹ کی تنخواہ کتنی ہو سکتی ہے اور مہک اس پر کتنا پیش کر سکتی ہے۔ وہ سوچ میں پڑ گئی پھر اس نے سوچا کہ پہلے آہنی سے بات کر لے۔ جب اس نے فریہ آہنی سے بات کی تو اس کی توقع کے برعکس وہ بے طرح خوش ہو گئیں۔

”ارے ماہین..... تو تم اس معاملے میں دیر کیوں کر رہی ہو! آج کل کل مجھے رشتے کہاں ملتے ہیں۔ کہیں کوئی اسے لکڑی ہی نہ کر دے! میرا مطلب ہے آج کل لڑکیوں کی مائیں تو اچھے لڑکوں کے لیے سنبھری جال پھیلائے رکھتی ہیں۔ کہیں وہ کسی جال میں نہ جکڑ جائے۔“

وہ آہنی کے جوش و خروش کو جرات سے دیکھ رہی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ آہنی اس رشتے کا سن کر اتنی خوش ہوں گی پھر بھی بات صرف فریہ آہنی کی نہیں تھی اصل فیصلہ تو مہک نے کرنا تھا۔

”آہنی..... مہک کو تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا نا.....؟“ وہ جھجک کر بولی۔

”کاپے کو ہوگا اسے اعتراض..... ایک سراپا کار سے شادی تو ناہ نہیں سگی، اب ایک دوسری بار پچھنا دکھائے گی..... اور سنو۔“ وہ اس کی طرف جھک کر راز داروں سے بولیں۔ ”اب اس کے ہوش ٹھکانے آئے ہیں پہلے جیسا دم غم نہیں رہا اس میں۔ سارا دن اپنے کمرے میں بند ہو کر سینگے گا نہ کتنی رہتی ہے۔“

”چھ!“ اسے حیرت ہوئی۔ اپنی مصروفیت کے باعث وہ کافی دنوں سے نہیں کی تھی۔

اس وقت بھی اس کا مہک سے ملنے کا موڈ نہیں تھا کہ اچھا ہے آہنی ہی یہ بات اس سے کریں۔ اس نے سوچا اور آخری سے اجازت لے کر گھر آگئی۔

لڑکے سعد نے نہیں اس کے دوست فراز نے کی تھی۔
سعد جب ہم سے بات کرنے آیا تو اسے تم پسند آئیں
اور اس نے اپنے دوست کم سے بات کرنے بیجا اور
تمہارے مگر اپنا رشتہ بجا دیا۔ ”اماں سوچ مجھ سے لےجے
میں بولیں۔

”ک۔ کیا.....؟“ وہ بری طرح اچھل پڑی
اور بے چینی سے اماں کی طرف دیکھنے لگی۔

”ہاں! جی! آج ایک سو بری پندرہ عرکی
خاتون آئی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ سعد ان کا پڑوسی
ہے، وہ پولیس میں انسپر ہے اور بہت اچھا لڑکا ہے، وہ
اس کا رشتہ اس کی خواہش پر لے کر آئی ہیں تمہارے
لیے۔“ اماں بولیں۔

ماہین کا سر گھومنے لگا تھا۔ آج کل اس کے لیے
بھانت بھانت کے رشتے آرہے تھے لیکن اس نے کسی
رشتے کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ اچھی بات یہ تھی کہ
اماں، ابا کو بھی ابھی تک کوئی رشتہ نہیں بچایا تھا ورنہ اس
کی انکار کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اور اب یہ رشتہ۔

”اماں! اگر پہلے یہ رشتہ آجاتا تو کچھ سوچا
جاسکتا تھا لیکن اب..... اب فریہ آئی اور ہم کو پتا
چلے گا تو وہ بدیدہ سبھاؤ بھی پرانوں کا گم ہوں گی کسا چھا
رشتہ دیکھ کر میں بے ایمان ہوئی ہوں۔ نہیں اماں،
آپ فوراً سے میٹھن خان خاتون کو انکار کریں۔“ وہ
رسان سے اماں کو کھانے لگی۔

”ویسے مجھے یہ رشتہ اس لیے پسند آیا کہ وہ
خاتون سعد کی بہت زیادہ تعریفیں کر رہی تھیں۔
میں اور تمہارے بابا تمہارے لیے ایسے ہی شریف
لڑکے کی خواہش رکھتے ہیں لیکن تمہاری بات میں بھی
وزن ہے۔“ اماں سوچتے ہوئے بولیں۔

”اگر یہ رشتہ کسی پریذینٹ کا بھی ہوتا تو میں اسے
قبول نہیں کرتی میں فریہ کا بی بی اور ہم کی نظروں میں

گرا نہیں جاتی..... بس آپ ان کو انکار کریں۔“ وہ
اماں کو چمکا چھوڑ کر اپنے کمرے میں پہنچ کر نے چلی
گئی لیکن اس بری طرح آپ سیٹھی کی بھوک کے
باوجود اس نے کھانا نہیں کھایا اور سوچتے سوچتے جانے
کہ وہ ہینڈ کی وادیوں میں اتر گئی۔

اماں کی آواز نے اسے جگا دیا۔ مندی مندی
آنکھوں سے اماں کو دیکھتے ہوئے وہ ہینڈ بھری آواز
میں بولی۔ ”کیا ہے اماں.....؟“

”مہمان آئے ہیں بیٹا..... تمہیں پوچھ رہے
ہیں۔“ وہ اٹھ کر دوش روم میں چلی گئی۔ اکثر لڑکیوں
کے والدین کوئی ناگوئی مسئلہ لے کر آتے تھے، جسے گھر
بجی کالج۔ اس نے سوچا، ایسے ہی کوئی مہمان ہوں
گے بھی تو اسے پوچھ رہے ہیں۔ لیکن ڈراما گروم
میں گھسنے ہی اسے بڑے زور کا جھٹکا لگا۔ بالکل سامنے
صوفے پر سعد اور فراز بیٹھے تھے۔ اسے دیکھ کر دونوں
اس کی نظریں لے لے اٹھے کڑے ہوئے۔ ”وہ کم عمری
ہوگئی، میروں نے حرکت کرنے سے انکار کر دیا، سر

گھونٹے لگا اور وہ تھوڑی سی سہم بھی گئی کہ یہ لوگ گھر
تک پہنچ گئے تھے۔ پہلے تو اس کا دل چاہا کہ انہیں
کھری کھری سنا کر سیدھا سمجھاؤ باہر کا دروازہ
دکھادے لیکن اسے اخلاقیات کی جو تعلیم دی گئی تھی وہ
اسے کی انتہائی اقدام سے روک رہی تھی اور پھر اماں
کی فیصلہ تھی کہ گھر آئے رشتوں کا بھی لحاظ کر سوا یک
خندنی سانس بھر کر ان کے سلام کا جواب دے کر وہ
اُن کے سامنے والے صوفے پر ٹپک گئی۔ نوش کے
باوجود وہ چہرے پر کوئی نرم تاثر لانا نہیں تاکام رہی
تھی۔ سعد سمجھا کہ بیٹھا تھا جبکہ فراز کے چہرے پر
شرمندگی تھی اور وہ بات کرنے کے لیے الفاظ کا
انتخاب کر رہا تھا۔

”آپ کچھ کہنے آئے ہیں؟“ جب وہ کافی دیر
تک کچھ نہ بولے تو دو گئے کچھ سے وہ خود ہی بول

پڑی۔

”جج..... جی..... جی ہاں۔“ فراز بولا جبکہ سعد
کی نگاہیں کچھ اور ذہن پر جھک گئیں۔

”دراصل ماہین جی..... ہم آپ کو کچھ بتانے
آئے ہیں۔ ایک حقیقت بتانا چاہتے ہیں ہم آپ
کو..... کہ اگر آپ کو کوئی فیصلہ کریں تو اس حقیقت کو
سامنے رکھ کر کریں۔“ وہ سنجیدہ لہجے میں رک رک کر
کہنے لگا۔

”کیا فیصلہ کروں میں..... آپ کیا حقیقت بتانا
چاہتے ہیں..... آپ نے کسی فیصلے کرنے کا چھوڑا
ہے مجھے..... آپ نے تو فریہ آئی اور ہمک کے
سامنے میری حیثیت دو کوڑی کی کر کے دکھادی ہے۔“
ماہین ہڑک اٹھی۔ اس بار سعد نے نظریں اٹھا کر اسے
دیکھا اور بالکل ناگھٹکوں میں حصہ لیتے ہوئے وہی آواز
میں بولا۔

”آپ کیا سمجھتی ہیں کہ وہ لوگ میرا رشتہ قبول
کر لیتے۔“

”یہ میرا دوسرا تھا۔ وہ لوگ اس رشتے کو قبول
کر چکے تھے..... اور اب آپ لوگوں کے شہر تھے کہ
آپ کا قاعدہ رشتہ لے کر آئیں گے لیکن آپ
لوگ.....! کچھ حیرت سے ماہین نے اسے دیکھا اور
ای نارتھ میجر سے لہجے میں بولی۔ وہ بات ادھوری
چھوڑ کر چپ ہو گئی لیکن اس کی ادھوری بات میں جو
مطلب پوشیدہ تھا وہ لوگ اس مطلب کو سمجھ گئے تھے۔
سعد تو خاموش رہا لیکن فراز اپنا گلا صاف کرتے
ہوئے بولا۔

”ماہین جی..... ہمیں معاف کر دیں کہ نا تجربے
کا دل کی بنا پر ہم سے سارے کا غلط ہو گئے۔
دراصل میری کوئی بہن نہیں تھی جس میں داخلہ دلانا
چاہتا تھا وہ صرف ادھر صرف آپ سے ملنا اور راہ درم
پڑا تھا۔“

”مم..... مجھ سے“ آ رہے حیرت کے ماہین کی
آنکھیں پھل گئیں۔ ”آپ لوگ مجھ سے کیوں راہ و
رسم پوچھنا چاہتے ہیں؟“

اس سے تو بات کرنی مشکل ہو رہی تھی۔ اس
نے اپنی ساری زندگی بڑی صاف ستھری گزار دی تھی۔
ہر قسم کی لالچوں سے اپنا دامن صاف رکھا تھا۔ اس
کے کردار کی چٹکی کی مثالیں دی جاتی تھیں اور اب
یہ..... مارے رنج کے اس کی روح فنا ہونے لگی تھی۔
وہ پچھلی بیٹی نظروں سے ان دونوں کو کچھ رہی تھی۔

”اگر ہم ڈائریکٹ آپ کے متعلق بات کرتے تو
یہ کینیڈن نہیں ہوتی اور پھر ہم نے دوسری غلطی یہ کی
کہ اپنی آئی کو آپ کے کھر پیج دیا رشتے سے نہ
بھی غلط تھا جب تک آپ کی طرف سے کریں سکتے نہ
ملے ہئیں۔ یہ قدم نہیں اٹھانا چاہیے تھا بس اس لیے ہم
خود حاضر ہو گئے کہ ساری کینیڈن دور کر لیں اور تو
ماہین کے شے کا ٹھکانا نہیں رہا۔ وہ اماں کی مہمانوں
کے متعلق ساری ہدایات بھول گئی۔

”ہوش میں تو ہیں آپ..... آپ کو احساس ہے
کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“ اس کی آنکھیں شعلے
برس رہی تھیں اور اس کی زبان آگ برسا رہی تھی۔
اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ان دونوں لڑکوں کو اپنے
گھر سے نکال باہر کرے۔ سعد تو اس کے شے کے
آگے کچھ نہیں بولا لیکن فراز نے ہاتھ دھواڑا مارا۔

”مم نے آپ نے معافی مانگ لی ہے مس
ماہین اور اپنی غلطیوں کا اعتراف بھی کر لیا ہے لیکن ہم
نے آپ کا رشتہ مانگا ہے۔ کوئی غلط کام نہیں کیا۔“
”رشتے ایسے لگتے جاتے ہیں۔ اس طرح غلط
طریقے سے کسی کو گمراہ کیا جاتا ہے۔“ وہ ہمزگ کر
بولی۔

”دراصل ہمارا کوئی بزرگ نہ تھا جو اس سلسلے
میں ہماری رہنمائی کرتا۔ بس ہم سے غلطیاں ہوتی

گئیں۔ ”فراز سر جھکائے کہہ رہا تھا۔

ماہین چپ ہوگئی۔ وہ بار بار اپنی غلطیوں کی معافی مانگ رہے تھے اور شرمندہ تھے۔ ماہین کو اپنا بڑھ بڑھ کر بولنا بھی ایک اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اگر ایک ہندہ اپنی غلطی تسلیم کر کے معافی مانگ لے تو پھر یقیناً دوسرے کو معافی دے دینی چاہیے۔ ابھی اگھر کسی سوال تھے تو ماہین کو پریشان کر رہے تھے۔ مثلاً یہ کہ سعد اس سے کیوں رشتہ جوڑنا چاہتا تھا اور اس کے لیے انہوں نے اتنی جی پی لڑائی کیوں کی۔ وغیرہ وغیرہ..... لیکن اب اس نے مزید بات یوحانی مناسب نہیں سمجھی اور بات ختم کر کے ہوئے بولی۔

”اوکے..... میرا خیال ہے اس بات کو ہمیں ختم کرتے ہیں۔ اگر آپ لوگ چائے پینا چاہیں تو میں چائے بھجوا دیتی ہوں۔“ باگھر نہیں ہیں ورنہ وہ آپ کو کھینچ دیتے۔“ وہ صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی اس کا خیال تھا وہ لوگ بھی اس کے ساتھ ہی کھڑے ہو کر اجازت لیں گے لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا بلکہ فرائز جیگدی سے کہنے لگا۔

”آپ بیٹھیں مایہن جی..... ابھی تک تو وہ بات ہوئی ہی نہیں جسے آپ سے کرنے کے لیے ہم بطور خاص آئے ہیں۔“

”کیا.....؟“ اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں۔ ”کیا ابھی کچھ کہنا باقی ہے؟“ اسے انھن کے ساتھ ساتھ پریشانی بھی ہونے لگی۔ ایک پولیس فرائیڈ اس کی کسی شل گیر ناچا رہا ہے کیا..... وہ بیٹھ گئی وہ پریشان سی ہو کر انہیں دیکھنے لگی جبکہ اب فرائز کے جانے سے بعد بولا۔

”آپ ابھی کہہ رہی تھیں کہ مہک اور فریدہ آئی
کو آپ نے اس رشتے کے لیے آمادہ کر لیا ہے لیکن اگر
میری اصلیت جان لیتیں تو اس کے لیے کبھی آمادہ
نہ ہوں گی۔“ وہ عقیدگی سے کہہ رہا تھا۔

010 • ایمیل سہ ماہیہ جون 2012ء

”آپ نے کیسے سمجھتے ہیں اور..... آپ کے اسلیٹ کیا ہے؟ کیا وہ آپ کو جانتے ہیں؟“ اس کے ڈر پر حیرت غالب آگئی..... وہ سوال پر سوال کیے جا رہی تھی۔

”جی ہاں، اچھی طرح جانتے ہیں وہ مجھے کیونکہ میرا بچپن اور جوانی کا کچھ حصہ بھی ان کی ٹھوکروں میں گزارا ہے..... اور یہ آپ بھی اچھی طرح جانتی ہیں۔“

سرد و سیمہ لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

”کیا۔۔۔؟“ وہ ہکا بکا اس کا منہ دیکھنے لگی۔ اس کی دھڑکنیں معدوم ہونے لگیں اور سر بری طرح سوچنے چکرانے لگا۔ کتنی دیر تو اس سے کچھ بولا نہیں گیا۔ سوچتے سمجھتے اسے بولنے کی بھی صلاحیت جیسے ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ لیکن اچانک جیسے اس کے ذہن میں ٹلک سا ہوا۔ وہ ہکا کر پڑی۔

”ج۔ حماد۔ تم حماد ہو۔۔۔؟“ اب اسے حساس ہو رہا تھا کہ سرحد کی صورت اسے جانی پہچانی سی کیوں لگ رہی تھی۔ حالانکہ حماد اور سعد میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ وہ سکینہ کا حماد جس کے چہرے پر ہمہ وقت عاجزی اور مسکینیت چھائی رہتی، جو جبکہ گھر والوں کا بے دام غلام تھا۔ جس نے کبھی فریاد نہ کیا کہ تاجنا اور غلام بائوں کا پٹہ کون کی جواب نہیں دیتا، جیسا کہ وہ تاجنا کے ساتھ کرتا تھا۔

کسی کی سوچ میں یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ وہ
 کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ سہ..... پولیس
 فسر جس کے چہرے پر خود اعتمادی کی گہری چھاپ
 ہے۔ جو جھجکی کے بات کرتا ہے اور مخاطب کا دل
 بیت لیتا ہے۔ مایزن کبھی پٹنی نظروں سے اسے یک
 طرفہ دیکھ رہا ہے۔

”میں تو شاید اس آگ میں بھسم ہو جاتا.....
 ماری عمر چچا کے گھر کی چاکری میں گزر جاتی..... اگر
 آپ مجھے راستہ نہ دکھاتیں..... آپ کا دکھانا ہوا راستہ

اتفاق تھا کہ میں نے ایک بار اسے اقتصاد کا قیاسی
کھانی کسی کھانی کو اپنے آؤنے نہیں آنے دیا۔۔۔ اور
آگے۔۔۔ اور کہ چنار ہوا۔۔۔ اور وہ مالی کے ذریعے
ملے کرتا رہا۔۔۔ لیکن میں نے یہ نہیں بولا کہ میری
زندگی بنانے میں آپ کا ہاتھ ہے۔ میں آج ایک
بازت پوسٹ پر ہوں تو سب آپ کی بدولت ہے۔
میں حماد سے سچو قیاسی آپ کی وجہ سے۔ ورنہ میں
آج بھی اپنے پاس دیکھتے ہوئے ہوں۔ اور میں سبزی کا
مول تول کرنا ہنسی کے لئے روزی سے لا رہا
ہوں۔ میں آپ کا یہ احسان نہیں سمجھتی۔ زندگی میری
بھول سکتا۔۔۔ وہ آہستہ آہستہ ہر گتہا۔۔۔

ذرا ٹانگ روم میں آنے کے بعد پہلی بار مہینے کے یوں پر ہوی جاندار اسکرٹس بکھرنے لگی۔ اسے حقیقتاً بہت زیادہ ہوشی ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ حاد کے بارے میں سوچنے کے بہک کے گھرے نکل کر اس کا کیا حال ہو چکا ہوگا۔ وہ ہمیشہ اس کے لیے دعا گوئی اور آج اس کی دعا قبول ہوئی تھی۔ وہ ایک نیک دل لڑکی تھی اور نیکیاں کر کے مسرور اور مطمئن ہوتی تھی۔ کبھی بے طے کے بغیر وہ لوگوں کے ساتھ اچھا چلنے کے جاتی تھیں۔ لیکن اب حکود کو یہ کہہ جانے کے لیے بے تاب تھی کہ جب حاد سے ملے گا تو اس پر کیا..... اور وہ حاد سے سعد کے بنا۔

”آپ یہ میرا احسانِ بغیرہ رہنے دیں گے
ایسا کچھ نہیں کجا جس کے لیے آپ احسان مند
ہوں..... اس میں آپ کی اپنی ہمت اور جدوجہد کو
کریٹ جاتا ہے لیکن مجھے یہ سننے کا نفس ضرور ہے
کہ آپ حماد سے سعد کیسے بنے اور آپ نے اپنی راہ
کی کشنایاں کیسے دور کیں۔“ اس کا مؤذکیم فخریہ اور
دلکا تھا اور چہرے پر ایک مطمئن سی سکراہٹ کھیل
رہی تھی۔ وہ سب کچھ بھول گئی تھی سوائے اس کے کہ
س نے جو نیکی کی تھی وہ آج بحسب اس کے سامنے بھی

خدارا ● خدارا
شوگر مریض
ذرا عقلمندی سے کام لیں

ایک ساری زندگی عاشقی میں گلیں پھینکی ہی گھاٹے رہتا تھا کہیں کی گھنڈی ہے؟ آج کل ہر انسان صرف شوگر کی وجہ سے بہت حد پر بیمار ہے۔ شوگر موزی مرض انسان کو اندری اندر سے کھوکھلا، بے جان اور کا روٹنا اور اعصابی طور پر کمزور کر دیتے ہے۔ حتیٰ کہ شوگر کی مرض کو انسانی زندگی ضائع کر دیتی ہے۔ شفاء منجانب اللہ پر ایمان رکھیں۔ ہم نے جذباتِ غم و غمناکیت سے پرہیز کر کے ایک طویل عرصہ درجہ تحقیق کے بعد طبی یونانی قدرتی جڑی بوٹیوں سے ایک ایسا خاص کم کا ہرمل شوگر بیمار کو اس ایجاد کر لیا ہے۔ جسکے استعمال سے آپ شوگر سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر آپ شوگر کی مرض سے پریشان ہیں اور نجات چاہتے ہیں تو خدا آج ہی مگر پیسٹھ خون کر کے بذریعہ واک VP دینی شوگر نجات کوں ملے گا۔ اور ہماری صفائی کا ڈراما نہیں۔

المسلم دار الحکمت (رجسٹرڈ)

(دینی طبی یونانی دواخانہ)
ضلع وشہر حافظ آباد پاکستان

0300-6526061
0308-6627979
0547-521787

آپ ہمیں صرف فون کریں
شوگر کورس آپ تک ہم پہنچائیں گے

ہے۔“ وہ خاموش ہوا تو فراز جلدی سے بولا۔

”اور ماہی جنی اس کی دشتوں کا اس کی بھیتوں
 کا اس کے عشق کا میں گواہ ہوں..... یہ بھی بھی آپ کو
 نہیں بھولا لیکن اپنی تمام تر بھیتوں کے باوجود یہ اپنی
 ہمت نہیں رکھتا کہ آپ کو اپنی زندگی کا ساتھی بنا سکے یہ
 ساری عمر آپ کی خاموش محبت کے سہارے زندگی
 گزارنا پڑا جانتا کہ میں اس کا دکھ نہیں دیکھ سکتا تھا سو
 میں نے اسے اس پر آمادہ کر لیا کہ آپ کو اپنی شریک
 حیات بنا کر اپنی پاک محبت کو کامیابی سے ہمکنار کرے
 اور اس مقصد کے لیے باقی پانچ میری تھا جو تاجر بہ
 کا رہی ہے غلط طور پر تھا بلکہ غلط ہوا ہے۔“

[illegible]

”ہم اب چلتے ہیں مابین جی..... آپ اچھی
 روح سوچ سمجھ کر ہمیں جواب دیجیے۔ ہماری غلطیوں
 کو نظر انداز کر دیجیے۔ دراصل ای، ابو میرے بڑے
 بھائی کے پاس امریکا گئے ہوئے ہیں ورنہ امی ساہرا

”ارکوں کا“۔ وہ ایک لمحے کے لیے راک اور ہائین
سے حران چہرے پر اپنی نظر دوڑاتے ہوئے بولا۔
”بات میں وہاں سے شروع کروں گا جو میری
ہلکی کا تاریک دور تھا۔ یہاں پہنچے گا کہ میرا ہانا۔ اس
دن اور اگلے اگلے لمحے جیسے کہ میں میرا دن بھی
تاریک ہوتا اور توت خیر نامی اندر سے کا ہے
میں جب آپ وہاں آئیں تو مجھے لگتا جیسے اندر سے
روشنی کی کرن چمک اٹھی ہو۔ جیسے تاریکیاں چھٹ
گئی ہیں۔ آپ کے چہرے پر ہمدردی کی جھلک دیکھ
رہے تھے۔ سچی کی صلواتوں کا غم نہ رہتا۔ رات کو سوتے
تھیں میں آپ کو ہی سوچتا۔۔۔ لیکن میں ڈور کر سوچتا
تھا کہ میری سوچوں کی تھک کو پانچویں تک پہنچ گئی تھی
وہ زیادہ دھڑکنے لگی تھی کہ میں نے تھک کی دوست کو
تھک کرنے کی جرات کیسے کی؟ اس کی آواز بھرائی
تھی وہ دور میں چلا گیا تھا۔ لیکن جلد ہی اس نے
کو گھبراہٹ اور رفت بھری آواز میں بولنے لگا۔

”لیکن..... میں اور میرا دل اس بات پر قادر نہ
 کہ میں آپ کے متعلق نہ سوچتا..... سوؤر ڈر کر
 افزہ ہو کر یہی کہی لیکن ان ائمہ پرے پلوں میں
 آپ ہمیشہ روشنی بن کر میرے آس پاس رہیں۔
 نے پرہمگا ہی ہوا کہ آپ نے مجھے زندگی کا وہ راستہ
 پایا جس نے میری زندگی بدل دی..... آپ کوئی
 کر سیں اور میں نہ مانوں یہ کیسے ہو سکتا تھا میں جانتا
 تھا جن کی کہ آپ نے میرے ساتھ جو کیا وہ ہمدردی
 کیا..... لیکن میں نے جو کیا.....“ مجھے
 کہہ سوا کہ بولا ”محببت کی.....“ بلکہ عشق
 تو میں جب چچا کے گھر سے نکلا تو آپ کا تصور
 کے ساتھ ساتھ تھا..... اور تب سے کہ آپ تک
 کا تصور ہمیشہ میرے ساتھ رہا ہے اور آج اگر
 آپ کے سامنے بیٹھا آپ کو اپنا حال دل نہ سنا رہا
 تو خود بخود اپنی بھی سمجھ اچھڑے کے تصور بنے دی

خائے خاطر میں نہ لانا تو آج جیت آپ کا مقدر نہ
 لیکن خیر..... یہ سب چھوڑیں اور یہ باتیں کہ
 ”چھادے سہی کیسے بنے؟“
 ”بیرا اصل نام سعد ہوا ہے۔ اسکول کے...
 ٹی ٹی میں یہ نام لکھا ہے لیکن بچے کے گھر والے مجھے
 کہہ کر کہہ کر لاتے رہے جبکہ اسکول میں مجھے سعد کہا جاتا
 ہے۔“
 وہ سہوا کر بولا۔

”اچھا.....“ وہ اٹھتے ہوئے بولی ”میں آپ
لے جانے لاتی ہوں۔“

”نہیں مس ماہن.....“ فرزا جلدی سے
”ہم جانے ضرور ہیں مگر لیکن پہلے ایک اہم
آپ سے کرنا چاہیں گے بلکہ میں نہیں..... آپ
دو ہوا تھ ذرا ٹیک سہرہ کر گئے۔“

”کیا اب کچھ اور بتانا چاہ رہا ہے کیا؟“ وہ
اٹھتے بیٹھتی اور حیرت سے بولی۔

”ہاں، امین جی..... وہ بات تو رہ ہی گئی ہے
ہم بتانے کے لیے آئے ہیں۔“ پھر وہ سعد سے
”سعد..... چلو بات کرو۔“

ہاین کو لگا جیسے سعد کو بات کرنے میں بہت پیش قدمی ہو۔ وہ کسی دیر اپنے الفاظ جمع کرنے کووش کرتا رہا..... عجیب ایجن اور شمش اس چہرے سے عیاں تھی۔ ہاین کو حیرت کے ساتھ تجسس بھی تھا کہ اب سعد کا جرم کیا کہنا پاتا کیونکہ ساری باتیں تو ٹیکہ ہو چکی تھیں۔ آخر کار جب ذہن سعد کو بھگا دے کر اسے بولنے پر آمادہ کیا تو نکلا سعد کی آواز میں کہنے لگا۔

”ماہین جی..... میں جانتا ہوں کہ آپ کو میری اس اچھی نہیں لگے گی..... آپ کو میری جرات ہے کہ آئے گا اور شاید آپ ہمیں کھڑے کھڑے اپنے ڈرائنگ روم سے نکال دیں لیکن ان تمام خطرات ناخوشیوں میں اپنے دل کی بات آپ سے کہنے کی جرات

بیکر سدھسی آواز میں کہہ رہا تھا۔
”آپ کی اس دن کی باتوں نے مجھے جیسے پسند
چکا کر رکھا ہے۔ مجھے اپنے جدوجہد سے نفرت ہونے
میں لکیر کھان لوگوں کی پاکاری کر رہا ہوں جو
ساتنے مظالم کرنے کے باوجود خود کو حق پر سمجھ
ہیں جبکہ میں خود بھی ان کو حق پر سمجھ رہا تھا کہ وہ
مطلاتے نہ پلاتے ہیں تو مجھے شوکر دیا کرتے تھے کہ حق
نہ ان کو سمجھ میں شغور تب بیدار ہوا جب آپ نے
مجھایا..... اور اب میں اس گھر کو ہمیشہ کے لیے
کر فرماؤں گا۔ پاس آگیا۔ فرما دیا اس کو اسکول کے
کا دوست تھا۔ مجھے یہ چاہائی چوٹ گئی لیکن
اور میری دوست بنی چوٹی تھی۔ میں گھر والوں
پسپ کر فرمائے ملاکا اور فرما میری کتابیں اور
لے وغیرہ کا خرچہ برداشت کرتا رہا کیونکہ میں
بوٹ طور پر ساحتنامہ دے رہا تھا تعلیم حاصل کرنا
خواہش، میرا خواب اور میرا مقصد تھا۔ جب
میں فیصلہ کی کہ عزت مجھے حاصل ہوگی
میں تعلیم حاصل کروں گا تو تعلیم حاصل کرنے کی
یو ایس اے پہنچا اور بڑھتی عمر میں سلسلے میں میرے ہم
رو میں کام آنے والے دوست فرما نے میری
قدم پر مدد کی جب میں نے ذیل اسم اے کیا تو
کی کوشش سے ہی مجھے پولیس ڈیپارٹمنٹ میں
بل گئی، اپنے کام سے گن اور محنت نے میری
اس کے پتر چن لیے اور میں کامیابیاں حاصل
تے کرتے آج ایک باعث پولیس
فرم ہوں..... لیکن میرے اندر ایک باعث زندگی
رنے کی خواہش آپ نے پیدا کی اور اسے سمجھیں
ہینا فرما نے سو سمجھے۔ دونوں پر فخر ہے۔“

”ماہین! بس اب اس قصے کو ختم کر دو۔“

مزید اس معاملے کو مت لگاؤ..... وہ بے چارہ فراز نے

دون دیکھ کر اسے اور نہ رات..... ہر وقت آتا ہے.....

میں تو اب اس سے شرمندہ ہو چکی ہوں۔ مانی دو

رشتے والے بھی جواب کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔“

”میں کیا کروں اماں..... میری تو کچھ میں کچھ

نہیں آ رہا۔“ وہ بے بسی سے اماں کی طرف دیکھتے

ہوئے بولی۔

”بس اب میں تمہیں سوچنے کے لیے مزید نام
نہیں دے سکتی۔ تم ابھی کے ابھی مجھے جواب دو۔“
”اماں..... میں سعد کے جذبے سے متاثر
ضرور ہوئی ہوں اور جانتی ہوں کہ سعد کے ساتھ میری

”کچھ نہیں بیٹا..... بس تم سے ایک بات کرنی تھی۔“

”ہاں کہیے نا.....“ وہ لاٹھ سے ان کے کانڈھے

”جنا! ایک یونہی گزارنے کے لیے ہوا، پانی کی جتنی ضرورت ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ ضرورت محبت کی ہوتی ہے۔ محبت ایسا کہن ہے جو کروڑوں بھائی ہے۔ جو بندہ کو تازہ دھرتی ہے۔“

”میں جانتی ہوں اماں! لیکن آپ کو یہ سب مجھے کہنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ کیا میں آپ سے محبت نہیں کرتی؟“ ماہین نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور اچھے ہوئے لہجے میں بولی۔

”بات تمہاری اور میری محبت کی نہیں ہے۔ اس بات کی محبت کی ہے کہ جو بندہ تمہیں اپنا چاہتا ہے۔ وہ تمہیں ڈھیر ساری خوشیاں اور محبتیں دے گا۔“ اماں دس دس پھر تھوڑا سا رک رک کر کہیں لیں۔ ”میں سعد کی بات کر رہی ہوں۔“

”اماں..... میں نے آپ سے کہا تھا کہ انہیں
نکار کر دیں..... آپ نے ابھی تک انہیں انکار نہیں
کیا۔“ وہ شدت سے چونک پڑی اور الجھتے ہوئے
ہلے۔

”بیٹا! نکار کرنا بہت آسان ہے اور اعلیٰ بحر میں کیا جاسکتا ہے لیکن میں سعد کو انکار کرنا نہیں چاہتی..... کہ شاید تمہیں دوبارہ سعد جیسا قدر دان بندہ ملے۔ جس نے تمہاری محبت میں خود کو سرتاپا بدل دیا۔ اس بار بندہ نہیں کر سکتا۔“

وہ سر جھکائے خاموشی سے بیٹھی رہی۔ اماں
 کافی دیر تک اسے سمجھاتی رہیں۔ اسے سعد کا رشتہ
 قبول کرنے کے لیے آمادہ کرتی رہیں۔ وہ چپ
 چاپ اماں کی دلیلیں سنتی رہی لیکن اس نے اماں کو کوئی

رشتے آئے تیرے..... اور سب کو انکار ہی کر دیا۔
اب یہ مناسب نہیں لگا تو انکار کر دیں گے لیکن اس
سے پہلے بھی تو کسی رشتے کے لیے اتنی پریشان نہیں
ہوئی پھر اس بار.....“

ہیش کی طرح وہ اماں سے کچھ نہ چھپا سکی۔ حماد یعنی سدھ کی ساری کہانی اس نے حرف بحرف اماں کو بتا دی۔ اور اس کی کہانی میں محبت کا جو اظہار کیا گیا تھا اسے وہی مدھف نہ کر سکی کہ ماں سے کچھ بھی چھپا ہوا اس کے لیے مشکل ہی نہیں بائیں ہوتا تھا۔ اماں نے اسے قتل اور بدلے دے کر بھلا تو لیکھ لیکن خود گھری سوچ میں ٹھس ہو گئیں۔ اماں نے بک شادی کے بعد وہ اماں اب اسے ساتھ ایک ہی کمرے میں سوئی تھی۔ اب ابا کو ملاطعت کا شوق تھا جبکہ وہ اپنے کالج کے لیے لیکچر تیار کرتی۔ فی وی بھی چل رہا تھا اس شور و حرکت لائٹ میں ابا خراٹے بھر کر سوئی دیش جبکہ آدھ کر دوش بدل رہی تھیں۔ سوئے اسی کی ٹینگ کر رہی تھیں لیکن ماپن جاتی تھی کہ وہ کمرے میں نہیں رہیں۔ اور پھر پشیمان اور گھمسنہ ہو کر اسے انہوں شور مچا دینا وہ کسی کیا کرتی۔ اماں سے کچھ بھی چھپانا اس کے لیے ناممکن تھا۔

ایک مہینہ بغیر کسی خاص واقعے کے گزر گیا۔
 مہمک اور بیوہ آئی نے اسے پھر نہیں پایا تھا..... شاید
 اس کا نہ جانا انہوں نے اپنے لیے ایک مسئلہ بنالیا تھا
 اور اور انہی کے اکتھار کے طور پر اسے نہ اپنے پاں پایا
 تھا نہ ہی مہمک اس کے گھر آئی تھی۔ وہ بھی اپنی
 مصروفیات میں گھر کو وقتی طور پر ساری باتیں بھول
 بیٹھتی تھی کہ اس دن جب وہ کالج سے گھر آئی تو اس کو
 کسی گہری سوچ میں ڈوبے دیکھا۔ بیچ کر کے وہ
 اس کے پاس آئی تو اس اتنی گہری سوچ میں تھیں کہ
 اس کی آہٹ بھی محسوس نہیں کر سکیں۔

”کیا بات ہے اماں..... کیا سوچ رہی ہیں؟“

کچھ سنہالیاں تھیں بھر ہم سے اس طرح غلطیاں نہیں
 ہوتیں۔ ”مذاہفہ سے سوچوں میں ڈوبا دیکھ کر بولا۔
 اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ انہیں ایک کپ
 چائے پینے کے لیے روک لیتی۔ وہ کم صدم کھڑی رہی
 اور وہ دونوں خدا حافظ کہہ کر کھلے دروازے سے باہر
 نکل گئے اور وہ خالی الدانی سے کتنی دیر خالی دروازے
 کو دیکھتی رہی۔

”بیٹا! جو مہمان آئے تھے وہ کیا کی اسٹوڈنٹس
 کے رشتے دار تھے؟“ رات کو اماں نے پوچھا۔ وہ کچھ
 نہ بولی بس خالی خالی نظروں سے اماں کو دیکھتی رہی۔
 اماں نے اپنی دھن میں اس کی خاموشی نوٹ نہیں کی۔
 ”تو نے نہیں جانے بھی نہیں پائی کہ وہ تو کافی
 دیر بیٹھے رہے۔ میں بھی کام میں کئی بجائے کا
 پوچھنے نہ آسکی۔ اچار کا سارا سامان منگوایا تھا وہی
 ڈال رہی تھی۔“

”اماں..... ابا کہاں ہیں جسے؟“ ایک دن والدین نہیں لوٹے۔“ اس نے اگرچہ بات بدلتی تھی لیکن ابو کی غیر حاضری اسے پریشان بھی کرتے تھی۔

”وہ کہہ کر گئے تھے کہ کچن کے لے کر وہ اپنے دوست جاوید خان کی طرف جائیں گے..... اور ابھی فون پر کہا ہے کہ جاوید خان انہیں کھانے کے بنا نہیں چھوڑے ہیں سو درجے آئیں گے۔“

”اچھا.....“ اسے تسلی ہوئی اور جب وہ کافی دیر خاموش بیٹھی رہی تو اماں کو عجیب سا لگا۔ وہ کبھی اتنی دیر جب نہیں رہ سکتی تھی۔

کیا بات ہے مامی..... کوئی مسئلہ ہے کیا؟“
 ”نہیں اماں..... مسئلہ تو نہیں..... بس آپ
 سے یہ کہنا تھا کہ سعد کی آٹنی دوبارہ آئیں تو آپ
 انہیں انکار کر دیں۔“

”ہاں، ہاں کر دوں گی..... تو ابھی تک اس بات کو لے کر پریشان ہو رہی ہے۔ تجھے پتا تو ہے کتنے

”میرا خیال ہے کہ اگر گرجا... میرا مطلب ہے کہ اس اسٹوڈنٹ سحر کا مشورہ ہمک سے ملے یا چاہے ہمک کے لیے بہت اچھا رہے گا۔ عام سے حالات میں تو میں شاید یہ بھی گوارا نہیں کرتی لیکن ہمک کی خدمت کی عادت نے اسے ایک گھر چھڑا دیا جو اب میری ایک خدمت اور خود پسند عورت کا شوہر بنا پسند نہیں کرے گا۔ ویسے بھی اس میں ایسی خوبی نہیں ہے کوئی بھی شوہر پسند کر سکے۔ لیکن یہ سحر...“ وہ آسودگی سے سکرناٹے ہونے لگی۔

”وہ شوہر ہمک اور تو کرنا دے گا۔“ وہ سحر کے سامنے دوہم دیکھ کر ہنس کرے گا۔

”ساری عمر اس کا کام ہی بن کر رہے گا۔ اس کی ہر جائز خواہش پوری کرے گا۔ میرا خیال ہے کہ

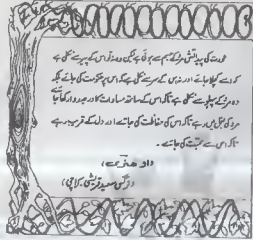
”تم..... تمہاری جزاآت کیسے ہوئی..... میرے لیے یہ اسٹوپڈ رشتہ لانے کی، میں اس شخص سے شادی کروں گی جس نے ہمیشہ میری جڑیاں سیدھی کی تھیں۔“

”کیا مطلب ہے؟“ ”فریدہ انہی سے حیرت سے دیکھا جبکہ ہر ایک بھی ایران ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ ”جب میں اس بندے سے کراشہ ہرک کے لیے لائی تھی تو تب مجھے بھی اس کی اصلیت کا علم نہ تھا لیکن اب جو بات میرے علم میں آئی ہے ضرور دے کہ آپ کے علم میں بھی لائی جائے“ ”ناہین، یہ قدر سے توقف سے بات شروع کی اور خجندیہ کی بیوی۔

”ماہی..... تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے، میں تو تمہیں بہت اچھا سمجھتی تھی لیکن تم تو لیکچرار بن کر امانوں پر اڑنے لگی ہو..... شاید تم خود کو بڑی توپ

عقیدہ حق

”آئی..... یہ یاد رکھیں کہ میں سحر کو خدا نہیں
 بننے دوں گی..... میں اس کے ساتھ مزید زیادتی نہیں
 ہونے دوں گی۔ اس نے آپ کے بہت ستم سہے
 ہیں۔ اب اس کو اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کا حق
 ہے اور میں اسے یہ حق دوں گی۔“ یہ کہتے ہوئے ماہین



ایک گاڑی تک نصیب نہیں ہوئی اچھا کھانا تو اچھا پہننے کے لیے نہیں، اس جہان لوگو اچھا کھانے کو ترسو..... پوری زندگی گذر گئی ساس سسری کا بقیات کو سنبھالنے..... سوچا تھا اکیلا گھر ہو گا خوش عیش کروں گی۔ بظاہر تو برعکس ہی ہے لیکن، وہ زندگی تو نہیں جو خواب بھی آدمی میں یہ کیسے برداشت کر دیں کساری زندگی جو لڑکی سر جھکا کر میرے ہر حکم کی تعمیل کرتی رہی، جس کو سال کے چند جھڑوں کے علاوہ ہمیشہ میری اتون کی دھولوں میں راج کرنے کاڑیوں میں کھوئے نہیں میں یہ برداشت نہیں کر سکتی، میں نے اس کو ہمیشہ رعایا سمجھا اور اس کو رعایا کی طرح حکم اور مظلوم ہی رہنا چاہیے۔ میں کہ ازم اس کو برابری نہیں دے سکتی، اس کو ہمیشہ مجھ سے گھٹا اور دب کر رہنا چاہیے کہ منگھ پٹت بنے بڑے معصوموں کو شیر بناؤتی ہے۔ نہیں میں یہ برداشت نہیں کر سکتی۔

”بھائی روٹی ڈال دوں۔؟“ سارہ نے سوچوں میں غرق شائستہ کو حال میں داپس کھینچ لیا۔ ”ہاں۔ ہاں۔“ شائستہ غلاموں کی طرح کھڑی سارہ کو دیکھ کر بولی۔ ”کتنی سوچتی ہوگی میری بہن کہ بھائی نے ساری زندگی مجھ پر ڈالی ہوئی ہے کیا کروں تم نے ایسی عادت بگاڑ دی ہے کہ کوئی کام

میں مجھ سے کچن کے دروازے پر کھڑے باتیں کر رہے تھے۔“
”تو کیا وہ اپنی بیٹیوں کے باپ نہیں ہیں۔“
”وہ تو تمہارے بھائی ہیں، صرف بھائی اور تم اس گھر کی مفت کی ملازمہ ہو، آخر تمہاری گوری محل کو کب بھگ آئے گی۔“ ”مرگس نے تیزی سے دابتر سے کہا۔
”پالندہ مرگس، تم بولنے پر آتی ہو کوسو کی نہیں سنتی ہو۔“ بھائی جان صبح تو ناراض ہوئے، شریف گھروں کی لڑکیاں اس طرح اکیلے گھروں میں لڑکوں سے باتیں تو نہیں کرتیں، غلط بات تو غلط ہی ہے، بھائی جان کوئی میرا برا تو نہیں چاہتے، غلطی تو میری تھی، مجھے خود ہی خیال رکھنا چاہیے تھا۔“ سارہ کے لہجے میں ایک عجیب سی اداسی گئی۔

”صافہ خانو۔ آپ کو صافہ کہو! شاکرہ..... وہ کوئی غیر نہیں تمہارا بایا زاد ہے اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ تمہارے پیارے بھائی کا یقین ہونا چاہیے کہ تم نے سارہ بھائی کو اکیلے گھر میں ڈیٹ مارنے کے لیے نہیں بلایا تھا۔ وہ معمول کے مطابق آتے تھے، میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارے بھائی میں کیا چیز..... ان کی تنگم بغیر برقع چادر کے گھومتی پھرتی ہیں ان کی جوانی ہوئی بیٹیاں کو اجوش کھسکولوں میں پڑھ رہی ہیں اور تمہارے معاملے میں اس قدر امت پندہی پر اترتے ہیں۔“

”نف مرگس! تم تو بہت لڑا کا ہو تو چارہ ہی سمجھ میں نہیں آتا سارال جا کر کیا کرو گی۔“
”نہ ظلم ہوں گی اور نہ ہی ظلم کروں گی سمجھیں تم۔“ مرگس نے سارہ کی بات سننے میں سے اچک کر کہا۔
”خیر ظلم تو نہیں ہو رہا میرے ساتھ، وہ میرے بھائی ہیں، میرے ابا کی طرح ہیں، وہ جو بات بھی کرتے ہیں میرے سامنے ہی کے لیے کرتے ہیں۔ اب تو وہ میرے بھائی بھی ہیں اور میرے باپ بھی۔“

سارہ نے زندگی بھر کی میری ان تین کہو میں کسی کی خوب صورت تھی اور رگنی، آج تک کبھت

”کچھ نہیں بھائی جان، میں سارہ سے یہ پوچھ رہا ہوں کہ آخر روٹیاں خود بخود گول کیسے ہوجاتی ہیں۔“ سارہ نے ہنستے ہوئے تسلیم سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس کے سوال کا جواب دیا۔
”تم کو بھی پوچھنا ہوا کرے اندر آکر پوچھا کر، یہاں اس طرح سوال و جواب کرنے سے کھڑے ہوجا کر، مجھے ایسی باتیں قطعی پسندیں اور ویسے ہی ہمارے گھر کا ماحول اس طرح کا نہیں ہے۔“ تسلیم نے خشک لہجے میں حق دیکھ کر سارہ سے کہا اور تیز قدموں سے اندر کی طرف چل دیا۔ یہ دیکھتے بغیر کہ سارہ اس کے روٹے سے حیران ہو کر روٹی پلٹنا ہی بھول گئی۔

سارہ سارہ کا تایا زور تھا اور وہ سارہ کے ساتھ بچپن ہی سے منسوب تھی، تو کہ باقاعدہ معنی نہیں ہوئی لیکن وہ دونوں ایک ان کی دور میں بندے ہوئے تھے۔ سارہ بھی گھر چلا آتا اور جس دن سارہ آتا وہ دن سارہ کی بے کیف زندگی کا ایک خوب صورت دن قرار پاتا۔ اس کے گال دیکھنے لگتے اور لبوں پر شریک مسکراہٹ آ جاتی، سارہ کی زندگی کا وہ خوب صورت باب تھا جس کے بغیر سارہ اپنی زندگی کی کتاب کو مکمل نہیں سمجھتی تھی۔ کیسے ہیں عشق اور مٹھک چھپانے نہیں چھپتے، سوشائستہ کی نگاہوں سے بھی بیدار چھپا نہ تھا۔

”درد یار بتا رہے ہیں کہ شاید کل حضرت رومی شریف لائے تھے؟“
”ہاں، آئے تو تھے..... لیکن ان کو دیکھ کر بھائی جان کا مٹو کا غراب ہو گیا۔“ سارہ نے پکڑے نچوڑ نچوڑ کر لکٹی پر پھیلائے ہوئے کہا۔

”کیوں؟ ان کو کیوں غصہ آ گیا.....؟“ مرگس حیران ہوئی۔
”بھائی جان کو یہ بات بری لگی کہ وہ اکیلے گھر

کرنا بھی چاہوں تو نہیں ہوتا۔“ شائستہ نے مکاری سے مسکراتے ہوئے ہمیشہ سے محکوم سارہ سے کہا۔
 ”کوئی بات نہیں بھابی آپ کام کریں یا میں ایک ہی بات ہے۔“ سارہ سادگی سے کہتے ہوئے پلٹ گئی۔ اب کون اس کو بتائے یہ ایک ہی بات نہیں ہے۔

☆☆☆

تائی اماں کی آمد آج کل کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھی کہ ساجد نے ہاؤس جاب مکمل کر کے اپنا ذاتی کلینک کھول لیا تھا۔ گزشتہ دو دہائیوں میں تایا مجید کے گھر والوں کو اللہ نے بہت نوازا اور وہ ناظم آباد سے کشمیر روڈ منتقل ہو گئے۔ گھر میں گاڑیاں آگئیں، روپے پیسے کی ریل پیل ہو گئی۔ اللہ جب نواز نے پر آتا ہے تو مٹی بھی سونا بن جاتی ہے اور یہی تایا مجید کے گھر والوں کے ساتھ ہوا لیکن بے پناہ پیسہ آنے کے باوجود ان کے مزاج وہی عاجزانہ رہے بلکہ کہتے ہیں نا پھل دار و رخت ہمیشہ جھکے رہتے ہیں تو یہ مثل تائی زلیخا اور تایا مجید کے سارے گھر والوں پر صادق آتی ہے اور چونکہ گئے وقتوں میں سارہ کو انہوں نے ساجد کے لیے مانگا تھا تو وہ آج بھی اپنی بات پر قائم تھے لیکن صرف ان کے قائم رہنے سے کیا ہوتا ہے۔

سلیم ہمیشہ سے ضدی، خود سر اور کچے کانوں کا تھا، ماں باپ کی جلدی موت نے اس کو گھر کا سربراہ بنا دیا اور اس کی ڈور شائستہ جیسی ”میٹھی چھری“ کے ہاتھوں میں آ گئی۔ ہاتھ میں ڈگڈگی لے کر سلیم کو نچانے کا فن شائستہ کو آتا تھا اور اکثر وہ اپنے فن کا مظاہرہ بھی کرتی تھی۔

”آج تائی زلیخا آئی تھیں سارہ اور ساجد کے رشتے کے لیے۔ میں تو حیران رہ گئی سارہ اور ساجد کا کیا جوڑ کبھی ٹھنل میں بھی ٹاٹ کا پیوند لگا ہے، کہاں سارہ ایک میٹرک پاس لڑکی اور کہاں ساجد جیسا

ماہنامہ پاکیزہ — جون 2012ء

قابل ڈاکٹر لیکن میرے اعتراض پر تائی اماں کہنے لگیں کہ جب لڑکے کو اعتراض نہیں تو ہم کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے وہ بتا رہی تھیں کہ سارہ اور ساجد ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں یہ بات سن کر میں چپ کی چپ رہ گئی۔ پھر تائی اماں جلدی سے بات بنانے کو کہنے لگیں کہ ساجد بہت پسند کرتا ہے لیکن بھی جو حقیقت تھی وہ تو منہ سے نکل گئی نا۔ اتنا تو سب مل جانتے ہیں کہ تائی ایک ہاتھ سے نہیں بچتی اور اگر بچتی ہے تو دوسرے کے منہ پر طمانچہ ہی پڑتا ہے جیسے آٹھ آپ کے منہ پر پڑا۔ ہمیں تو پتا ہی نہیں چلا اور ہماری ناک کے نیچے عشق چلا رہا۔ کیا شریفوں میں اس طرح ہوتا ہے کہ لڑکیاں مجبیتیں کریں اور پھر ان کے بڑے مٹھائی کے ڈبے لے کر آجائیں..... اگر میری بیٹی اس طرح کرتی تو میں تو زندہ دفن کر دیتی اس کو، سمجھ میں نہیں آ رہا کہ سارہ کی تربیت میں کہاں غلطی رہ گئی۔ میں تو یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی ہوں کل جب دنیا والے سوال کریں گے تو کون جواب دے گا۔“ شائستہ نے سلیم کے سر میں تیل کی مالش کرتے ہوئے اس کے کان بھرے۔

”کیا مطلب، کیسی محبت..... کیسی پسندیدگی؟“ سلیم نے غصے سے پوچھا۔

”لو بھئی آپ تو آنکھوں دیکھو اندھے بن رہے ہیں وہ جو ہر اتوار کو ساجد یہاں آ کر جم جاتا ہے، وہ کیا میرے اور آپ کے لیے آتا ہے، ظاہر ہے سارہ کے لیے آتا ہے اور سارہ کو دیکھیے چاہے سارے ہفتے وہ کسی بھی جلیے میں رہے اتوار کو اس کا خاص اہتمام ہوتا ہے۔ ساجد کے صدقے ہمیں بھی اچھی اچھی ڈشز کھانے کو مل جاتی ہیں۔ میں تو اس لیے چپ رہتی ہوں کہ بن ماں باپ کی لڑکی ہے، میں کون ہوتی ہوں روکنے کو کئے والی۔“ شائستہ نے بھرائی ہوئی آواز میں بہتان تراشی کی۔

”کیا مطلب کہ تم کون ہو؟ اور اسے تم اس کی بھاج ہو، اس کے چچا کی بیٹی ہو۔“ سلیم سے بیوی کی آنکھوں میں آنسو برداشت نہیں ہو سکے۔
 ”کوئی سمجھے تو بہت کچھ اور نہ سمجھے تو کچھ نہیں، یہ تو مان کا پان ہوتا ہے۔“ شائستہ نے آہ بھر کر ہونے کہا۔
 ”چھوڑیں اس بات کو میرا آخر تو میرے اللہ کے گھر میں ہے، تانی انجا جواب مانگ رہی ہیں۔“
 شائستہ نے میاں کے چہرے سے جگہ سے جگہ زایوں کو مکاری سے نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔
 ”کیا جواب دوں؟“ سلیم عجیب الجھن میں گرفتار تھا، کیا طرف بچپن کا رشتہ اور دوسری طرف یہ تازیانہ کہ بہن محبت کا کھیل چلتی رہی اور وہ اس کی شادی کر کے بقول شائستہ بے غبری کا مظاہرہ کر لے۔

”کون ہو؟ اور اسے تم اس کی بھاج ہو، اس کے چچا کی بیٹی ہو۔“ سلیم سے بیوی کی آنکھوں میں آنسو برداشت نہیں ہو سکے۔
 ”کوئی سمجھے تو بہت کچھ اور نہ سمجھے تو کچھ نہیں، یہ تو مان کا پان ہوتا ہے۔“ شائستہ نے آہ بھر کر ہونے کہا۔
 ”چھوڑیں اس بات کو میرا آخر تو میرے اللہ کے گھر میں ہے، تانی انجا جواب مانگ رہی ہیں۔“
 شائستہ نے میاں کے چہرے سے جگہ سے جگہ زایوں کو مکاری سے نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔
 ”کیا جواب دوں؟“ سلیم عجیب الجھن میں گرفتار تھا، کیا طرف بچپن کا رشتہ اور دوسری طرف یہ تازیانہ کہ بہن محبت کا کھیل چلتی رہی اور وہ اس کی شادی کر کے بقول شائستہ بے غبری کا مظاہرہ کر لے۔

☆☆☆

”تمہارے بھائی تم پر تو بہت پابندیاں لگائے ہیں اور تمہاری بیٹی رشتا تو خوب ایک آپ شکیب کر کے کہیں گئی ہے۔“ نرگس نے شامی کباب خرائی کرنی سارہ سے کرارے انداز میں سوال کیا۔
 ”تم کیا سارا دان ہمارے گھر کی ٹوہ میں لگ رہی ہو، بھائی بھانوں۔“ سارہ نے سوال پر سوال کیا۔
 ”ہاں، ہاں کی رہتی ہوں، بات نہ لائے گی کوشر نہیں کرو، شرافت سے میری بات کا جواب دو۔“ نرگس کے حضور خطرناک تھے۔

”کوئی خاص بات نہیں، اس کی کبلی کی برقعہ ڈسے ہے وہیں گئی ہے اور ظاہر ہے تیار ہو کر بن جائے گی۔“ سارہ نے اس کی دوست بہت مالدار ہے، فیض میں رہتی ہے اس نے اپنا ڈرائیور بھیجا تھا۔“ سارہ نے آخری کباب خرائی کر کے چوٹا بند کرتے ہوئے کہا۔
 ”اچھا تو ان کا ڈرائیور سوٹ پہنتا ہے اور ڈرائیور کے ساتھ فرخت سیٹ پر بیٹھ کر جایا جاتا ہے، نرگس کو کب عقل آئے گی سارہ۔“ اس گھر میں دو قانون چلتے ہیں تمہارے لیے کچھ اور اپنے لیے کچھ اور۔“

”ان ہی بھائی کی بیٹی ہے، تم جنہوں نے اپنے تازا اور سادہ گھر میں آنے سے منع کر دیا کیونکہ اپنے گھر کی عزت بہت بھاری ہے اور بقول ان مارتے کا ہاتھ پکڑ سکتے ہیں لیکن کسی کی زبان نہیں لی جاسکتی اور آج ان کی جوان بیٹی ج سنوار کر کسی لکے کے ساتھ امریکنڈیشنڈ گاڑی میں گھر کے ملا سے فرخت سیٹ پر بیٹھ کر گئی، شائبہ ان کو کیا بھاری بھاری بھائی کو خیال نہیں کرو لکھ دیکھیں تو تو اس سوچیں گے۔“ حد ہو گئی زیادتی کی یہاں تو۔“
 ”نہ جانے کیا ہو لے جا رہی ہیں لیکن سارہ تو یہی زندگی میں پہلی بار یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ اس واقعہ میں اس گھر میں دو قانون تو نہیں چلتے، ہمیں لی ایسا تو نہیں ہے۔“

☆☆☆

”برہماتی ہیں تو مائیں، جس کا دل جا ہے مجھ سے ملے رو نہ پائے گھر یا کر بیٹھے، ہم شریف لوگ ہیں ہمارے ہاں بیٹوں کی شادیاں نہیں ہوتیں۔“ میں کس کی زبان پکڑوں گا۔ مارتے کا ہاتھ پکڑا جاسکتا ہے لیکن بولنے کی زبان کون پکڑے۔ میں ٹھک گیا۔
 ”لوگو کہیں کے کہ سلیم علی کی بہن نے عشق لڑا کر شادی کی جنہیں میں ایک لفظ برداشت نہیں کر سکتا جلد اس شخص کو کے لیے رشتہ ڈھونڈو اور وہ ان کو رواج ف اس کی وجہ سے میں نے اتنی بات برداشت کی۔“ تانی دینیا پاپس ہو کر جا چکی تھیں اور سلیم اپنے کمرے میں کھڑے بیٹھ رہا تھا اور گھر کے آنگن میں گھڑی ہو ج رہی تھی۔

”یا اللہ لفظ نہیں یا آ رہے۔“ کیا کبھی کوئی اس کی پھری سے بھی ذبح کرتا ہے، یہ میرے بھائی کا میرے باپ کی جگہ ہیں، یہ مجھ سے بدگمان کیسے گئے۔“ ان کا تعلق اور رشتے اتنی جلد ہی بدگمان ہو سکتے۔ ان کو بکایا گیا اور یہ بیک گئے، مجھ پر الزام

لگے اور انہوں نے مجھے مجرم ٹھہرا دیا۔ تانی دینیا کی غلطی کیا تھی۔ انہوں نے صرف یہی تو کہا تھا کہ سارہ، سادہ کی بچپن کی مانگ ہے اور ہم سب کی اور سادہ کی یہ خواہش ہے کہ اب شادی ہو جائیے۔ اس تمام گفتگو میں محبت، شوق، آوارگی کہاں سے آگئی۔ وہ کون تھا میں نے پائیز کی گوندگی میں بدل دیا۔۔۔۔۔
 میری ساری رداشت، محنت اور محبت ملی بھر میں کاربٹ ہو گئی، میں نے تو ساری زندگی یہی نہیں سوچا کہ میں کیا جا رہی ہوں، کیا تھا اگر بھائی جان کہتے کہ میں یہ شادی نہیں کر سکتا کیا مجھے یہ رشتہ منظور نہیں، تو کیا میں بغاوت کرتی! نہیں، میں بغاوت کر ہی نہیں سکتی اور بیٹیاں بھی باپ کے فیصلوں پر بغاوت تو ہی کرتی ہیں، محبت اور عزت میں میری ترجیح عزت ہوتی لیکن اب نہ تو مجھے میری محبت لی اور عزت بھی خاک میں مل گئی۔“ آنسو سارہ کا چہرہ بھگوئے رہے اور وہ شہنشاہی سردرات میں ٹھکے سر خاموشی میں بیٹھی رہی۔ اس بات سے بے خبر کہ سارہ گھر کا لڑکوں میں دیکھ کر ہی غمزدور تھا۔

☆☆☆

بہت جلد سارہ نے باہل کی دینیا پارک کے شوہر کے گھر میں قدم رکھا۔ سارہ کا شوہر شریف الدین جو ایک اسکول ٹیچر ہونے کے ساتھ ساتھ چھ مہینے بھائیوں اور ایک بڑی ماں کا دواہر سہارا تھا۔
 نرگس نے اسے بے چھوڑے رہنے پر جب کچھ کہنا چاہا تو سارہ نے بے کلمہ کہ اس کو خاموش کر دیا کہ اس کے گھر والے خوش ہیں جب اس کی بڑی بہن بیٹی ڈھول پیٹ رہی ہے اور اس کا بھائی لوگوں میں کارڈ بانٹ رہا ہے تو نرگس کو کوئی حق نہیں کہ اس کے لیے کسی سے سوال کرے کہ زندگی میں کچھ سوال انسان اپنے ساتھ قبر میں لے جاتا ہے۔ سارہ نے خاموشی کی چادر اوڑھ لی۔ اس کو اپنے بھائی سے کوئی شکایت نہیں تھی

جہاں آئے کوئی ہے

شعبہ

”تو کیا یہ جمل میں ٹاٹ کا پیندہ ہوگا؟“
 نسیم کچھ بھی ہوئی تھیں۔
 ”کیوں..... کیوں ہوگا..... ارے میں
 سارا زینچ دول کی اپنی بیٹی کی خوشی کے لیے
 وحوم دھام سے شادی کروں گی کہ دنیا دیکھے کہ
 کی ماں ابھی زندہ ہے۔“ شائستہ نے پرانا ہنسنے
 نسیم کو جواب دیا۔

”لیکن بھائی کیا بھائی جان نے کوئی اعتراف
 نہیں کیا پسند کی شادی پر؟“ سارہ نے سینے میں آنکھیں
 ایک سوال دہی زبان میں کر ڈالا۔

”لو بھلا وہ کیا اعتراض کریں گے، وہ تو اس آئینہ میں دکھن بن کر ابتری تھی۔ سب کی
 بہت خوش ہیں۔ انہوں نے تو مجھے صاف کہہ دیا۔
 کہ اگر میری بیٹی کی خوشی اسی میں ہے تو میں بھی
 خوش ہوں، کسی کو بھی اعتراض کرنے کا حق نہیں
 اگر کوئی کچھ کہے گا تو میں خود جواب دوں گا، میری
 لاوارث نہیں ہے اس کا باپ ابھی زندہ ہے اور۔
 شائستہ نہ جانے کیا کیا بولے جارہی تھیں لیکن سارہ
 کان تو جیسے سنا نہیں کر رہی تھیں۔
 چاروں طرف جیسے ایک جملہ قص کر رہا تھا۔
 باپ ابھی زندہ ہے..... باپ ابھی زندہ ہے۔“
 ”مجھے میں کیا پوچھ رہی ہوں، کہاں جا
 ہو۔“ آج نسیم نے ذرا تیز آواز میں حق دق کھڑی
 بھائی سارہ سے دو بارہ پوچھا۔

”اور بھی تم کوئی دقیقہ تو اسے وقف ماں باپ تو
 ہیں نہیں کہ اپنی بیٹیوں کو شادی کے نام پر مسائل کے
 سپرد کرویں، یہ اصرار دشا کی کیملا کا بھائی ہے اور جب
 میں نے اس کی پسندیدگی رمشا میں محسوس کی تو مجھے لڑکا
 اچھا تھا میں نے خود جان بوجھ کر مواقع دیے تاکہ اندر
 اسٹینڈنگ ہوئے، مگر خود سوچو ہمارے گھر میں اتنے
 بڑے گھر سے رشتہ بغیر کی پلاننگ کے کیسے آسکتا ہے۔“
 شائستہ تو اپنے آپ کو ٹوٹل انعام کا حقدار سمجھ رہی تھیں۔

کہ اس کا اپنے بھائی سے بہت محبت تھی اور محبت کوئی
 کہتی کی چوٹ تھوڑا ہی ہوتی ہے کہ چند لمحوں کی
 تکلیف ہوئی اور بس ختم..... محبت تو محبت ہوتی ہے اور
 سلیم تو بھائی ہونے کے ساتھ اس کا باپ بھی تو تھا.....
 لیکن کیا واقعی سارہ، سلیم کی بیٹی تھی یا بیٹی کسی تھی۔

☆☆☆

ارے، میں تم لوگوں کو کیا بتاؤں بہت ہی بڑے
 لوگ ہیں، بہت مالدار لڑکا، ایم بی اے کرتے امریکا
 جا رہے، ہماری رمشا نے تو تم جانتی ہو..... انقب اسے
 کے بعد پڑھ کر بھی نہ پوچھتا سکتا سرچہا بہتارے بھائی نے
 لیکن وہ نہ مانی اور دیکھو نصیب میں اللہ نے کیملا قتل
 لڑکا رکھا ہے، لو بات کہاں چلی گئی ہاں تو میں جانتی تھی
 بہت مالدار لوگ ہیں، اب ہم نے تو جیسے پیسے زندگی
 گزارا، کم از کم ہمارے بچے تو عیش کریں، مجھے اب
 وہ دور نہیں رہا کہ جہاں ماں باپ نے چاہا شادی
 کر دی۔ میں نے تو رمشا کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی کہ
 کوئی اچھا لڑکا نظر آئے تو گھیر لو.....“ شائستہ بڑے
 جوش و خروش سے نسیم آپا کو بتا رہی تھیں کہ رمشا کا نکاح
 اس کی کیملا کے بھائی سے طے ہوا تھا سو اسی سلسلے میں
 نسیم اور سارہ دونوں ہمیں آئی ہوئی تھیں۔ آج نسیم اور
 شائستہ تو حسب عادت باتوں میں مشغول تھیں اور سارہ
 سر جھکا کر تعیلوں میں جوڑے بیک کر رہی تھی۔



”کس قدر دور کے پیسے سے دن رات ہیں اور
 روٹین لائف نہ کوئی تبد کی، ڈیوٹی رنگ ندول میں
 پراتے ساز و سامان کی طرح دل بھی رنگ
 ہو گیا ہے۔ کتنا اچھا تھا اس گھر میں وہ زمانہ جب
 اس آئینہ میں دکھن بن کر ابتری تھی۔ سب کی
 بہت خوش ہیں۔ انہوں نے تو مجھے صاف کہہ دیا۔
 کہ اگر میری بیٹی کی خوشی اسی میں ہے تو میں بھی
 خوش ہوں، کسی کو بھی اعتراض کرنے کا حق نہیں
 اگر کوئی کچھ کہے گا تو میں خود جواب دوں گا، میری
 لاوارث نہیں ہے اس کا باپ ابھی زندہ ہے اور۔
 شائستہ نہ جانے کیا کیا بولے جارہی تھیں لیکن سارہ
 کان تو جیسے سنا نہیں کر رہی تھیں۔
 چاروں طرف جیسے ایک جملہ قص کر رہا تھا۔
 باپ ابھی زندہ ہے..... باپ ابھی زندہ ہے۔“
 ”مجھے میں کیا پوچھ رہی ہوں، کہاں جا
 ہو۔“ آج نسیم نے ذرا تیز آواز میں حق دق کھڑی
 بھائی سارہ سے دو بارہ پوچھا۔
 ”اور بھی تم کوئی دقیقہ تو اسے وقف ماں باپ تو
 ہیں نہیں کہ اپنی بیٹیوں کو شادی کے نام پر مسائل کے
 سپرد کرویں، یہ اصرار دشا کی کیملا کا بھائی ہے اور جب
 میں نے اس کی پسندیدگی رمشا میں محسوس کی تو مجھے لڑکا
 اچھا تھا میں نے خود جان بوجھ کر مواقع دیے تاکہ اندر
 اسٹینڈنگ ہوئے، مگر خود سوچو ہمارے گھر میں اتنے
 بڑے گھر سے رشتہ بغیر کی پلاننگ کے کیسے آسکتا ہے۔“
 شائستہ تو اپنے آپ کو ٹوٹل انعام کا حقدار سمجھ رہی تھیں۔

دل کو سنبھالوں کیسے

زندگی کی الجھنوں میں کچھ مصروف تھا جام
سو نہ ناراض ہوئی تھیں
مجھ سے روٹھ کے تم، اسلام آباد جلی دی تھیں
میں نے دل میں سوچا تھا
دوسری فلائٹ سے میں بھی، تمہارے پاس
جاؤں گا
تھیں حیران کروں گا
بے حد پیار سے جام، تم کو ہلڈ مٹا لوں گا
لو، آگیا ہوں اب میں بھی.....

لیکن!
یہ طاقت تو جام
آنسوؤں میں ڈوبی ہے
موت کا سیاہ چہرہ ہر اک جانب لڑواں ہے
جہاز کے ٹکڑے ہو گئے ہیں انسانی اعضا
کھڑے ہیں
میرے پیار کا تختہ
تمہارے آگے کھٹکٹ.....
اک جھاڑی میں اٹکا ہے
شاعر: شگفتہ شقیں، کراچی

اپنا خیال رکھا کرو۔ کسی شہزادوں جیسی آن بان تھی
تمہاری۔ خوب صورت تو خدا نے نہیں ہے حساب دی
ہے مگر ٹوک پلک اور کانت چھانٹ کی ضرورت تو
پودوں تک کو ہوتی ہے۔ خود کو سنبھالو اور رکھا کرو۔

”اماں بی بہت شکر ہے۔ آپ گریٹ ہیں اماں بی
کون کہتا ہے کہ ساس ہمیشہ بری ہی ہوتی ہے۔“
”ہوتی..... اب زیادہ سمجھن نہ لگاؤ، تمہیں تو

ایک بچی کی پیدائش نے ہی پوٹھلا کر رکھ دیا ہے۔
میں تو ابھی تک اتنا دم نہم باقی ہے کہ خوش خوشی
پوتے پوتیاں پال سکتی ہوں۔ اب جاؤ اور کوشش کرو
کہ جلدی داپہی ہو۔“

”جی اماں بی.....“ پاور جانے کے لیے علی نے
تم اور اجازت تو وہ پہلے ہی لے چکی تھی۔ پوری طرح
تیار ہو کر اس نے موٹیل چار جنگ سے نکالا ایک مس
رکھنا یہ جانتی تھی کہ میچ کی کپ ہوئی۔ مس سر
داؤں کا تھک چکا آپ اس ریٹ پر فون چیت کر سکتے
ہیں اور نئے دوست بنا سکتے ہیں۔ غیر ارادی طور پر
رانیہ نے میچ کا Reply کر دیا۔ اب وہ چیٹ روم
میں آخر ہو چکی تھی۔ اس نے اپنا ٹیک آئی ڈی مسیجر کے
نام سے بنایا۔ اچانک ہی اسے اس مصروفیت
لطف آئے لگا تقریباً آدھا پوتا گھنٹا بات کرتے رہے
کے بعد اس نے کراچی سے ایک فریڈ ڈیانت کر لیا۔
”چلو اچھا ہے، بندہ دور ہے۔ دیسے میری اس
اوٹلی فن۔“

اس کا نام سرفراز تھا۔ ایک ملٹی ٹیکسٹ میسرین
جواب کرتا تھا۔ تین بھائی اور ایک بہن تھی۔ 35
کے لگ بھگ اور غیر شادی شدہ تھا۔ شادی سے اسے
چڑھتی جانے کیوں؟ رانیہ آدھے گھنٹے میں ہی
سب معلومات حاصل کر چکی تھی۔ اس نے اپنے
بارے میں سرفراز کو بتایا کہ وہ بھی غیر شادی شدہ ہے
اور ٹوکرٹی کرتی ہے۔ یہ ابتدائی جھوٹ تھا جس کی بنیاد
پر اسے ایک پوری عمارت کھڑی کرنا تھی، یہ وہ ٹوکر
جانتی تھی۔ وہ اسے ایک گیم سمجھ کر کھیل رہی تھی۔
ضروری کام کا کہہ کر وہ سائن آف ہو گئی۔

رفیقہ رفیقہ بات کرنے کا دورانیہ بڑھتا گیا۔ رانیہ
کا گھر، بچی، شوہر سب نظر انداز ہو رہے تھے۔ سوائے
اس کی اپنی ذات کے وہ پہلے سے بہت زیادہ

مل رکھنے لگی تھی۔ بہت خوش اور مسرور رہتی۔ روز
درمیان جاری تھی۔ علی پہلے پہل تو اس خوشگوار
بہن پر بہت خوش ہوا۔ پھر اسے کچھ عجیب سا لگنے
لگا۔ رانیہ اپنی خود برقی میں ہانیہ کا بھی خیال نہیں رکھ
تی تھی۔ وہ روز روز کھڑدی اور چڑچڑی ہوتی جاری
رہی۔ علی کو اس درجہ بے پروائی سے کچھ شک تو ہوئی
تو اس نے اپنی اس سوچ کو جھگڑ دیا۔ اس کے شک
کی پختہ کاری کو وہ اب جلی جب موڑے تلاش کرتے
ہوئے اماں کی درواز میں کپڑوں کے نیچے اسے ایک
روم بکسل سیٹ ملا۔ پہلے سوچا رانیہ سے پوچھنے پھر نوہ
کی بات نے اسے پوری طرح جاسوسی پر لگ گیا۔
”رانیہ میں سوچ رہا ہوں کہ باہر لاؤن میں سوچا یا
کروں۔ ہانیہ کے رونے سے بہت ڈر رہا ہوتا ہوں۔
ات بھرنیہ فون تھی راتی ہے اور جیگر بھاری۔“
”ٹھیک ہے علی جیسے آپ مناسب سمجھیں۔
بت تھک بھی تو جاتے ہیں سارا دن بھاگ دوڑ
میں۔“ رانیہ کا یہ جواب حسب توقع تھا سو علی کو ذرا بھی
پرانی نہیں ہوئی۔

علی کے جاتے ہی تمام رات رانیہ ہوتی اور
اون، کچھ وقت گزرا تو سرفراز نے میچ کے بجائے بات
کرنے پر اصرار شروع کر دیا۔ اب رانیہ پریشان
ہوئی کہ اس نے تو کہا ہے وہ غیر شادی شدہ ہے اور پھر
اپنی بھی تو رات بھر باہر جا رہی رہتی ہے۔ اس نے تل
نے طور پر ایک جھوٹ اور کھڑا۔

”سرفراز میں تم سے بات اس لیے نہیں کرتی کہ
بھائی کی بیٹی میرے پاس آئی ہو گی ہے۔ چھوٹی
ہی تو ہے بار بار باجھا جاتی ہے۔ اوپر سے کہ بچوں کی
سے بھائی نے اسے مجھے ہی سونپ رکھا ہے۔“
”اُس اوکے بار..... تم اپنی رہو۔ میں ٹھیک ہوں
لہاری مشکل تو چھوڑی دینی مجھ سے بات کر لیا کرو۔“
رانیہ کا بات کرنا اور کرے سے باہر لگی آواز

بچار آنے کو ہے

امرو

امرو دو دن بھر میں پایا جاتا ہے۔ گرمیوں،
سردیوں میں یہ پھل سات، آٹھ ماہ تک چلا
ہے۔ قدرت نے اس پھل کو کئی قیمتی پھلوں کے
واٹر فٹائنٹ اور دوا منتر بھرے اجڑا سے کالا مال
کیا ہے۔ یہ پھل کچے اور پکے ہوئے غذائی اجزاء
اپنے اندر سمونے ہوتے ہے۔ کچے امرو کا
مزاج سرد رہتا ہے اور کچے ہوئے پھل کا مزاج
گرم رہتا ہے۔ وعدہ اسے تین سے چار گھنٹے
کے دوران ہضم کرتا ہے، اس پھل کو ہر طرح کی
زمین پر کاشت کیا جاسکتا ہے۔ یہ غذائی لحاظ سے
بالکل ستارہ وٹامن بی سے بھر پور ہوتا ہے۔
اس کے پتوں میں خاصی مقدار میں لوہا پایا جاتا
ہے۔ وٹامن اے کے علاوہ یہ فاسفورس اور
چونے سے لیس ہوتا ہے۔ اس پھل کا استعمال
بیشک کھانا کھانے کے بعد مفید ہے یہ پھل قبض
سکتا ہے۔

یہ پھل خود تو باضم نہیں ہے لیکن ہانسنے کو
درست کرتا ہے۔ موسم برسات میں اس کا
استعمال وعدہ میں فاسد ہونے کی زیادتی اور
قونج کے امراض کا سبب بنتا ہے۔
ہرگز: صوفی قمر، کراچی

علی کی جاسوسی کو مزید ہوا دے رہا تھا۔ آخر کار علی نے
اپنا روتہ تبدیل کرنا شروع کر دیا۔ جس سے رانیہ بھی
ہی نہیں لگی۔ اس کی دنیا تو جیسے سرفراز سے شروع ہوتی
اور اس پر ہی ختم ہو جاتی۔ وہ ایک خواب ایک مراب کے
پیچھے اندھا دھند بھاگ رہی تھی۔

☆☆☆

”رانیہ۔“



بہنوں کی محفل

مدنہ

☆ عزیز اڑ جان جنوں السلام علیکم رحمت اللہ وبرکاتہ۔

☆ میرا سنا اس ذات کے جس نے کرنا عظیم عالم کو جو درویشا اور درود سلام حضرت محمد ﷺ نے دنیا میں حق کا یوں بالا کیا۔

☆ پیاری بہنو! آج مجھے بہت غصہ آ رہا ہے۔ اس لیے دل میں آپ سے شکر کرنا چاہتی ہوں۔ اپنی ایک دوست کی سارگرہ پر میں جانتی ہوں کہ کسی کی عمر ایک بے رحمہ پنڈ بیک اسے جتنا جانتا ہوں..... اپنی ایک کنز کی ایک تقریب میں، میں نے اس کے پیٹ پر ایک ساڑھی بھجوائی اور اپنی ایک قریبی کنبی کے کہنے پر میں نے خود اپنے ہاتھ کی ہانی جری بنا کر دی..... مگر ان میں سے کسی نے بھی میرا شکر یہ ادا نہیں کیا۔

اور ایک نے اس اعزاز میں کیا جسے اس نے مجھ پر احسان کیا ہو۔ میرے دل میں مال کے رنگ تکتے زیادہ ہیں یہ میں آپ کو بتا سکتی تھی۔ اور ایسا ہی آپ کے ساتھ میں یقیناً ضرور ہوتا ہوگا کہ لوگ نے کرا لیے بول جاتے ہیں..... جیسے ہم نے اُن کا قرض لوٹنا یا ہوا۔ ان کے منہ سے شکر ہے کہ ایک لفظ تک نہیں پھوٹا۔ اور آپ نے بھی یہ سوچا ہے کہ ہمارا رب کیسے ہر وقت اپنی نعمتیں عطا کرتا رہتا ہے..... تو ہم اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور وہ ہمیں ان نعمت کی حالت میں بھی تو اوتار رہا ہے۔ (بے شک اللہ رب سے بڑا ہے) ہم نے اس کے کتنے لوگ ایسے ہیں جو ہر وقت یا انچوں وقت کی نماز ادا کرتے ہیں۔ (یقیناً بے حد کم) اور ہم سے کہنے لگتے کہ ایسے ہیں جو روزانہ شکرانے کی نماز ادا کرتے ہیں۔ (آنے میں ملک کے برابر)

پیاری بہنو! آج میں آپ سے بالکل سچی بات کہہ رہی ہوں کہ جب میں نے شکرانے کے لفظ پر سننے شروع کیے..... تو مجھے ایسے معمولات میں بڑی خوشوار آمد ملی کہ احساس ہوا۔ آپ دن میں کسی بھی وقت صرف دو لفظ شکرانے کے ادا کرنا شروع کیجیے..... پھر دیکھیں کہ کتنا عظیم محسوس ہوتا ہے۔

☆ آنرز ڈی کلبراری نے جب بھی بتایا تھا..... کہ ان کے بچپن میں سال سے شکرانے کے لفظ بھی تقاضا نہیں ہوتے تو میں کہیں کہیں کسی دیکھتی رہی تھی کہ کسی کو تو اپنی فرض باتوں کے تقاضا ہونے کا کمال نہیں ہوا کرتا..... اور یہاں سے ہمارے لوگ بھی اسی جہنم میں نغمہ ہے کہ ان کے شکرانے کے لفظ بھی تقاضا نہیں ہوتے۔ ہم فیض، رحم و دراج، نام و نشان کی محسوس کرنے میں تو ہمیشہ آگے ہی آگے بنا کرتے ہیں۔ دوسروں پر میں بالکل اچھی نہیں اٹھاتی..... خود میری ذات میں ایسی ہی ہے کہ شکر باری کی چیزیں ابھی لکھتی ہیں..... اور دل ان کی حاجت پا لے جاتا ہے۔

☆ مگر پیاری بہنو! ہم سب کو اچھی باتوں کی محسوس کرنی چاہیے اور اچھی باتیں آگے پہنچانی چاہئیں۔ ہم بری باتیں انہیں بھی تو پہنچاتے ہیں تا تو کیا ہم کسی سے نہیں کہتے..... روزانہ شکرانے کے دو لفظ ادا کر کے دیکھو..... ہم بھی جتنے بھی تم پر محو۔ یاد رکھیں..... یہ میرے اللہ کا اپنے بندوں سے وعدہ ہے کہ میں شکر ادا کرنے کے والوں کو زیادہ یاد کرتا ہوں، تو آج میں روزانہ کسی بھی وقت دو لفظ شکرانے کے ضرور ادا کریں گے اور یہ ابھی بات کسی شخص کی طرح آگے اور بہت آگے تک ضرور باتیں سے کہیں..... (آج سے ہی)

☆ آج میں اب سرگرمیوں پر نظر ڈالنے سے لگ دو اور ادا کرتی ہوتے ہیں جو غماز میں پڑ جاتا ہے اور اس کے بعد صاف تین بار آیت کریمہ پڑھ کر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اور عالم اسلام کی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے ضرور دعا مانگا۔ آمین ہا یک کہہ۔ جون 2012ء۔ 25/6

والدین کے گھر بھائی، بھابیوں کے درمیان رہتے ہوئے اسے جلد ہی اپنی غلطی اور حد درجے بے وقوفی کا اعتراف ہونا شروع ہو گیا۔ اسے اپنا گھر، اپنی جنت چھوٹ جانے کا دکھ ستانے لگا۔ دوسری طرف اس بھی اپنے فیصلے پر نادم تھا کہ اسے پیار سے معاف کر سکتا تھا چاہے تھا۔ رائے کی ذہنی اور روحانی ضرورتوں کو سمجھتے ہوئے اس کا پورا حق اور پھر پرتوجہ اور محبت دینی چاہیے تھی۔

فردی کے خوب صورت اور روشن دلوں میں اسے رائے کا کھڑکی سے پردہ ہٹا کر اسے چمکانا بہت یاد آئے گا۔ کھڑکی کے باہر رکھے پودے اور مکوں میں بھر خٹک پتے بھی اداس اور ملول تھے۔ اماں کے جڑوں کا درد مائش نہ ہونے کی وجہ سے مزید بڑھ گیا تھا۔ ہانسی کی ٹکڑیاں اور روٹنے کی آواز بھی وہ بہت مس کر رہا تھا۔ ہر طرف ایک سناٹا تھا۔ اسی وحشت اور تنہائی سے گھر اکروہ بالکونی کی طرف ٹھٹھنے والا دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔

آج چھٹی کا دن تھا اور موسم بھی خوشگوار تھا۔ سورج دھند کو پیچھے چھوڑتا اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ فوٹے تکتے خراب ہو گئے ہیں ملکوں کی چمک رہی تھی۔ اس نے تمام پودوں کو پانی دیا۔ سارا رنگ پتے اکٹھے کر کے شاخوں کو مناسب حد تک تراشا..... اس سب سے فارغ ہو کر وہ پودوں کو بہت دھیان سے دیکھنے لگا۔ جیسے رائے کے وجود اس کے احساس کو محسوس کر رہا ہو۔ پتہ جھڑ کے بعد شاخوں پر ہنسی کی گونگیں پھونکنے والی تھیں۔ شاید بہار آنے کو ہے۔ اس خوب صورت احساس کے ساتھ ہی علی کے بلوں پر ایک آسودہ میسرابٹ ابھری اور اس کا ہاتھ جب میں پڑے سو بائیں کو ٹوٹنے لگا۔ اسے ایک بہت ضروری کال کرنی تھی۔



”ہوں۔“
”یہاں آؤ میرے پاس بیٹھو اور میری بات غور سے سنو۔ دروازہ لاک کر دو۔ میں نہیں چاہتا کہ ہماری بات کی کسی اور کو ہینک تک پڑے۔“
”ایسی کیا کیا رازداری ہے علی.....؟ علی کا گھمبیر انداز اندر نکلیں خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی۔“
”یہ تمہارا فون ہے؟“ فون تھا یا ایٹم.....
”نہیں تو میرا فون کون سا ہے آپ جانتے ہیں علی۔“

”جھوٹ نہیں رائے کیونکہ میں سب جان چکا ہوں۔ تم اپنا سامان پیک کر ڈو میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آتا ہوں۔ بظاہر کے پیچھے تمہیں مل جائیں گے۔“ علی نے دھمکی دی۔ ”ہانسی کو چاہو تو لے جاؤ چاہو تو چھوڑ جاؤ۔ اور بے فکر ہو میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔ تم جو لے جانا چاہو لے جا سکتی ہو۔ مزید کوئی بات نہیں۔ میں ابھی آتا ہوں تب تک تیار ہو جاؤ۔ تمہیں اس شخص بھری زندگی سے آزاد کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے تم سے بہت محبت کی ہے اور شاید کرتا بھی رہوں گا۔ میں تمہیں اپنے ساتھ جبراً باندھ نہیں سکتا۔“ کوئی اور حرکت ہو تو یقیناً بابا فیصلہ سن کر کرز جاتی جیسے جان کر وہ تو رائے کی جوابی رو میں بدلتے بدلتے خود کو اپنی اصل تک بدل چکی تھی۔

”ٹھیک ہے یوں ہے تو یونی کی۔ میں بھی ایسے غلطی انسان کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ کیا ہوا اگر میں نے کسی سے ہنس کر وہ دھڑکی بات کرنی تو..... بھگ..... تو نہیں کسی کی کے ساتھ۔ سراسر ایک خدمت کر، وہ ہر کے پیچھے دم ہلاتے رہو، بچوں کی آیا تک، ہنر، پھر بھی سانس لینا دو مجھ سے عورت کا۔ جہاں کوئی کھڑکی، دروازہ کھولا، دھڑ سے تو فنی لگ گیا بدکرداری کا۔“ اسی غصے میں رائے اپنے باپ کے گھر آ گئی۔

☆ پاکیزہ کے مستقل قاری رضوان اور اس ان دونوں شدید بیمار ہیں ان کی کلی صحت کے لیے دعا کریں۔
☆ پاکیزہ کے مستقل قاری اور تمبر نگار زم زم، وہاڑی ان دونوں بیمار ہیں اور وہاڑی اور لاہور کی مصعفات سے دوستی کی خواہش ہیں۔ (ان کی کلی صحت کے لیے دعا کریں)
☆ ہماری بے حد بیماری شاعر و شاعریہ شین کا دوسرا مجموعہ کلام یاد آتی ہے کہ اپنی شکل میں شائع ہو گیا ہے۔ گفتگو کی تعمیل سے جدجداً باقی اور دہلی پر دستک دینے والی ہیں۔ کتاب کی قیمت صرف -200 روپے ہے۔ جو فریڈ جیٹسز، نارودہ بازار، کراچی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ براہ رابطہ کیجیے۔ 0321-3786601

☆ آپ کی اپنی اہم انصاف کا فیو وی سوپ انجیلیاں جو ایک مزاج ڈراما ہے آپ ایک نئی جہت پر ہر چیز اور رنگ کی شام 7 بجے دیکھتے ہیں۔ رات کے گیارہ بجے بھی دیکھا جاسکتا ہے اور ہر شے اور بدھ کی مجموعہ ایک جگہ سے سلسلے دار ڈراما دوبارہ دکھایا جاتا ہے۔

☆ ہماری تمبر نگار اور انسداد کا نشانہ افغان کوٹہ کراچی۔ ایک طویل عرصے بعد پاکیزہ میں آ رہی ہیں۔ (خوش آمدید)
☆ پاکیزہ کی شاعرہ اور تمبر نگار نگینہ ضیا بخش، کراچی ان دونوں اپنی شاعری کا مجموعہ ترتیب دے رہی ہیں۔ (امشاء اللہ)
☆ پاکیزہ کی مستقل قاری سیمانا زکی کوڑیہ بننے لگی ہوئی۔ (مبارک باد)
☆ شاعرہ فریدہ خانم لاہور سے ہمیں بتایا ہے کہ ان کے پہلے شعری مجموعے مختلف نے اپنی سطحوں میں بے حد پذیرائی حاصل کی ہے۔ (مبارک باد)
☆ معروف فیشن ڈیزائنر یا مینن رشید کے ڈیزائن کیے ہوئے لان کے سوٹ بیرونی ممالک میں بے حد پسند کیے گئے ہیں۔ (امشاء اللہ)

☆ ایبہ عندلیب، ہسلوٹوالی کی تاحال بے حد طبیعت خراب ہے۔ ان کی کلی صحت اور زندگی کے لیے دعا کریں۔
☆ نئی وی کی معروف اینکر اور مصنفہ شازبہ افتخار خان کوڑیہ لاہور سے کراچی آئیں تو ایک ایجان کا بیک لے کر بھاگ گیا۔ جس میں ان کا موبائل اور کپڑے بھی (بہت افسوس ہوا...)۔ کاش اس معلوم ہوتا کہ آپ ہمارے شہر میں مہمان تھیں تو وہ ایسی حرکت نہ کرتا)

☆ پاکیزہ کی مستقل تمبر نگار مہوش مشعل، احمد پور شرقیہ کے تین بھائیوں ناصر، مدثر اور یاسر کی منتقلی ہو گئی ہے۔ ان کی بھائیوں کے نام نگینہ، فریہ اور مہک ہیں۔ (بہت مبارک باد)
☆ پاکیزہ کی قاری سائرہ خان کی رخصتی ہو گئی ہے۔ اب وہ مظفر گڑھ رخصت ہو کر جا چکی ہیں اور سائرہ منور کہلاتی ہیں۔ (مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی قاری عارفہ خان کی رخصتی ہو گئی ہے اب وہ کراچی سے رحیم یار خان رخصت ہو کر جا چکی ہیں اور اب عارفہ عمر ان کہلاتی ہیں۔ (مبارک باد)
☆ پاکیزہ کی مستقل قاری غزالیہ صدیقی سندھ کی منتقلی ہو گئی ہے کہ ان فرقان سے ہوئی ہے۔ (بے حد مبارک باد)
☆ پاکیزہ کی قاری ساجدہ مسرین ان دونوں بیمار ہیں ان کی کلی صحت کے لیے دعا کریں۔

انتقال پر ملال

☆ اس ماہ ہماری بے حد حقیقت رقیہ، بچیا کی بی بی سے
☆ پاکیزہ کی مستقل قاری عائشہ دلاش، کراچی کے ماموں جتاپ عارف علی انتقال کر گئے۔
☆ معروف نعت خواں تاجندہ لاہری کے شوہر چلے گئے۔

بائگنیں۔ (ابھی پڑھ لیں) آتے کریمہ سے۔
لا الہ الا انت سبحنک انی کنت من الظالمین

مصعفات، شاعرات اور قارئین پاکیزہ بہنوں

کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ نیویارک میں مقیم معروف شاعرہ لکسن طالب کے بے پایاں خان کی شادی ڈاکٹر تادیہ سے ہوئی۔ (مبارک باد)
☆ ارم حاقب، شمرہ اور غزل، امریکا آپ کو اپنے بھائی کی شادی کی ویڈیو مبارک باد۔
☆ پاکیزہ کی افسانہ نگار راجہ جنتی خان کی دونوں کراچی سے امریکا کی ہوئی ہیں۔
☆ پاکیزہ کی شاعرہ اور تمبر نگار فریدہ افتخار، پشاور سے امریکا کی ہوئی ہیں اپنے بیٹے کے پاس۔
☆ معروف افسانہ نگار دل کار رضوانہ برنس، کلمنٹینا کولمبیا کی ہیں۔
☆ نئی وی جیٹس سے وابستہ راسخ توہر کا کوڑیہ خان ہو گیا ہے۔ (مبارک باد)
☆ پاکیزہ کی مستقل قاری اور مسلمانہ کنول عاصم، لاہور کی اس ماہ شادی کی سائگرہ ہے۔ (مبارک باد)
☆ پاکیزہ کی مستقل قاری عمیدہ طارق محبوب، دام کوڑیہ خان ملتان آئی ہوئی ہیں۔ ان کا ٹوٹا ہوا ہے۔ جس کا نام محمد عباد رکھا گیا ہے۔ (مبارک باد)

☆ معروف سرجن ڈاکٹر جمال الدین اور تیم شازبہ جمال کے چھوٹے بیٹے محمد عباد الدین کی پہلی سالگرہ اور عقیقہ کی تقریب ان کی رہائش گاہ پر ہوئی۔ جس میں عباسی شہید کے اور دیگر اچانکوں کے ڈاکٹر زونے بھی ایک بڑی تعداد میں شرکت کی۔ (مبارک باد)

☆ معروف افسانہ نگار شاعرہ اختر بیگم خان دونوں بصر عالت پر ہیں۔ ان کی کلی صحت کے لیے دعا کریں۔
☆ کوڑیہ خان رضوانہ برنس کے ایک نئی جیٹس سے دکھایا گیا، جس کی ڈرامائی تشکیل بھی رضوانہ سے خود ہی کی گئی۔ (مبارک باد)

☆ ہماری پیاری دوست شیریں حیدر کی بیٹی ظلم کوڑیہ بننے لگی ہوئی ہے جس کا نام چندا اکھیم اور والی تھا۔ (مبارک باد)

☆ ہماری ایک اور عزیز معصومہ غزالہ عزیز کا سیریل بات ہے رسوائی کی ایک نئی جیٹس سے شروع ہو چکا ہے۔ (مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی شاعرہ افسانہ نگارہ اعصاف فیصل نے اشتہارات کی دنیا میں قدم رکھ دیا ہے۔ ان کا پہلا اشتہار دہلا پرنٹرز ہوا ہے۔ (اللہ تعالیٰ آپ کو اس شعبے میں عزت نفس کے ساتھ کامیابیاں عطا فرمائے)
☆ ہماری پیاری شاعرہ سعدہ ہاشم، سرگودھا ان دونوں اپنے دوسری شعری مجموعے کو ترتیب دے رہی ہیں۔ (مبارک باد)

☆ معروف افسانہ نگار اور نئی ویڈیو سیمارضا دار کا افسانوں کا مجموعہ جلد ایک صدمت میں ڈالا ہے۔ (مبارک باد)
☆ ہماری پیاری مصنفہ فرحت سراج کا ڈراما سیریل 15 مئی سے شروع ہو رہا ہے۔ (مبارک باد)

بہنوں کی محفل

فانی رہو پیاری جیسی)

کھڑا کٹر ممتاز ضیا کراچی ہے۔ "ہمیشہ مجھے کچھ کہنا ہے میں تم بہت کچھ کہتی ہو بس خدا کرے بات دل میں اتر

ایسی بات بھی پتا چلے تو فوراً انتظامیہ اور ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ ایکشن لیتے ہیں۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ

اچھا ہی ہو گیا کہ رسی سے پہلے ہی الطاف کی اصلیت مل گئی۔ کڑیا اچھی لگی نیا سا پلاٹ ہے۔ اے دل ناداں پر تبصرہ مل

ہوتے ہیں۔ اب اگلے ناول کا انتظار ہے۔ رنچو بدیری کی ایک دلچسپ اپنی پمکلی تحریر کہکشاں خیالوں کی۔ اصل زور دودھ

[illegible]

شریک ہوں، اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور ان دونوں کو صبر عطا فرمائے، آمین۔ اٹھیلیاں بہت دلچسپ سوچ

یہی بہک سکتا ہے۔ ہماری بچیاں بے شک ہر شعبے میں اعلیٰ مقام حاصل کریں۔ بس دینی تعلیمات کا خیال رکھیں تو ہمیشہ سے اچھے اور پُر خلوص لوگوں سے ملاقات رہی۔ ثمینہ سر دوق پر خوب عجبیں۔ رضوانہ تمہارے زندگی بھر سنے کے انداز بہت

سے تیں لیا۔ بہاری طرح ایک کاس میرے دل میں بھی لڑی ہوئی ہے۔ میرے شوہر ایک ہفتہ P.U.O ایسا بخار جس کا

طی کئی دس منٹ بعد میں واپس گئی تو وہ کوہے میں تھے اور ٹھیک 24 گھنٹے بعد وفات پا گئے۔ میرے دل میں بھی یہ پھانسی

ان کی ڈائری سے ہم بھی مستفید ہو رہے ہیں۔" (شکریہ)

ملاوہ اور لڑکی کیا سستی ہوں۔ ابھی صرف دوپٹوں قطدار ناول غس اور زندگی عی پڑھ پانی ہوں چونکہ کچھ اسائنمنٹ تیار

ماہنامہ پاکیزہ — جون 2012ء

[illegible]

بھ فرید ہری لا، اور۔۔۔ ”سچی کا پکڑ ملا جو کہ ساگر و بھر قاسب سے پہلے کا بچہ سی لڑکی پر بھی مزہ آگیا یہ کہ کتابی شکل میں ضرور خریدیں گے۔ اس کے بعد پبلٹک لبریری واہ کیا گیا ہے۔ ہم جیسے بنیادوں کے چہرے پر بھی خوشیوں کے پھول کھل اٹھتے ہیں۔ تامل، ناولٹ اور افسانے سب ہی بچے تھے، ناولٹ دو دوہ کا جلا، اصل زرا، این این ٹی سب بہت

[illegible]

یہ شاہین، نیو یارک سے ”مٹالے کاٹھن بہت پڑاتا ہے۔ سنسن اور پاکیڑہب میرے مطالعے میں رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اچھی کتاب لپ جائے۔ کچھ لکھ جاتی ہوں لیکن جگہ کی وجہ سے کچھ نہیں لپاتی۔ مجھے توڑی رہنمائی اور توسلہ افزائی کی ضرورت ہے شاید کہ میں کچھ کر پاؤں۔ خط بھی پہلی دفعہ بھی لکھی ہوں۔“ اس مختل خوش آمدید ہے۔ ہم

ماہنامہ ایک پیسہ۔ جون 2012ء 265

ذات کی سیڑھا یا قیامت سلاسل بھی ایک جگہ پہنچا ل رہے ہیں۔ ہاں سندیہ قسم کے کریم یا کیزو کا سلسلہ دوبارہ شروع کر گیا ہے (اگر دیگر جنہوں کی بھی میں رائے سے متاثر ہوں گا) ہمیں خود بخود آپ کے مفہوروں کے سہارے ہی چلنا ہے۔

بھلا شہادہ قاضی، درسا پورے۔ ”مظنی“ آفاق حقیقت جس محبت سے اپنے بھائی کے لیے کجا احوال لکھا بہت خوش ہوئی ہے پھر کہ..... اللہ ان کی عمر و ساز کرے اور بارگاہ اس کے بعد عذر و رسول صالحہ کی بجائے ڈگری اور جج دونوں مبارک ہوں۔ اللہ انہیں بھی خوشحال نصیب کرے اور سراج بھائی کو زندگی اور صحت کا مدد ملے طے فرمائے۔ اب کیزو کی طرف جنہوں کی گفتگو میرا پسندیدہ موضوع ہے کیونکہ اس میں رہنما اپنے خیالات کا اظہار کرتی ہیں۔ یہ سچا سچا متاثرہ کلام ہے۔ (جسماکتا ہے۔ جنہوں کی گفتگو میں آپ نے سحر از اورت سے تمام سچا سچا قاری بھی بھرہ لگا اور انہیں جنہوں کو حقیقت پہنچائی ہے۔ اب کیزو کا رخ بھی اسی طرف ہے اور اب نام دیکھ کر تو دل سے دعا میں نکلتی ہیں بات جو پسند آتی وہ رہا ناول یا ناولٹ کا نام ملے رہ لکھا دیکھا۔ اس سے بھی آسانی ہوئی۔ فہرست دیکھتے بغیر بھی نام کا پتہ چل جاتا ہے۔ کالج کی لڑکی بہترین ناولٹ ہے۔ رہ کر دراز اپنی جگہ اب غری قضا کا انتہا ہے۔ شیریں حیدر سے ناول کو آخر میں سمیٹ کر ختم کر دیا مگر اب احمکھا نکلتی پسند آئے۔ ایک بے کردار انسان جو تدبیر سے ہمیشہ مقدس کیے کو پال کر بھاگتا ہے۔ میرے بھیلے ہمارے اور کردار کے ساتھ موجود ہیں۔ جلد جگہ ہمیشہ کی طرح خوب صورتی لیے ہوئے پایا۔ یا کیزو کے لیے دعا کرے کہ..... دن و دن تو چلتی رہے کہ اور آپ ہمیں اچھی باتیں لکھ رہے ہیں۔ اب یہ سچا سچا رہا نامی کے اور سارے کے لیے جنہوں کی حقیقت سچی ہے۔ جنہوں کو پوشیدہ محبت میں رہا اور زندگی کی ہر آفر اور معیشت سے بچائے۔ آمین۔“ (آپ کی دعاؤں کے لیے احسان مند رہوں گی)

بھہ نسیم غفرانی ملوی، دہلی سے تیرہ فرسہ آپ کی بیٹی کرد فرست میں ناچ کر تیسرے کا ہونا میرے لیے کی اعزاز سے کہیں۔ مان گئے ماشاء اللہ اس کمال یادداشت کو سب سے بے غار سلام..... آپ پر دوش صادق آتی ہے کہ تو اس سے خوشبو آئے اور کلمہ پڑھتو جگمگ نہ اٹھیں..... شادی اور بے کسی سارک باقی شون من پر دے چکی ہوں۔ ماشاء اللہ تصویر بھی آئی آگھوں دیکھا حال تو زبردست رہا۔ تصویر میں بے لباس زیادہ واضح نہیں آئیں۔ (ہاں انگریز تصاویر پر رنگ بھی لگے تھے) فانوں میں اقبال باقی ہونا قدامت خانہ لیے تو سب کیسے نقش قدم پر چلتا چاہے۔ واقعی لوگوں کو یہ کہنا چاہیے کہ آپ نے دستور کو نہیں ماننا..... مگر طرکی کہانی آئیوں کی ہستی ایک سبق آموز کہانی نہیں کیونکہ فرشتے بات تو سمجھ کی ہے مزاح کا رنگ ہے ایک دلچپ افسانہ تھا۔ میں خود اسکی صفائی فرمایا تو میں نے واقف ہوں..... غرہ احمد نے انیس لکھ کر دل کے تاروں کو چھیڑ دیا۔ بقول شاعر میرے سادہ لوح بندے کو کھر جائیں کہ روئیں بھی عماری فقیری بھی عیاری (شعر کا مقہور) اب تو سب انھیں روز دیاں شاعر مر اور عجم کی کو بھی شک کا فائدہ نہیں دیا جا سکتا تھا۔ خوشین نے میٹا پر اچھا دیا۔ آج کل دینی صورت بہ حال اسکی ہی ہے۔ نالو سب بہت اچھے ہیں۔ عمیرہ اکمل بھی بہت بہر اور دل چاہے۔ دینیے ایک سب بات شیئر کرنی ہو۔ آج کل جی دی پر ڈراموں میں رشوتوں کے نقوش کا طرح طرح مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ اس پر ہم سب کو ہنسنے پڑتا چاہے۔ سائیں ماہیہ میں سب سے پہلے زمر شون میں معروف..... شادی شون میں مذاق اڑایا اور..... خوشیوں کا شوقان بدھتے ہی چلی ہے؟ (ایک بات نہیں ہے)۔ ہماری بزرگ خواہش بھی اب بزرگی اپنانے کے لیے تار نہیں ہیں۔ اور بہت ساری خوشین کی 35 عمر کے بعد رک جاتی ہے۔ اسی لیے دی بڑی پر بھی وہی نظر آ رہا ہے۔ (جو ہور باج)

کچھ صاحبزادے دستار بستہ ہو کر اپنے باپ کے سامنے بیٹھے۔ ان کے ہاتھوں پر زخمی شہزادے کی کھال لٹائی ہوئی تھی۔ ان کے ہاتھوں پر زخمی شہزادے کی کھال لٹائی ہوئی تھی۔ ان کے ہاتھوں پر زخمی شہزادے کی کھال لٹائی ہوئی تھی۔



بات کی جائے تو تنقید کا پہلو نہیں ملتا۔ ان کردار اور حالات پر ایسی گرفت ہوتی ہے کہ قاری ایک بحر میں رہتا ہے۔ عمیرہ کی تحریر کی یہ خوبی ہے کہ ان کو پڑھتے ہوئے قاری اسی ماحول میں خود کو محسوس کرتا ہے۔ عمیرہ جی کی تحریر کو پڑھتے ہوئے ہر دفعہ یہ احساس ہوا کہ اس ناپک پر اس سے زیادہ اچھا اور لکھا نہیں جاسکتا تھا۔ اس کے علاوہ عمیرہ جی کی یہ خوبی کہ وہ جس موضوع پر لکھتی ہیں اس پر ان کی معلومات غلبہ کی ہوتی ہیں۔ وہ کوئی پہلو پیش نہیں چھوڑتی ہیں اور قاری کی نظر پر ان کا ہاتھ ہوتا ہے۔ انجم انصار کے بارے میں لکھتا تو سورج کو حراج دکھانے کے برابر ہے۔ ان کا طرز حراج پڑھ کر حراہوتا ہے تو ناول کی خوب صورتی اور لکھنا بیان انگ مٹا کر مٹاتا ہے۔ یا نیزہ کے مشاہدے کرنے والے کے طور پر کہ جب بھی اٹھا کر پڑھ لیں ہر دفعہ نیا حراہ دیتے ہیں۔ وہ بڑی سے بڑی بات کو بھی اتنے لطیف، نرمے میں بیان کرتی ہیں کہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی دیکھ چکے کہ جاتی ہیں۔ ان کے اکثر کردار ہمارے ارد گرد چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی کہانیاں اداروں کی دنیا کی نہیں بلکہ ہمارے ہی ارد گرد کی کہانیاں ہوتی ہیں اور ان کی ان کی تحریر کی بہت بڑی خوبی ہے۔ فائزہ اور فخریہ کی کا تو نام ہی کافی ہے، آف ان کی تحریریں اور ان کا مزیدہ تحریروں کی نسبت حراج لکھنا بہت مشکل کام ہے اور حراج بھی ایسا کہ جتنے پتے پیٹ میں مل پڑ جائیں حراج اور ہیکلو پن میں بہت فرق ہے اور فائزہ جب اس قدر حراج تو سب ان اللہ۔ مٹھڑی ان کی اتنی غلبہ کی ہوتی ہے کہ مٹھڑی سے تصویر بنی جاتی ہے اور پڑھنے والا اپنے آپ کو اس ماحول کا حصہ محسوس کرتا ہے۔ واقعی فائزہ ہی آپ سے تو جیتا مشکل ہی نہیں شاید نا ممکن ہے۔

گفتہ ناز ملک

مجھ سے ملے

میرا نام مختلف ناز ملک ہے، علی پوری کی ہاں ہوں پہلے ٹھوڑا سا اپنے علاقے کا تبادوں۔ میرا شہر علی پور ضلع مظفر گڑھ کی تحصیل ہے اور موہہ پنجاب کی آخری تحصیل ہے۔ میرا گاؤں شہر سے پانچ سو کلومیٹر کی فاصلہ پر ہے اور بہت خوب صورت علاقہ ہے۔ میرے گاؤں کا نام بی آرا میں ہے اور اس کی پانچ سو کلومیٹر میں تمام شہر والا ہے۔ یہ انتہائی پرسکون جگہ ہے صاف تر علاقہ ہے۔ ہر سے مجھے باغ ہیں جن کی یہاں کے تمام مکانات بھی خوب صورت ہیں بہت چھوٹا ساحل ہے۔ لیکن یہاں ایک ایسا پتلا بھی ہے اور لڑکے کے لڑکوں کے اسکول بھی ہیں لوگ پڑھنے لکھنے سمجھتے ہوئے ہیں۔ یہاں کے مشہور پتلا ام اور انار ہیں۔ یہ تو تھامیر علاقہ اب اپنے بارے میں بتاؤں کہ میں باؤس وانف ہوں اور ماشا اللہ وہ بہت پیارے ہیں جیسے پتھر اور باب اور محمد مصطفیٰ۔ میرا صاحب انجینئر ہیں۔ میری تمام فٹلی بہت پڑھی لکھی ہے۔ ہمارے علاقے میں لڑکوں کو پڑھانے کا رواج تھا لڑکوں کو نہیں گھر سے میرے بونے یہ روایت تبدیل کی میرے علاوہ تمام میں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ دوست بھی زندگی میں بنا نہیں ہیں اس لیے کہ میری بہنیں ہی میری دوست ہیں۔ نایاب، چندرا، ریحانہ، میری شدید خواہش ہے کہ میرے بیٹے حافظہ میں اور آپ سب نہیں دعا کریں کہ اللہ پاک تمام خواہشوں کی طرح یہ خواہش بھی پوری کر دیں۔ حافظہ قرآن جناب صرف میری ہی نہیں میرے دونوں بیٹوں کی بھی خواہش ہے۔ یا نیزہ سے بہت کچھ سیکھا ہے صرف ذرا نجاست ہی نہیں میرا سہمی ہے اس کی بدولت مابا بھاری بھی دوست ملی۔ آخر میں اس اتنا کہتا جاؤں گی کہ خاموشی پر سسکتا کا علاقہ ہے۔ بہت زیادہ اور بے وقت بولنا بھی کسی بہت بڑے مسائل کا باعث بن جاتا ہے۔ سو بہتر ہے کہ اچھی بات کی جائے یا خاموش رہا جائے۔

ذرا نجاست میں پڑھنا میں نے میٹرک کے ایگریڈ کے بعد شروع کیا تھا۔ بس وہ دن اور آج کا دن ہم دونوں کا ساتھ ہے۔ عمیرہ اچھا کام ڈان میں آتے ہی بے مثالی کا تصور ذہن میں آتا ہے جنہیں ہم دن اینڈ اوٹلی بھی کہہ سکتے ہیں۔ تصوف پر ان کی تحریریں ہیں ہوں تو بے مثال سیاست پر ہوں تو لاجواب فریضہ کوئی ایسا موضوع نہیں جس پر لکھیں اور لکھنے کا حق ادا نہ کر سکیں۔ عمیرہ جی نے اپنے ہر کردار کو اس کر دیا ہے ان کی تحریر پر جب بھی

آپ کی حوصلہ افزائی ضرور کریں گے)

بہرہ اصفا فیصل، کراچی ہے۔ ”میں کا یا نیزہ شان دار تھا۔ ٹکس پڑھتے ہوئے کئی دفعہ کہ دو مختلف کرداروں کی کہانی چل رہی ہے مگر ہر بات کو ہوا جانی کی تکرار کر دیا اور اس کے اٹکل کا تذکرہ ایک ہی پیرائے میں پتا چھوے وہ ایک ہی کردار ہوں۔ بہر حال ٹکس نے اپنی توجہ ٹکس پر مرکوز کر لی اور اب یہی اس کہانی کی سب سے اچھلی بات ہے۔ خوب ستر میں رہے، رفعت سراج جی کا افسانہ پڑھ کر اچھا کہ بہت دنوں کے بعد ان کا وہی مخصوص لہجہ لوگ بھاریا۔ رفعت سراج جی سے میں 2008ء میں ملی تھی۔ زندگی، ناسطیلہ انداز کا بہت زبردست جا رہا ہے۔ اعزاز جیلا بہت جامع اور مفصل ہے۔ اے دلی نازاں میں باقی آئندہ دو ٹکڑوں میں کر رہا ہوں کہ وہ کب تراس ہی ٹھیک تھا، کچھ لڑکی کی سرفراز صاحب کی زیادتی کی سزا ان کے بیٹے کو کھینچتی پڑی۔ خسرو ہوا مگر کہانی کی خوبی اسے انعام میں پہنچانے کے لیے آپ مبارکباد کی کہ ہیں۔ حدیہ نے اسیر ان فیس سے بھر پور انصاف کیا، زبردست اصل زندگی تھی۔ دودھ کا جلا گھٹا

ہم، موضوع اگرچہ پرانا تھا مگر اسے ایک ناز ملک دے کر انتہائی قابل اصلاح لکھوں کے لیے بہت زبردست تھو تھا۔ ایڈیٹر سہمی بہت حراہ آیا۔ رحمان علی سیلے نے بھی اچھا لکھا۔ پھر کوئی خواب بنوا چھا تھا مگر اس میں جذبات کی حد درجہ ترجمانی کی اور واقعات کم تھے۔“ (شکریہ)

بہر رفعت یمن رنی، کراچی ہے۔ ”کچھ لڑکی کا افتخار بہت پسند آیا۔ اس سے بہتر انتظام نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے پڑھ کر بہت سارے لوگوں کی آنکھیں کھل جاتی چائیں۔ کھینے والوں کے لیے بہت سبق آموز ہے کیونکہ آج کل آپس میں حسد، طعن اس قدر بڑھ چکا ہے کہ لوگ کچھ کی گزر دے گئے ہیں۔ ناسطیلہ حقیقت ہے پڑھ کر دل دکھے مگر بہر حال رضوانہ پرنس کو اللہ تعالیٰ اور بہت دھولہ دھولہ فرما دے اور انہیں اپنے بچوں کی خوشیاں دیکھنا سیر کرے۔ آئیں۔ اور یہ دیکھنا تو دنیا کی سوسائٹی کا تو کام ہے بولنا، یہ دنیا کی کو خوش نہیں دیکھنے کے سبب کہ اب وہ اپنے بچہ سے انتظار رہتا ہے جیسے عمر عمیرہ سدا خوش رہو۔ اللہ کے زور و کرم اور زیادہ۔ خوب ستر میں رہے، زندگی،

ہوں۔ ذرا بھی ملنے میں تاخیر ہو جائے تو حال اور ہوا جاتا ہے۔ تاہم سلطانہ اختر نے بہت اچھا لکھا۔ کالج کی لڑکی کی آخری لفظ بہترین رہی۔ آپ کو بہت مبارک ہو۔ اے پلاس پر آپ کا ٹی وی سوب اگلیاں بہت زبردست جا رہا ہے۔ آپ کے جلتنگ کے خالوں کا خوب خبر آ رہا ہے۔ (نوازش)

یہ مینا شاہ، حیدر آباد۔ "یہ لڑکھنوا مینا کہاں ہیں آج کل۔ (اس ماہ مہو جوں) باجی آپ سے یہ کہا ہے کہ کئی معصفتا کی تحریریں زیادہ ننگ لگا کریں۔ میں نہیں آتا۔ مہاراجا جانتا ہے کہ پاکیزہ میں صرف اعلیٰ ترین تحریریں شائع ہوں۔" (کر) اگر ہم بھی معصفتا کو معنی نہیں دیں گے تو وہ کیسیں کی کیے یہ بھی تو ذرا سوچو)

یہ منیر نعیم، راولپنڈی سے۔ "آج کوئی ایک سال بعد دوبارہ حاضری دے دی ہوں بس کچھ موفیات کی وجہ سے بیشمیرہ کہنے سے روکا جا رہی تھی۔ نہیں کہہ اسے بار بار پاکیزہ سے دور رہے۔۔۔ نہیں بلکہ ہرمیندی پاکیزہ کے ساتھ گزرا، ہر حال دیکھ کر کے شاعر نے کئی غزلوں کی خبر دی کہ رول کو بڑی تکلیف ہوئی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے سچے دل میں جلد سے آئیں۔ تمام بہنوں کے افسانے بڑے عمدہ ہیں۔ پاکیزہ کی لڑکی کی زیادہ یاد اچھا لگتی ہے۔ ہم آج کسی کی بیٹی کے بارے میں بات کر رہے ہیں جیسے کہ جب مکافات عمل سے گزرتے ہیں جب بھی اپنا آپ سچا لگتا ہے، اپرل کا شامہ ہاتھ میں ہے اپنی پوری رعایتی سے سوئیٹ سی بہروانی شیندی پوری کھست سے جلوہ افروز ہیں۔ شادی میرے شہزادے کی ہو چکی، عظمیٰ نے ایک پیار کرنے والی بہن کا بھر پور کردار ادا کیا اور عظمیٰ جانی (نندو سے تیرے دور) ہر حال آئی آپ کو تمام اعلیٰ خانگودار اپنی سچی پیاری بیویوں کو بھی مبارک جنوں نے اپنی لکھاری بہنوں کو پیارے اعزاز میں خوش آمدید کہا۔ ہر حال میں آئی جانی ایک گھوہ کے کشا دی میں بلاوائیں اگر ہم بھر بھی خود کو آپ کے ساتھ محسوس کر رہے ہیں اور جب کراچی آکر کوئی اڑا میں گئے، انا اللہ۔ اقبال باجی آپ کی آمد آئی گی۔ دلاشا کو آپ کی کے شوہر کا انھوس ہوا اللہ تعالیٰ آپ کی کوہنرئیل عطا فرمائے۔" (آپ کے بارے میں جانتی ہے)

یہ عا کا خوش شیدا نور دہاچی سے۔ "کیا آپ مجھے اپنی بزم میں آنے کی اجازت دینا چاہتی ہیں۔ بالین مجھے اپنی بزم میں اس حمد کے ساتھ شریک کر لیں جو میں نے بڑی محبت سے اپنے پیارے اللہ کی محبت میں لکھی ہے۔" (اس محفل میں اور پاکیزہ وائزری میں خوش آمدید)

یہ زرخشاں قدس، اسمہ سے۔ "میں حیران ہوں آپ اتنا اچھا موضوع چن کر اسنے اچھے الفاظ میں لکھی ہیں۔ آپ پر بظہیر کی مہربانی ہے۔ آپ کی تحریر بڑھ کر انسان اپنی خاموشی، کدور یوں کو دور کر سکتا ہے۔ کچھ لوگ اس قائل ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے کام آپس میں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے سچے پیار سے کسی حد تک نصرت دے جائے۔ آپ کے لیے یہ ہر وقت مبارک دینی ہوں جو جو جی میں ہو۔ پاکیزہ کی عا خوش قاری ہوں۔ مجھے تو بھی یاد نہیں کہ میں نے کب سے پاکیزہ کو ہر صبح شروع کیا تھا۔ کچھ سال تو ہو گئے ہوں گے۔ اب تو مجھے بھی یونیورسٹی پہنچ گئے ہیں۔ میں خود بھی ہائی اسکول میں ٹیچر ہوں۔ جس چیز نے مجھے اٹھانے پر مجبور ہو گیا ہے وہیں آپ کے ساتھ شریک بنا جاتی ہوں۔ (انہاد کہ) راج کا کہنیت ہمارا لکھن میرے لیے۔ میری امی فوت ہو گئیں۔ انہاد کہ جو میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی۔ اچھا چوٹی بہن سے۔ اسی لیے آپ کو بڑی بہن کہا ہے۔ میں جب بھی کراچی آتی آپ نے ضرورتوں کی۔ امی کہہ دے مجھے نندوہ گور گور دیا ہے۔ میری بھی ایک بیٹی ہے آپ کی طرح۔" (زرخشاں بہن آپ کو بھی کراچی آئیں میرے پاس ضرور آئیں)

یہ زرقا محمود، چوٹی دیرستان محمود باک سے۔ "سب سے پہلے پاکیزہ کی ساگرہ مبارک ہو بحیرہ احمد کا ناول جس میں زرقا محمود نے آکے بڑے بہادر رہا ہے۔ جس بلاشیراکا بھر پور دلا ہے۔ تاہم سلطانہ اختر شیریں حیدر، انجم انصار اور نرہ احمدار دہا زبردست مجھے تو بڑھ کر براہزہ آیا۔ دیکھیں آپ کی جب جلتنگ نہ بدحوالہ مجھے سے پائی نہیں لاتی۔ اس پیاری پیاری محفل میں ہمیں بھی جلد جا کریں۔" (کر) انہاد ہمارے نے اپنی روتی ہی لکھ دی ہوئی ہے۔ ہر

اصل زرقا محمود کے ہر افسانہ ہر ناول ہر جہیز بلکہ یہ کہ پاکیزہ کے دونوں ساگرہ نمبر بہت لا جواب تھے۔ رنج چوہدری، میوند، محبت، تاہم سلطانہ، رفعت سراج، انجم انصار، رضوانہ پرنس، عظمیٰ آفاق اور پاکیزہ کی ساری تم کو میرا سلام مبارک ہو۔" (نوازش)

یہ نور افشاں شیخ، حیدر پور سے۔ "باجی آپ کو اتنا پیار انا کالج کی لڑکی لکھنے پر بے حد مبارک باد۔ آپ بالین اپنا کوئی ایک بھی ناول بی بی وی چینل پر بڑھائیں، بالین باجی۔ اپرل میں مجھے کچھ کہنا ہے۔ سے لے کر آخر تک سب سلسلے بہت پسند آئے۔ بالین باجی روحانی مشوروں کے صفحات بڑھائیں۔ تاثر میں جس اور زندگی ناچ پر جا رہے ہیں۔ جس میں مجھے چڑا اور اس کے نانا کی باتیں بڑھ کر بہت اچھا لگتا ہے، بالین بحیرہ احمد کی تصویر دکھائی باجی میوند خوشید کے ناول کی پہلی جلد بھی بہت اچھی لگی۔ باجی عذر دار رسول کی وائزری سے انتخاب والی باتیں بڑھ کر فائزہ والی لکھیں کچھ مجھے ہے اپنی اسی کو کئی ایک کچھ خود بڑھ کر اپنا لکھی کی خبر اور کئی تحریریں بھی بہت حقیقت کے والی لگی۔ باجی ایضاً عذریہ لب کی طبیعت ٹھیک نہ ہونے کا پڑ کر بھی بہت دکھ محسوس کرتی ہوں اور ان باجی کے لیے میں نماز میں دعا ضرور دیتی ہوں۔" (زرخشاں اللہ)

یہ عارفہ محمود، لاہور کیٹ سے۔ "میں پاکیزہ کی ایک خاموش قاری ہوں اس وقت سے جب تاہم سلطانہ اختر صاحبہ کے ناول آج کریت پر مکان چھپے شامہ راول آئے تھے۔ دو کئی نصف آپ کو خیر لکھا تھا اسے کسی کم کرنا آپ کی محبت نے میرا دل موہ لیا جب پاکیزہ کا ساگرہ نمبر ملا اور آپ نے فردا فردا اپنی بہنوں کے نام لکھے اور اس محفل میں اپنا نام لکھ کر کوئی پاکیزہ سا ہو گیا کہ ہمارے جیسے بھی آپ کو یاد ہیں جو کم کا حاضری دیتے ہیں۔ یقیناً میں مجھے اپنے نام پر بھی اتنا پیار نہیں آیا جتنا آپ آیا۔ آپ قریب ہوئیں تو آپ کے ساتھ چم آج کی خوشخبری میں بھی اتنی محبت کی کرئیں بحیرہ سے بہت لوگ ہیں اللہ آپ کو اپنے تمام سچے شاداں یاد رکھے۔ آپ کا شادہ بیٹا گڑی گڑی دلن سبیت بہت اچھا لک رہا تھا اور عظمیٰ جی نے احوال لکھ کر گواہ بنیں ہو کائنات کو اور یاد ان کے ہر لفظ سے محبت لپک رہی تھی۔ بہت عرصے پہلے سے کسی بہن کا مشورہ بڑھانا کہ کہیں روز دو روز فکر کرانے کے پڑھا کریں آپ یقین کریں انجم کی بہن کا ہر کاروگ اللہ کے شکرانے کا حق ادا نہیں کر سکتے مگر اس مشورہ سے پہل کر کے میں نے بہت کچھ پائیا جس سب بہنوں کو یہ ضرور کہوں گی کہ وہ وقت نکال کر کشا کرنے کے قائل ضرور ادا کیا کریں۔ سمیرہ سیدی کی تحریر نے گویا میرا دل نکال لیا۔ بہت خوب صورت، میں بھی سوچتی ہوں کہ اپنے اکیلا کبھی لکھوں جن کے تمام خواب اس کے طرے سے پورے ہوں اور بھر گیا ایک خواب ان کے سامنے مقرر تھا گیا۔ خواب شرمندہ بحیرہ نے ہوں تو شاید نارنگی نہ ہو کر خلیب سے پورے ہو کر شریک بن کر اپنی کڑیاں ہمیں ہم سویت ہو جاتی ہیں اور اپنی امی میرے ساتھ ہو اور ادروانی آخری منزل پر پہنچ گئے کہ لاوا کے دکھان سے دیکھتے نہ گئے۔ تمام بہنوں سے گزارش ہے کہ ان کی مغفرت کے لیے دعا ضرور کریں۔ مگر جب قلم اٹھاتی ہوں تو تمام خیالات بھر بھر جاتے ہیں آٹھوں کے گوشے میں ہوجاتے ہیں اور الفاظ کم ہوجاتے ہیں۔ ادوہ میں جن بھول بھلیوں میں الجھتی۔" (پیاری عارفہ آپ کی بھی بھانے سے کسی اس محفل میں تو آئیں اور۔ آتی رہے گا)

یہ سمر شمیم طارق محمود، دام سے۔ "پاکیزہ مجھے بے حد پسند ہے۔ تمام تحریریں شوق سے پڑھتی ہوں۔ جلتنگ خصوصی طور سے پسند ہے۔" (نوازش)

یہ شہناز حیدر، اوک (A-E-O) سے۔ "باجی پاکیزہ میں اپنا انٹرویو کیا ہے۔ میں بہت عرصے سے منتظر ہوں۔ پاکیزہ ہر لکھنے والا ہمارا ہے۔ جس اچھا ہے ذمہ داری بھی خوب ہے کالج کی لڑکی بڑھ کر کہ بہت اچھا لگتا ہے۔ آپ نے دعا اور بدعا بہت اچھا لکھا۔" (اس محفل میں خوش آمدید۔ انٹرویو میں یادوں۔ میرے پاس بتانے کے لیے کوئی خاص بات ہی نہیں ہے)

یہ سمر رحمان ناز کرماچی سے۔ "پاکیزہ، جلتنگ کی وجہ سے پڑھنا شروع کیا تھا۔ اب تو میں اس کی عادی ہو گئی

کڑنزا اور سیلیاں زیادہ ہوں گی)

س: کس روز آپ کو دوا لیا میاں زیادہ اچھے لگے؟

ج: دویسے میں۔

س: عمو! کس لباس میں زیادہ اچھے لگتے ہیں؟

ج: دویسے تو ہر لباس میں ہی اچھے لگتے ہیں لیکن کرتہ شلواران پر بہت اچھا لگتا ہے۔ (یو تو ہے)

س: کس کے غصے کا کراف زیادہ بلند ہے؟ اور یہ کتنے غصے پر بیچھ ہوتا ہے؟

ج: میرے غصے کا کراف جتنا بلند ہوتا ہے اتنی ہی جلدی جھماک کی طرح بیچھ بیچھ جاتا ہے۔ ان کا غصہ بھی مختصر مدت کا ہوتا ہے اور آیا ادھر گیا۔

س: پہلا جھگڑا شادی کے کتنے عرصے بعد اور کس نیا پر ہوا تھا؟

ج: یاد نہیں، دویسے چھوٹے موٹے جھگڑے زندگی کی علامت ہوتے ہیں۔ ایسے جھگڑے بھی نہیں ہوئے کہ ہم بیکس بھلے دے دیں۔

س: جھگڑے کا دورانیہ کتنے طویل تھا؟

ج: بہت مختصر، اسی لیے پتا بھی نہیں چلا کہ جھگڑا ہوا تھا اور اب کی برس بعد کی یہی صورت حال ہے۔

س: عمو! میں پہلے کون کرتا ہے؟

ج: یہ کرتے ہیں، میرے عظیم شوہر، میرے دوست اور بہت کچھ۔

س: آپ کے شوہر صاحب ذوق ہیں، آپ کو منانے کے لیے بھی شاعری یا ترنم کو ڈوبو دینا یا؟

ج: نثر سے کام چلا لیتے ہیں اور بڑی خوبی سے۔

س: آپ کے درمیان عمو! کس باتوں پر اختلاف ہوتا ہے؟

ج: وقت کی پابندی نہ ہونے پر۔

س: کون زیادہ وقت کا پابند ہے؟

ج: میں ہی ہوں۔

س: تاخیر سے گھر آنے پر سیان جی کیا بہانہ بناتے ہیں؟

ج: بہانے کی ضرورت نہیں پڑتی، لمبے لمبے خبر دیتے ہیں۔ انہیں پتا ہے جھوٹ سے مجھے نفرت ہے۔

س: میاں بیوی کے درمیان اعتبار کا رشتہ کب قائم ہوتا ہے؟

ج: مستقل ایک دوسرے کے ساتھ غلوں، محبت اور سچائی کے ساتھ رہیں تو خود بخود اعتبار کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔

س: ازدواجی زندگی میں کبھی ایسا ہی آیا جب آپ کو بڑی آزمائش سے گزرنا پڑا تب کیا حکمت عملی اختیار کی؟

ج: شکر ہے ایسا کوئی مرحلہ نہیں آیا راوی چین میں چین لگتا ہے۔

س: کیا سمجھوتے کے بغیر ازدواجی زندگی کا مایابی سے گزرا ہی جاسکتی ہے؟

ج: زندگی سمجھوتوں ہی کا نام ہے۔ سمجھوتوں سے ازدواجی زندگی مزید خوب صورت بن سکتی ہے۔ س: گھریلو ماحول خوشگوار بنانے میں آپ کے ہم سفر کا کردار کتنا اہم ہے؟

ج: گھریلو دے داروں میں وقت دیتے ہیں تو ماحول خود بخود خوشگوار اور حسین بن جاتا ہے۔

س: صاحب جی کی کون سی بات بہت خوشی دیتی ہے اور کون سی پریشان کر دیتی ہے؟

ج: خوشی کی بات یہ ہے کہ جھوٹ بول کر گھر سے روانہ نہیں ہوتے اور پریشان کن بات جب یہ تیند کی کی شکایت کرتے ہیں۔

س: ازدواجی زندگی کی پائیداری کی بنیاد کیا ہے؟

ج: حرف اور صرف اعتماد و باہمی۔

س: شریک حیات کے دل میں گھربانے کے طہرے اصول کون ہیں؟

ج: (1) گھر کا ماحول خوشگوار رکھا جائے اس سے مرد بہت پرسکون رہتا ہے۔ (2) ان مرد اور مزاج دیکھ کر بات کی جائے (3) ان کی رد و ل کا خیال رکھا جائے۔

س: گھر کو جنت بنانا بھل بیوی کی ذمہ داری ہے یا شوہر بھی اس میں حصہ دار ہے؟

ج: دونوں کی باہمی خوششوں سے گرجنت بنتا ہے۔ دونوں برابر کے شریک ہیں۔

س: شادی کے بعد صاحب جی نے اپنا کون سا کام سب سے پہلے کر دیا؟

ج: چائے بنوانی تھی جو ہم نے بڑی چاہ سے پالی تھی۔

س: گھر کے کاموں میں آپ کا ہاتھ بٹاتے ہیں یا ہم بڑھاتے ہیں؟

ج: بہت ہاتھ بٹاتے ہیں بلکہ کام سینے کے چکر رہتے ہیں۔

س: شادی کے بعد آپ نے وہ پہلی ڈش کون بنائی تھی جو صاحب جی کو بے حد پسند آئی اور کون سی ڈش تھی جس کے ذائقے کا تصور آج بھی میاں کو گھر پریشان کر دیتا ہے؟

ج: کھیر بہت پسند آتی تھی۔ ایسی کوئی ڈش نہیں بن سزا۔ ہر سچ والی ڈش کا تصور میری روح فرسا ہے۔

س: کبھی صاحب جی نے کوئی ڈش بنائی؟

ج: جی نہیں۔ اس معاملے میں کورے ہیں، اٹل کورے۔

س: کھانے کے معاملے میں صاحب جی کا ار کیا ہے؟

ج: سادہ کھانا پسند ہے۔ ارہر کی دال، چاول،

میاں بیوی راضی

کچے تھے کے کباب، سلا۔

س: شہید بیگم کے عالم میں صاحب جی کا رد عمل کیا ہوتا ہے؟

ج: بھولی سا غصہ تو آتا ہے مگر ایسے موقع پر کبہ دیتے ہیں کہ جو بھی گیا ہو دے دیں۔

س: صاحب جی کا سب سے پہلا اور سب سے مستحق کون سا ہے؟

ج: موقع اور وقت کے لحاظ سے سارے شوق ایڈجسٹ کر لیتے ہیں۔

س: کون زیادہ شاہ خرچ ہے اور کون بخل؟

ج: شاہ خرچ میرے شوہر نامہ ہیں۔ میں بھی بخل ہرگز نہیں ہاں کفایت شعار ضرور ہوں۔ سوچ کچھ کر خرچ کرتی ہوں اور انتہائی ضرورت کی چیزوں کو ترجیح دیتی ہوں۔ اس طرح گھر کا بجٹ متوازن رہتا ہے۔

س: گھر کا بجٹ کون بناتا ہے؟

ج: بیشتر کجبت بنتا ہے۔

س: صاحب جی آپ کی کتنے فیصد فرمائش پوری کرتے ہیں؟

ج: ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ہر ممکن فرمائش پوری کریں۔

س: عمو! کون سی فرمائش کرتی ہیں؟

ج: اچھی کباب اور اچھے چائے بنانے کی۔

س: اس میں تو ان کا بھی بھلا ہو جاتا ہوگا؟

ج: یقیناً چونکہ دونوں مل جل کر رہتے ہیں۔

س: کون سی جگہ جانے کے لیے قوی تیار ہو جاتے ہیں؟

ج: فرصت ہو تو ہر جگہ جانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ اولی و دہائی تقریبات میں بخوشی جاتے ہیں۔

س: شاہجگ کے سفر میں ہم سفر کتنا ساتھ دیتے

س: بنیاد پر ہوا تھا؟
ج: غالباً نہیں باہر جانے پر۔
س: صلح میں پہلی کسی کی جانب سے ہوئی؟
ج: میری جانب سے۔ (شباب نس)
س: آپ کے درمیان عموماً کن باتوں پر اختلاف ہوتا ہے؟
ج: جب میں زیادہ بولوں۔
س: بیٹی کی تعلیم و تربیت کے لیے کون زیادہ وقت دیتا ہے؟
ج: بی بی جی ہیں۔
س: بیٹی کس سے زیادہ نزدیک ہے؟
ج: دونوں سے یکساں کے خیال کے مطابق مجھ سے۔
س: بحیثیت ماں ان کی خوبیوں اور خامیوں کا تناسب کتنا ہے؟
ج: خوبیوں کا تناسب زیادہ ہے۔
س: آپ دونوں میں کون زیادہ ڈینگل ہے؟
ج: میں زیادہ ہوں۔
س: محبت کا اظہار انھوں میں کتنا ضروری سمجھتے ہیں یا دوسری کا کافی ہوتا ہے؟
ج: انھوں میں۔
س: موسیقی کی پسند ہے؟
ج: زیادہ شور شرابے والی نہیں۔
س: کون سا گیت اکثر گاتے ہیں؟
ج: جو بوجھل ہے دشمن سے ہماری۔
س: آپ کی تمام تر توجہ کرکٹ ہی پر ہوا رہے گی؟
ج: آپ کی رفاقت میں بارش سے لطف اٹھانا چاہ رہی ہوں تب آپ کی کرکٹ سے۔
ج: جتنے چھوڑ دوں گا۔
س: مطالعہ کرنے کا سب سے بڑا فائدہ؟
ج: کچھ نہ ملتا رہتا ہے۔

س: شادی کے بعد پہلی مرتبہ کون سے تفریحی اہم گئے؟
ج: نادر ن ایریا۔
س: شادی کے بعد آپ نے یکساں سے اپنا کون اہم سب سے پہلے کروا دیا تھا؟
ج: جانے ہوئی تھی۔
س: ٹھیکے کا کاموں میں یکساں کاتھ بٹاتے ہیں یا ام جھانٹتے ہیں؟
ج: پورا کاتھ بٹاتا ہوں۔
س: شادی کے بعد یکساں نے وہ پہلی ڈش کون سی تھی جو آپ کو بے حد پسند آئی اور کون سی ایسی ڈش تھی جس کے ذائقے کا تصور آج بھی آپ کو پریشان کرتا ہے؟
ج: دیتا ہے۔
س: کچھ گوشت کا سالن۔
س: کبھی آپ نے کوئی ڈش بنائی؟
ج: جی نہیں۔
س: کھانے کے معاملے میں آپ کا معیار کیا ہے؟
ج: سادہ اور خوش ذائقہ۔
س: شدید بھوک کے عالم میں آپ کا رد عمل کیا ہے؟
ج: غصہ آتا ہے۔
س: کس کے غصے کا گراف زیادہ بلند ہے؟
ج: ان کا زیادہ ہے۔
س: کتنے عرصے پر محیط ہوتا ہے؟
ج: تقریباً چار گھنٹے پر۔ (بڑا کچھ بھی نہیں ہے)
س: آپ کو غصہ آئے تو یکساں کا رد عمل کیا ہوتا ہے؟
ج: خاموش ہو جاتی ہیں کبھی کبھی ادھار چپکاتی (کتنے کچھ نہ کہتا)
س: پہلا بھگڑا شادی کے کتنے عرصے بعد اور



س: بابتہار جمعی اپنے شریک حیات کو کیسا پایا؟
ج: اچھا خاصہ پایا۔ (خاصہ کیا مطلب؟)
س: اپنے مجازی خدا کے لیے کوئی پیغام دیں؟
ج: آپ پر بھروسہ ہے اور رہے گا اسے نونے نہیں دینگے گا۔
اویس ادیب انصاری
س: آپ کا لن کب ہوا؟

ج: 13 مئی 1994ء
س: پہلی مرتبہ یکساں کو کب اور کس دیکھا تھا؟
ج: ایک تقریب میں۔ (اچھا! پسند کی شادی ہے)
س: جب پہلا تاثر کیا تھا؟
ج: خوشگوار۔
س: یکساں کا انتخاب کس بنیاد پر کیا؟
ج: شرافت اور خاندانی پس منظر کی بنیاد پر کیا۔
س: آپ نے فوری حای بھری یا پس و پیش سے کام لیا؟
ج: ماں باپ سے مشورہ کیا اور حای بھری۔ (اس دور کی لوہیر جی اسی طرح ہوا کرتی تھی)
س: منگنی کتنے عرصے رہی؟
ج: بات کچی ہو گئی تھی تقریباً پانچ ماہ تک۔ (زیادہ انتظار دیکھ کر تپڑا)
س: منگنی اور شادی کی درمیان مدت میں روبرو یا ٹیلیفونک ملاقات ہوئی؟
ج: شادی سے پہلے فون پر بات ہوئی تھی۔ (مقرر شو ہر تو کبھی ہار نہیں سکتا)

س: یتیم کا سب سے سستا اور سب سے مہنگا شوق کون سا ہے؟
ج: تقریباً سارے ہی سستے شوق ہیں یا مجھے لگتے ہیں۔

س: گھریلو اشیا کی خریداری دونوں کی باہمی پسند سے ہوتی ہے یا جب جس کو جو شے پسند آتی ہے خرید لیتے ہیں؟

ج: یتیم صاحب کی پسند سے ہوتی ہے۔ مگر مری وزیراعظم جو ہیں۔

س: شاپنگ میں کن چیزوں پر زیادہ پیسہ خرچ کرتی ہیں؟

ج: اپنے حساب سے ہر مفید چیز اور ہمارے حساب سے اسے مفید سمجھنا ضروری ہے۔ (مسکرا کر)

س: آنیڈیل بیوی؟

ج: ہر شوہر کی کسک سے میری بیوی جیسی۔

س: کسی وجہ سے شاپنگ پر نہ جا سکتیں تو یتیم کی شاپنگ پر بھروسہ کر لیں گے؟

ج: بالکل کرلوں گا بلکہ اب تو عادی ہو چکا ہوں بھئی۔

س: آپ کی سالگرہ کا خاص اہتمام یتیم کی جانب سے اور ان کی سالگرہ پر آپ کی جانب سے کیا ہوتا ہے؟

ج: ہمیں تو اپنی سالگرہ یاد ہی نہیں رہتی یتیم صاحبہ یاد رکھتی ہیں اور کوئی نہ کوئی سوئٹ ڈش ضرور بناتی ہیں ورنہ کیک کا بندوبست کرتی ہیں اور میں ان کی سالگرہ پر ڈنر لے لے جاتا ہوں اور گفٹ دیتا ہوں۔ دونوں ہی حوالوں سے جیسا میری ہی جتنی ہے۔

س: ایک دوسرے کو کھانف دینے کے لیے کسی خاص موقع پر منتظر رہتے ہیں یا جب جی چاہو دیا؟

ج: جب جی چاہو وہی اپنی جیب کٹوائی۔

س: ان سے ہمدردی محسوس ہوتی کیا ہاں؟

ج: ہر شریف مرد اپنی بیوی سے ڈرتا ہے آپ لے لے کر شرافت کا مظاہرہ کرتے ہیں؟

س: بالکل بھی نہیں واقعی شریف آدمی ہوں لیکن دیتے ہیں

س: کون زیادہ وقت کا پابند ہے؟

ج: یتیم صاحبہ (سبک اپ جو نہیں کرتی ہیں)

س: اگر آپ کو اس ملک کا صدر بنادیا جائے تو سب سے پہلے کون سا قانون نافذ کریں گے؟

ج: غریبوں کے جائز حقوق اور قلعہ و بھود کے لوں نافذ کروں گا۔

س: ایک کامیاب بیوی میں کون کون سی خوبیاں ہائیں؟

ج: خوش اطوار، سمجھدار، خوش لباس، وقفا شعار، نرمی۔

س: آپ یتیم کی کون سی خوبیوں کے معترف ہائیں؟

ج: یہ تمام خوبیاں ان میں موجود ہیں۔

س: یتیم کی کون سی خاکی بہت ملتی ہے؟

ج: جب میری پسند کا لباس پہنیں۔

س: اگر میں اس کے فیصلہ کو سختی سمجھا جاتا ہے؟

ج: جس کا فیصلہ بہتر ہو لیکن عموماً فیصلہ کا اختیار ہاتھ میں ہے۔

س: کیا سمجھتے کہ بغیر ازدواجی زندگی لیے گزار دی جاسکتی ہے؟

ج: سمجھتے کہ ساتھ ہی کامیاب زندگی ممکن ہے۔

س: گھریلو ماحول خوشگوار بنانے میں آپ کی ہم داری کتنا اہم ہے؟

ج: جتنا میرا کردار ہے۔ (آپ کا قلم شاہ اللہ



جمادے شہرانی سینے سے انکار کر دیا تاہن اپنے چھ فٹ دو انچ سے نکلتے ہوئے قد وقامت اور اساتذہ... کی وجہ سے وہ سوٹ میں بھی سب سے نمایاں اور خوب صورت لگ رہا تھا۔ کراچی کی حالات نے اتنا ڈرا اور سہا دیا ہے کہ سب کی متفرقہ رائے تھی کہ نہ مگر سجایا جائے ڈنگا کی جبکہ دونوں بہن بھائیوں کی مرتبہ یہ سب ہوا تھا۔ تھی کا ڈی جیٹو کا مطلب تھا چروں اور ڈاکوؤں کو دھت... آئینل جیل مار۔ بلکہ پہلی مرتبہ ایسا ہوا کہ حاد کو دوست گاڑی چلا رہا تھا اس کے ساتھ گاڑی بھی بیٹھا ہوا تھا تھانواروں سے گیس۔ یوں لگ رہا تھا بیٹے نہیں دہن کو اغوا کرنے جارہے ہیں۔ بیو بیٹی، نوایاں اور پوتیاں شرارے میں چھب دکھاری ہیں اور ساڑی میں بھول سب کے میں بھی ”قیامت“ لگ رہی تھی۔ (میاں نسو) ”کہنے میں کیا حرج ہے۔“

بروقت میچنگ لان پچھے بے حد خوب صورت اعلیٰ انتظام، بہترین کھانا میری چوٹی بہو ”سجراتی“ ہے اس لیے سادگی خلوص اور انکساری نمایاں تھی۔ دہن سرخ اور ہرے استرجاز کے شرارے میں خوب صورت لگ رہی تھی اور بلیک سوٹ میں حاد کی توشان



کی عمر سے بکھر رہی ہوں لیکن پاکیزہ میں اب کرا کی ہے جبکہ بچپن ہی سے میرے زیر مطالعہ رہا اس لحاظ سے خود کو دنیا کی خوش نصیب ترین ماں قی ہوں کہ میری تینوں اولادوں نے ہر میدان اپنی قابلیت کے چمکے گاڑھ کر میرا سرخسے کر دیا ہے۔

بیٹی اور داماد ”ڈو“ سے فارغ التحصیل فیصل نے بی اے سے ایم بی اے کرنے کے بعد Notre Dame یونیورسٹی سے ایم بی اے کیا اور اب ”فلک پل ڈیکڑ“ میں ڈائریکٹر ہے۔ کم عمری اور یہ ہمدہ..... اور چھوٹا حماد lums لاہور سے پڑھ کر اب اسی یونیورسٹی سے ایم بی اے کر رہا ہے۔ امریکا میں جہاں سے بھائی نے کیا تھا اور ماشاء اللہ 2012ء میں اس کو ڈگری مل جائے گی اور ساتھ ہی اس کی deloitte کمپنی میں نوکری بھی ہو چکی ہے۔ پھر بی بی بیو ایم بی اے امریکا سے اور چھوٹی ڈاکٹر پاکستان سے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ میری دونوں بھولوں کا نام فرج ہے۔

23 دسمبر کو بعد نماز جمعہ نکاح اور اسی دن جوینک لان میں شادی تھی۔ میرے اصرار کے باوجود



شادی میرے گھریلو

سلطی غزل

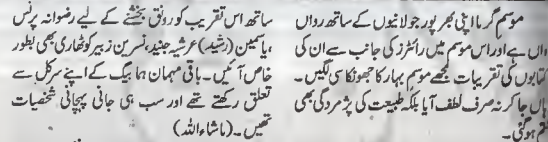
ماؤں کی ساری زندگی اولاد کی تعلیم و تربیت اور پھر اہلی خوشیوں کے لیے دعائیں کرتے کرتے لڑکی کی شادی ہو تو خوشیوں کے ساتھ ساتھ جدائی کا دکھ بھی ہوتا ہے اور لڑکے کی ہوتو کچھ پانے کا احساس دگ دپے میں بجلی سی بھر دیتا ہے اور اس احساس سے میں دوسری مرتبہ دو چار ہو رہی تھی۔

میں بڑی بیٹی ڈاکٹر لکھنیاں اور پھر بیٹے فیصل کے فرض سے سکدوش ہو چکی تھی اور اب باری تھی سب سے چھوٹے بیٹے حاد کی جو Notre Dame یونیورسٹی سے ایم بی اے کر رہا ہے اور 23 دسمبر 2011ء اس کی شادی طے تھی۔

میری خوشیوں کو چار چاند اس وقت لگ گئے جب صبح پانچ بجے حاد نے اور رات 9 بجے فیصل نے

میں تمھارا سا اپنا تعارف کرادوں سلطی غزل۔

انخبم انصار



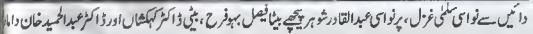
مکمل تقریب امری بہت ہی سیکڑ معصنف اختر بیگانہ کی بھی کتابوں کے مجموعے امریکائی کے سلسلے میں آتش بسلسل میں ہوئی۔ اس تقریب کے مہمان خصوصی میل الدین خان تھے۔ جن مہمانوں نے کتاب اور مصنفہ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ان میں حافظ کنویری پورہ، فضل حیدر، کنیر سوزہ، فاطمہ شریعہ اور آپ کی باہمی انجم انصاف۔

صاحب صدر نے مختصر اس کتاب اور کتابوں کی تحریک کی۔ اختر بیگانہ نے اپنی فہمت اور سادگی کے لیے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

اس تقریب کی تلاوت و حمد و ثناء کی سعادت سعد الدین سعید کے حصے میں آئی۔ ہا جیک نے منظوم روانہ عقیدت پیش کیا۔ اس محفل کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں محمد عزا و رسول نے شرکت کی۔ ان کے ساتھ

دو دن بعد ہی دوسرے تقریب وائس لائبریری میں تھی۔ یہ رضوانہ پرنس کی چوتھی کتاب اور پہلے ناول قرتوں کی دوری کے سلسلے میں تھی۔ اس شام میری طبیعت خاص طور پر ہمارا تھی۔ مگر مجا ضروری تھا۔ راسل محبت کرنے والے لوگوں کی خوشیوں میں شریک ہو کر اپنا لٹکا ہے جیسے وہ خوش اپنی خوش روزگاری میں تھی بھی خوشیاں آئیں جا ہے وہ کبھی حوالے سے آئیں وہ دل کو ایک عجیب سی طمانیت عطا کرتی ہیں۔ اس لیے میں ہمیشہ دعا بھی مانگا کرتی ہوں، یا اللہ بے حساب خوشیاں عطا فرماتا۔ اور اس خوشی بھری تقریب میں بہت ساری مصنفات سے مل کر کچھ قطعاً بھول گئی۔ کہ ان دنوں میں سر ادائیں پرانے میں قطعاً بھول ہوں اور میرے پورے نکم میں شریعہ درود ہے۔ بہر حال میں بفضل خدا نیکوں اور اس کی ایک وجہ رضوانہ

محبت ہے۔ نیکون جون 2012ء



25 دسمبر کو ولیمہ تھا اور اسی دن کراچی میں عمران سب کی حیرانی دیکھنے والی ہوتی۔

خان کا جلسہ..... ڈور اور خوف کے ہنگامہ نہ ہوا جائے
 کرچی کی روایت ہے۔ اس لیے روزے اور نقیض
 مان کی عیسٰی مگر اللہ کے کرم سے سارے مہمانوں نے
 اس کے گھر میں خوشیوں کو چاؤ چاند لگا دیا
 سوائے اس کے کہ میری سہیلی نے اسے دلوں کو گدس
 کی وجہ سے بردت نہ پہنچنے کے خاص واسطے سے میری

یہ تقریب اس لحاظ سے میرے لیے یادگار تھی
 آج ہم دونوں مہمان، یعنی اپنے آخری فرس سے بھر
 سکدش ہو گئے تھے اور اس کے لیے میں اپنے شریک
 حیات کی بھی ممنون تھی کہ جن کے تعاون اور ہمدانی
 کے بغیر ایسا ممکن ہی نہیں تھا اور اگر یہ عید اور ہمدانی
 بھی جنہوں نے میں سے ہونے کا فرس نبھایا۔

بہنیں اور ان کی بیٹی..... اس عرصہ میں نے دولہا،
 دہن کو اپنے ساتھ ہی مہمانوں کے استقبال کے لیے
 کھڑا کر لیا تھا۔ آج حاد کا سوٹ مگرے اور فرح کا
 آف وائٹ مہیڈا اور سری گرین کا شیشیخا شرابو تھا۔
 دونوں پر اعتماد، مطمئن، خوب صورت اور خوش لگ
 رہے تھے اور سب سے مل رہے تھے اور میری کال ہیں
 بلائیں لینے نہ شک رہی تھیں۔ میرا بڑا بیٹا بہو، دادا
 بیٹی اور رشتے دار مہمانوں کی آؤ بھگت میں
 مصروف تھے۔ میرے دونوں سوتیلوں نے بھی صبح
 فیملی شرکت کر کے مجھے منوں کرویا مزے کی بات ہی
 تھی کہ میری بیٹی جو دونوں بھائیوں سے بڑی ہے اپنی

اور اب ہم دونوں میاں بیوی اس بڑے سے
 گھر میں "کلی ڈھڑا" کھیل رہے ہیں گھر خوش ہیں کہ
 پہلی جنوری کو فیصل منو بیٹی کے امریکا چلا گیا خیرہ
 سے اور 13 جنوری کو "حاد" چلا گیا اور انشاء اللہ
 جاب اشارت ہوتے ہی ہم اس کی بیوی کو بھی روانہ
 کر دیں گے جو یقیناً میاں کے بغیر اس سے بچے
 جون 2012 کے آخر میں۔ قارئین سے التماس ہے
 کہ میرے بچوں کی دائمی خوشیوں کے لیے ضرور
 کیجیے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کی چیز اور گہرا پرانی رشتہ
 سایہ ای طرح قائم رکھے اور میرے گھر کو بری
 سے بچائے۔

خوب صورتی اور اساتئیس کی وجہ سے چھوٹی لگ رہی
 284۔ ماہنامہ پاکیزہ۔ جون 2012ء



دائیں سے شکستہ فیض، عدنان صدیقی، جمیل ہم کی مول شیدہ، انجم انصار اور رضوانہ پرنس

قربتوں کی دوری

رضوانہ پرنس

کانیا ناول
شانوہو
جگاہ
قیمت
350 روپے

کتابیات پبلی کیشنز
76800 10000 کیش ان کی ویب سائٹ پر
35802551 021-35804300
ktabiat197@yahoo.com
17/23/23 74200

خوشیاں ہماری اپنی ہیں اور آپ ہمیں اب رضوانہ پرنس
تقریب کو رخ چوہدری کے قلم سے بھی پڑھ لیں۔

دور کی میں قرب

اب تو کان ترس جاتے ہیں کسی دعوت نامے
سننے کے لیے اور ایسے میں جب رضوانہ پرنس اپنی
ہوئی آواز میں اپنے نئے ناول قربوں کی دوری کی
اختصاصی تقریب کی دعوت دیتی ہیں تو ایک دم عجیب
خوشی ہوتی ہے کہ جیسے عرصے بعد وعدہ چھٹی ہو
دوسرے رضوانہ کا محبت بھر اصرار اب انکار کس سے
کہیے ہو۔ لہذا ”نار“ چھوڑ بھائی ویشان کا جب ذکر
تو چوہدری صاحب حسب توقع انہوں نے فرمایا۔
”اے اے پاپلے بیٹا تھا تھا فلاں سے فلاں میٹنگ ہے
خیر انہوں نے ہمیں سن سٹیک چھوڑا گاڑی لے

اڑے۔ اب ہم رضوانہ سے موبائل پر راستہ پوچھ
رہے۔ یہ پیمانہ اچھی ذرا تیر رہے مگر پھر بھی گھر پر ہی
رضوانہ نے اچھا گاڑ کیا اور ہم لوگ جب ان کی تقریب
میں پہنچے تو پتا چلا کہ رضوانہ نے درست کہا تھا۔ تقریب
بہت بڑے پیمانے پر منعقد ہوئی تھی۔ ندی بدیعوں کی تعداد
زیادہ پھر بھی سادہ سی پڑوکاری تقریب میں بہت غلط
اور انہایتی کی نفی سے ماحول کو تنہا رکھا تھا۔ تقریب
کی دکن یعنی رضوانہ پرنس نے دائیں شرٹ اور سر
چوڑی دار پا جامہ زیب تن کر رکھا تھا۔ لب و لہجے میں
”مم“ کا استعمال کرتی تھیں جو ان پر بہت سوٹ کر
ہے۔ اس پر ان کی کزن کپتیز..... شکستہ ویشان نے اور
کوشنڈا کو ادب و کرم کے کران کو واقعی شہزادی بنا دیا
رضوانہ پرنس کی شخصیت کی نمایاں چیز ان کا بھولینا
اچھا اخلاق ہے۔ مجھے تو جب وہ رخ میرا بیکہتی ہیں
مجھے واقعی میرا ہی ماں لگتی ہیں جن کے ہاتھ چوم لینے
دل چاہتا ہے۔ اس وقت انہوں نے مجھے میرا بیکہ کر
ساتھ لگایا تو اس بات پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ ہم آگئے۔

پرنس کی یہ خوب صورت تقریب بھی تھی۔ جس کے
مہمان خصوصی دوست محمد فیضی تھے۔ اس تقریب میں
سب سے طویل گفتگو محترمہ عذرا رسول کی رہی۔ انہوں
نے اپنی الہیہ بہت سی یادوں اور بہت سی باتوں کا ذکر
کیا اور رضوانہ پرنس کو ایک اچھا رائٹر قرار دیا۔ تقریب
میں جن مہمانان کرام نے رضوانہ پرنس کے ناول اور
ان کی شخصیت کے بارے میں رائے دی ان میں عذرا
رسول کے علاوہ رخسانہ ہام زہرا، منورہ، وئی وی آرٹ
عدنان صدیقی، رضوانہ، ایک دیوانی، صاحبہ صدر
اور آپ کی باجی انجم انصار۔ کپتیزنگ رضوانہ کی ایک
کزن شکستہ نے کی۔ منظوم خراج عقیدت، ہمایک اور
شکستہ فیض نے پیش کیا۔ سعیدہ باجی نے بہت خوب
صورت آواز میں نعت رسول مقبول پڑھ کر ایک سال
باندھ دیا۔ اس تقریب کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ
اس میں جمیل ہم کی دوسرے ناول مول شیدہ صاحبہ نے بھی
شرکت کی اور ان کا پڑھنے سے منع کر کے ساری کارروائی
سامنے بیٹھ کر دیکھی۔ سب سے زیادہ تالیاں عذرا رسول
کے خطاب پر بجائی گئیں کہ ان کی گفتگو باتیں لوں
واقعی مسکراہٹوں کے پھول کھلا دی کرتی ہیں۔ رخ
چوہدری، سائرہ غلام نبی، میرسا، نزہت اصغر،
پاکستان رشید، سرین زہیر کوٹھاری، عرشہ جیل، عظمیٰ طارق
سے ل کر دلی خوشی ہوئی۔ رضوانہ پرنس اپنے معصوم
پہرے اور کمرے لوں کے ساتھ اچھا پڑھی اور بعد
میں شہرے ادا کرتی نظر آئیں۔ اس تقریب کی رواد
آپ رخ چوہدری کے قلم سے بھی پڑھیں۔ ہمایک اپنی
والدہ کی تقریب کی کوٹنگ اور تصاویر میں اس وجہ سے
نہیں بھیجیں کہ اکثر بیگ نہ گھر میں کر جانے کے باعث
ایک طویل آپریشن سے گزر کر فارغ ہوئی ہیں اور ہونہ
اپتال میں ایڈمٹ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت ملی عطا
فرمائے اور مزید خوشیاں عطا فرمائے۔ جن کا احوال
ہم اپنے با کیزہ میں شائع کر رہے ہیں کہ آپ کی یہ



رضوانہ پُرس، دوشیزہ کی منزہ سہام اور دیگر کمیلیوں کے ساتھ

ہیں، میں ان کے بارے میں لکھ ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ بھتیوں کے تمام رشتے احترام کے تمام نامے ہیں میرے ان سے۔ ایک دنیا آپ کی مداح ہے۔ قارئین پلیز اپنی اپنی جماعتوں کو اسٹاپ کہہ کر روک دیں کیونکہ رضوانہ پُرس نے اپنی اس غیر رسمی مہمانی کا غیر رسمی آغاز کرتے ہوئے کہا، ”مجھے عذرا انجمن آپ اسٹیج پر ملیں۔“ یوں اللہ تعالیٰ کے اہم پاک سے اللہ تعالیٰ کا آغاز ہوا تو خواتین کا ازی پرانم سے سر اٹھا کر پھر سعیدہ بانی نے بہت خوب صورت نعت پڑھی۔ تو کھلتے دیشان نے کمپیئرنگ کے فرائض نبھائے اور انہوں نے دل کھول کر اپنی کزن کی تعریف کرتے ہوئے ان کو شہزادی کا اعزاز دیا اور اس بات پر ہم بعد کھلتے سے ”سمت“ ہیں۔ دیکھا پڑی وائرس کے اثرات۔ ہماری پیاری اردو کا پیارا لفظ ”مشتق“ ہیں۔

سب سے پہلے رضوانہ سہام شریف لائیں تو ان

کے چاہنے والے تو چاہتے تھے کہ دیر تک بولیں مگر انہوں نے مختصر مگر جامع کے فارمولے پر عمل کرتے ہوئے انتہائی مناسب خوب صورت انداز میں رضوانہ پُرس کی تحریر کو سراہا اور چلی گئیں اور پھر دل قمام لیجیے کہ باری ”عذرا رسول“ کی آنی اور عذرا کو دیکھنا سنا دلوں اچھا لگتا ہے۔ (اچھا لگتا ہے) یہ سیریل بھی جلد ہی آپ دیکھیں گے۔ فیصلہ کر دیا ہوتا ہے کہ وہ زیادہ اچھا بولتی ہیں کہ زیادہ اچھی دیکھتی ہیں۔ ہمیں تو دونوں انداز اچھے لگتے ہیں عذرا چونکہ صاحب کتاب کی کزن بھی ہیں۔

مگر رشتے سے بہت کرا انہوں نے رضوانہ کے لیے جو کہا کچ کہا کچ کے سوا کچھ نہیں کہا۔ انہوں نے کہا کرویسے تو پوت کے پاؤں پالے میں نظر آتے ہیں مگر رضوانہ کے پاؤں سہمی میں نظر آتے ہیں۔ ”اور خوب... نظر آتے ہیں کہ ان چند سالوں میں انہوں نے چار کتاہیں اپنے قارئین کو دی ہیں۔ اللہ کرے زور قلم

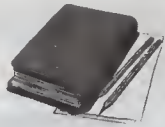
اور عزت سے محروم رہ جاتے۔

دوست محمد یحییٰ صاحب ہرادی تقریب کا حصہ ہیں اور خوب ہیں، البتہ عدنان صدیقی کو دیکھ کر حیرت ہوئی۔ نیچے رضوانہ پُرس کی محفل کے آجکل میں ڈیسروں تارے چمک رہے ہیں مگر لگتا ہے پھر بھی میری طرح آپ کو محفل ذرا چمکی چمکی کی اور خاموش سی لگ رہی ہے اور ہماری اس سوچ کے ساتھ ہی پاکیزہ کی روح رواں عذرا رسول اندر آئیں تو پھر جیسے چرخوں میں روشنی نہ رہی۔ عذرا رسول کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کے بارے میں (سامعہ) ناظرین میں جگ جگ شروع ہوجاتی ہے کہ ہم عذرا دیکھیں یا ان کو سنیں اگر ان کے حسن میں کھوجاں ہیں ان کی بات سمجھ میں نہیں آتی اور جوان کی فی البدیہہ سنیں تو لفظ اور بھی خوب صورت ہو جاتے ہیں۔ چمک کلر میں اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ انہوں نے سب کو ساتھ لگا کر حال پر چھا۔

”اور چمکے کھنے والی رخ تھہرا افسانہ ابھی آدھا چڑھا ہے۔“ ہم نے سانس روک لی کہ جانے کیا کہیں۔ کہا جاتا پڑھا اچھا ہے۔ باقی پورا پڑھ کر بتاؤں گی۔ اف عذرا مئی اور بے افسانے کی ادا اور تعریف کے بعد کیا میں پوری تعریف تک سانس روکے رکھوں اگر آپ کو بقیہ افسانہ پسند نہ آیا تو... ویسے قارئین عذرا سے پوری تعریف سننے کا ایک آسان طریقہ ہے۔ میرے ذہن میں، ہم رضوانہ پُرس سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ قاف اچھا سنا دال لکھ کر اس کی رونمائی کی تعریف منتقل کریں تاکہ ہم اپنی روکی ہوئی سانس لے سکیں۔ دیکھیں انجمن میں نے آپ کا نام بھی نہیں لیا اور سب مہمان جان گئے کہ اس خوب صورت سی محفل میں جو کئی سی ہی وہ قاری انتہائی اچھی اور اہم انصاف تھی۔ انجمن بیحد مجھے منع کرتی ہیں۔ ”بنا سیرت بارے میں کچھ نہ لکھا کرو۔“ تو دیکھ لیجیے انجمن شیک کئی

رشیدہ ”جھمی“ ڈال کر ملنے کی بات ہی اور ہے۔ ڈیزر منزہ پہلے سے زیادہ حسین اور اسارت نظر آئیں۔ ماشاء اللہ اپنے بیٹوں کے ساتھ کھڑی ہوں تو ان کی چھوٹی بہن لگتی ہیں۔ منزہ ماشاء اللہ اپنا اتنا ہی خیال رکھیں کہ بھڈوں کی بھی چھوٹی بہن ہی لگیں، آئین۔ ان کی آنے والی (بھڈوں) سے معذرت۔

اپنی پیاری دوستوں ساڑھ غلام نبی اور سید رضا کو دیکھ کر ہمت خوش ہوئی۔ بیان سے باہر ہے۔ لیجیے تقریب کے مہمانان گرامی آکر رہے ہیں۔ ہماری پیاری رضوانہ پُرس خوش رنگ لٹی کی طرح اڑتی پھر رہی ہیں۔ اس تقریب کی خاص بات یہ بھی کہ رضوانہ کے بھائی مسلم بھائی، شاہین، اور اسد بھائی۔ جن کے بارے میں رضوانہ نے لکھا کہ جب وہ دنیا میں تشریف لائے تو انہوں نے بھائیوں کے ساتھ مل کر ان کو سمندر میں بھیجنے کا سوچا تھا۔ جب بچپن گزر گیا تو یہی بھائی عزیز از جان ہو گیا ہے، ہے نا رضوانہ..... یہ بھائی ہوتے ہی عزیز از جان ہیں تو اس تقریب میں ان کے بھائیوں، بھائیوں اور اہلی جان نے بھی شرکت کی بڑا ریہہ ایکپ ایک لڑکی جس کا نام میں بھول رہی ہوں۔ وہ ایکپ کو مایوس کرنے پر مامور ہے۔ رضوانہ بچوں کی طرح خوش ہیں اور بار بار بھائیوں سے پوچھ رہی ہیں۔ ”بائیں ابھی سب آکر ہے۔ یا بیٹا ذرا اسکرین کارڈ کی طرف کرنا تاکہ اسٹیج کی کارروائی سب کو نظر آئے۔ دیکھیں سب لوگ آئے ہیں، میرے سب دوست میری خوشی میں شریک ہوئے رضوانہ پُرس واقعی بچوں کی طرح بول کر درد پیٹنے اپنے بھائیوں کو اپنی خوشی میں شریک کر رہی ہیں اور ساتھ ساتھ سب سے دل سے ان مہمان کو اپنی محبت، خلوص اور دلہنا سہیت سے رانے ہیں کہ وہ دوسرے کو احساس ہو جائے کہ ہاں میں بھی ان کے لیے سب سے اہم ہوں اور اگر اس محفل میں شریک نہ ہوتے تو ان کی محبت



پاکستان کی عظیم آفاق سعید

حمد باری تعالیٰ

صنعت گری ہے جس کی زمانے کو ناز ہے
اس کے حضور میری جنین ناز ہے
جب کن کے در حرف کو دکھا تو یہ کھلا
دروازہ جلوہ گاہ وہ عالم کا باز ہے
ظاہر ترا جمال ہے، اسے رب کائنات
تیرے کرم سے میری نظر پاکیزا ہے
اب دل میں کوئی ہے صدا ”اللہ“ کی
روشن حرم غم میں چراغ نماز ہے
جلوے خدا کے حسن خدائی ہیں اور کیا
اخبار کائنات تجھ لائے ناز ہے

مرسلہ: سز فرح امجد، ٹاؤن شپ لاہور

نعت رسول مقبول ﷺ

دل میں آقا کی محبت چاہیے
عشق نبوی ﷺ میں صداقت چاہیے
زندگی اس کی ہے جو ان کا ہوا
ہر عمل میں ان کی سیرت چاہیے
نعت کے لکھنے کی خاطر اے خدا
حرف پہ لفظوں پہ قدرت چاہیے
میں غلام ابن غلام ابن غلام
مجھ کو بس آقا سے نسبت چاہیے
ان کی سیرت سے ہو وابستہ حیات
زندگی کو وہ حقیقت چاہیے
رحمتیں بس رحمتیں بس رحمتیں
رحمت عالم کی رحمت چاہیے

☆☆☆

اور زیادہ آئیں۔ جب دوست محمد فیضی صاحب آئے تو
تو قہقہے کی کردہ اپنی مزے دار باتوں سے ہر ایک مایک
پر کھڑے رہیں مگر انہوں نے چند باتیں کی اور ان
کی شوخ باتوں نے فضا کو خوشوار کر دیا۔ اس تقریب کی
سب سے خاص بات اور خاص مہمان فیضی صاحب
کے بھانجے 6 سالہ عرتے جنہوں نے علامہ اقبال، میر
جیسے استاد کے اتنے مشکل شعر جن کو اردو ادب
پڑھنے والی زبان کی باطلا بایاں کھا جایا کرتی ہے
اس نغمے کو ان سے پکارے انداز اور آواز میں سنا ہے
کہ سب کو ان پر پیارا آگیا۔ اللہ کرے کہ ہر گھر میں عمر
میں جیسے استاد کو پڑھنے والے عہدوں۔ ورنہ تو آج
کے بچے عارفِ اسلم کی شاعری یاد کرتے اور گاتے نظر
آتے ہیں۔

پھر عدنان صدیقی آئے انہوں نے آتے ہی
کہا۔ رضوانہ صاحبہ میں سے آپ کا یہ ناول پڑھا نہیں،
اس لیے رائے نہیں دے سکتا مگر رضوانہ پرس تپ
گئیں۔ چل جھومنے تم نے یہ ناول پڑھا ہے۔
موصوف بے حد تھے کہ نہیں پڑھا۔ دو دلی کی نوک جھونک
چلتی رہی۔ رضوانہ بی آپ نے ناول ان کو نہیں دیا تھا
ناں ای لیے انہوں نے پڑھنے سے انکار کر کے بدل لیا
ہے۔ عدنان بھادونٹ درمی مول شہید بیاری خاقان
ہو سکتا ہے آپ کو اسی ڈرامے میں ہیرو کا ست
کر لیں۔ سب سے آخر میں ہماری انجم آئیں۔ تو
دل چاہ رہا تھا کہ ان کے خوب صورت کچھ میں ڈھلے
الفاظ کو ڈیر مارا اور دیر تک سنا جائے مگر انہوں نے
اجتناباً وقار کے ساتھ کہا کہ رضوانہ بہت اچھی لکھاری
ہیں۔ انہوں نے دیر سے لکھنا شروع کیا ہے اور چونکہ
گفتہ نے رضوانہ کو شہزادی قرار دیا ہے اس لیے
انہوں نے تمام حاضرین کو شہزادے اور شہزادیوں قرار
دے کر کہا کہ ظاہر ہے شہزادی کی محفل میں ان کے ہم
پلہ ہم مہمان بھی آئیں گے۔ اس تقریب میں ہمیں

رحمتوں کے سائے میں زندہ رہوں
مجھ کو یارب ایسی قسمت چاہیے
شاعر: حسن علوی
مرسلہ: امینہ عنایہ، سلاواٹانی

توبہ کے دار

ہر روز سورج طلوع ہو کر غروب ہوتا ہے تو
وہ اللہ کے پاس جا کے توبہ کرتا ہے اور اجازت طلب
کرتا ہے دوبارہ طلوع ہونے کی پھر ایک دن ایسا
آئے گا جب اللہ تعالیٰ اسے طلوع ہونے کی اجازت
نہیں دیں گے تب جو لوگ فجر کی سنتوں کا انتظار
کر رہے ہوں گے وہ سمجھ جائیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی
قدرت دکھا رہے ہیں اور جو لوگ غفلت میں ہوں گے
وہ رات سمجھ کر بچھو جائیں گے۔ یہاں تک کہ سو سو کر
تھک جائیں گے تب گہرا کر انہیں کے پھر تین دن
کے بعد سورج طلوع ہو گا مگر غریب سے اور یہ وہ وقت
ہو گا جب توبہ کے در بندہ کر لے جائیں گے۔

(صحیح بخاری جلد 2 صفحہ 709)

مرسلہ: صدف اعف، کراچی

منہ سے نکلی بات

ایک شخص امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیقؓ کی
خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ میں نے
خواب میں دیکھا کہ ایک چھوٹے سوراج سے بڑا
تیل لٹکا ہے اس نے ہر چند چاہا کہ دوبارہ سوراج میں
جائے نہ وہ نہ جا سکا۔ آپؓ نے تاویل میں فرمایا کہ وہ
تیل ”بات“ ہے جب منہ سے نکلتی ہے تو پھر ایسے نہیں جاسکتی۔
از: فرحت امجد، بخش جدید، فیئر 1 کراچی

ڈیڑ پا کیزہ قارئین! السلام علیکم، میں آپ کے لیے انجلی سبھی لیکن آپ ساری بھینس میری اپنی ہو۔ آپ بھی حیران ہو رہے ہوں گے کہ میں کون ہوں چلیں! میں اپنا تعارف کروا رہی دیتی ہوں۔ میرا نام شازیہ ہاشم ہے۔ میرا تعلق ضلع قصور کے قافون۔۔۔

ہے۔ حساس بھی بہت ہوں ہر کسی کا دکھ اپنا دکھ لگتا ہے۔ پاکستان کی حالت دیکھ کر دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ ارض پاکستان کو قائم و دائم رکھے اور نظریہ بد سے بچائے۔ میں بس اپنے پا کیزہ کی پیادری اور پھول جیسی قارئین کو یہ پیغام دینا چاہتی ہوں کہ ”ہر کسی کے ساتھ محبت اور غلوں سے چیں آؤ کیونکہ یہ فاصلوں کو کم کر دیتا ہے۔“

شازیہ ہاشم، ضلع قصور
ہم لوگ
ہم لوگ جنت میں جانا چاہتے ہیں پر مسجد کیوں نہیں جاتے۔ رشوت تو دے سکتے ہیں پر عریض کو کھانا کیوں نہیں کھاتے۔ غیبت تو کر لیتے ہیں پر اچھے کام کی تبلیغ کیوں نہیں کرتے۔ گانے گاتے ہیں درد کیوں نہیں پرستے تمہیں کی فلم تو دیکھ سکتے ہیں پر دس منٹ کی نماز ادا کیوں نہیں کر سکتے۔ سوچنے کا ضرور۔۔۔؟

از جنہیں ہاشمی بھیرہ

نظم

شام کے تلخ اندھیروں میں
میری ٹیکل، دوستوں کے دیے ہوئے
تجھوں، پھولوں اور کارڈ سے بھری ہے
سنانوں میں پھولوں کی خوشبو اب تک
کمرے میں پھیلی ہے

لیکن دل او اس ہے
میں نے پھولوں کی ویسوی شاخ
دراز سے نکالی جو ٹیکل سا لگ رہا
وسیتے ہوئے تم نے کہا تھا
اس کے سر مجھانے سے پہلے میں لوٹ آؤں گا
میں نے اپنے نشہ سے تھوڑے تھوڑے
محبت کی اس سر مجھاتی ہوئی شاخ پر رکھ دیے

اور تمہیں سمجھ کر
تمام در و قدام آنسو اپنے اندر اتار لے
شاعرہ: پروین عذر رشید، کراچی

کالی صرچیں

☆ سورج اور بیوی میں ایک بات مشترک
ہے۔ دونوں کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا جاسکتا۔
☆ شادی..... ایک ایسا بندن ہے جس میں دو
شریف آدمیوں کو خواہواہ پس میں لڑنے پر مجبور کر دیا
جاتا ہے۔

☆ شادی..... درد دل کا علاج ضرور ہے لیکن
اس سے بہت سے درد سر لے پڑتے ہیں۔
☆ شادی محبت کا نام ہے اور محبت اندھی ہوتی
ہے اس لیے ایک ایسا اوارہ ہے جو اندھوں کے لیے
قائم کیا گیا ہے۔
☆ محبت چار حروف اور دو احمقوں پر مشتمل
ہوتی ہے۔

☆ اس کام کو کل پر نہ لائیں، جو پروں ہو سکتا
ہے۔
☆ محبت ایلو پھنک میڈیسن کی طرح ہے جو
ایک پریشانی ختم کرتی ہے تو دوسرے پیدا کرتی ہے۔
☆ اپنے کرتوتوں کا نظریاتی جواز پیدا کرنے کا
نام غلامی ہے۔

از: عفت شعیب، پنجاب

غزل

بہت او اس سے گتے ہیں ہام و در جانان
گیا ہے آج تجھے کون چھوڑ کر جانان
اب تو اٹھوں سے بھی راتی ہیں آنکھیں میری
جسمی پھر تے ہیں میرے خواب در بدر جانان
لحہ بھر کو مجھے ملنے نہیں دیتا مجھ سے
کوئی رہتا ہے میری ذات کے اندر جانان

خوشی کی دھوپ جھلنے بھی نہ دے گی مجھے
میرے سر پہ ہے تیرے بھری چادر جانان
آج شب تین کو تیریں کی کرن پھر آنکھیں
دہی گزرے ہوئے لمحات سوچ کر جانان
شاعرہ: مہناز کرن، پشاور

کیا دھوپ میں بارش ہوتی ہے

جب میں نے اس سے پوچھا تھا
کیا دھوپ میں بارش ہوتی ہے؟
وہ ہنستے ہنستے رونے لگی
اور دھوپ میں بارش ہونے لگی
وہ ناؤ کی سی سر جھانکی
اور دور رکھ کر کہنے لگی
تم چھوڑ نہ جانا اوسان
دل تو زندہ جانا اوسان
تم کیا جانو دھوپ کی بارش؟
تم کیا جانو بھر کا غم
جب تم دور تھے مجھ سے اوسان
میرے ہاتھ کی چوڑی اور نگین
جب گیت تہارے گاتے تھے
مجھے یاد بہت تم آتے تھے
میں ہنستے ہنستے رونے لگی تھی
اور دھوپ میں بارش ہوتی تھی

مرکز: امینہ عذیب، سلاوالی

خوب صورتی

☆ آپ کے جسمانی غدو خال کی خوب صورتی
سے بڑھ کر آپ کا رویہ خوب صورت ہونا چاہیے۔
یہ مجھوں اور تصاویر سے بڑھ کر آپ کے لیے خوشی کا
سامان مہیا کرے گا کیونکہ یہ ایک بہترین نم ہے۔
☆ ہم خوب صورتی اور سن کی تلاش میں دنیا
کی خاک چھانتے رہتے ہیں۔ حالانکہ یہ ۷۰، ۷۵، ۸۰
ماہنامہ بابکیرہ۔ جون ۲۰۱۲ء



جلت رنگِ افسردہ

یادوں کی مالا پرومیں گے ہر دم
شاعرہ: خالدہ نسیم بلندن

غزل

عشق کی چنگاریوں سے ہر خوشی جلنے لگی
وہ تسلی کیا کرے جب زندگی جلنے لگی
آج میرے حال پر کوئی بھی روئے گا نہیں
بے بسی سے بھی میری اب تو ہنسی جلنے لگی
ساتھ کیا دے گا کوئی جب ساتھ چلنا ہی نہیں
آرزوؤں کی خوشی کی ہر کٹی جلنے لگی
سکھایا، آہیں، خش اپنا مقدر میں نہیں
کیا بھی ہے پاس اپنے ہر خوشی جلنے لگی
اب کسی سے کوئی شکوہ نہ لگ کرنا بھی
آخری سانس ہیں اب تو روح بھی جلنے لگی

شاعرہ: سمیرا اشتیاق، قطر

دولت اور صحت

شخص سحری فرماتے ہیں کہ انسان بھی کیا چیز
ہے؟ دولت کمانے کے لیے اپنی صحت کھودیتا ہے اور
پھر صحت کو واپس پانے کے لیے اپنی دولت کھودیتا ہے
مستقبل کو سوچ کر اپنا حال ضائع کر دیتا ہے پھر مستقبل
میں اپنا نامی یاد کر کے روتا ہے جتنا ایسے ہے جیسے کبھی
مرتا ہی نہیں ہے اور مرایا جاتا ہے جیسے کبھی جا ہی
نہیں۔

انفارمہ شہزادہ حیات آباد پشاور

شعرِ مضمودہ

انگلش چور سے بولا نہ تیرے بڑی دلیری سے گھر
کی دیوار چھلا گئی۔ بڑی آسانی سے زیور چرایا اور بغیر
آہٹ کے رو چیکر ہو گئے۔
چور شرماتے ہوئے بولا۔ ”جناب اتنی تحریف
کر کے شرمندہ تو نہ کریں۔“
مرسلہ: دلفت مینن رنی، کراچی

موجود ہونی چاہیے اگر یہ ہمارے اندر موجود نہیں ہے تو
ہم اسے کیسے ہی نہیں پاسکیں گے۔

بنا ایسی زبان سے بڑھ کر خوب صورت کیا ہوگا
جو کرو فریب سے عاری ہے..... ایسے کانوں سے
بڑھ کر کیا خوب صورت ہوگا جو جھٹ آہنی باتیں سنتے
ہیں..... ایسی آنکھوں سے بڑھ کر کیا خوب صورت
ہوگا جو جھٹ دوسروں کی اچھائیاں ہی دیکھتی ہیں.....
ایسے مزاج سے بڑھ کر کیا خوب صورت ہوگا جو
دوسروں کو ناکوار نہیں کرتا..... اور ایسی خیرات سے
بڑھ کر کیا خوب صورت ہوگا جس سے دوسروں کی
بہت سی پریشانی اور مسائل حل ہو جاتے ہیں۔
مرسلہ: تانی چوہدری۔ آکسفورڈ یو کے

جدائی کا موسم

بہاروں کی رت میں جدائی کا موسم
ادا کی ہے دل میں آنکھیں ہیں پریم
نہ آنکھوں میں کابل نہ ہاتھوں میں بھرا
کہاں گم ہوئی ہم سے گیتوں کی سرگم
بہاروں کی آمد سے پھولوں کا کھلنا
موسم کی خشکی اور یوں دل کی رگم
چمک تھی نظر میں کروں کے ماند
مچ دم ہو جیسے پھولوں پہ شبنم
زمانہ محبت کا ایسے ہے گزرا
سمندر کی لہروں کا جیسے ہو سنگ
فسانے ہوئے اب مگر سچی حقیقت
تھا پتا نہی کہ نہ چھوڑیں گے ساتھ ہم
اجل نے ہے توڑا یہ بندھن وفا کا
رضا جو ہے تیری اسی میں ہیں خوش ہم
نہانی میں ہم کو محبت کی ریشیں
چھڑکے ہوئے دور پھر بھی ہیں باہم
نہیں کونہہ سکتے کبھوں میں کیاں

ماہنامہ پاکیزہ۔ جون 2012ء

بڑی مشکل ہے

پریشان ہو کر میں نے اپنا سر تھام لیا تھا.....
میرے ساتھ کیا ہوا تھا..... میری سمجھ میں کچھ نہیں
آ رہا تھا..... ٹانگ میں فریج پر ہوجانے کے باعث میں
چوتھے سے مسلسل بیڑ پر تھا..... چونکہ یہ فریج کراچی
میں ہوا تھا..... اس لیے میں اپنے بھائی کے ہاں
ایک کمرے میں مقید ہو کر رہ گیا تھا۔

ٹی وی کے چھل کو بھی اتنی باقاعدگی سے نہیں
دیکھتے تھے جتنے روم آرٹ ہونے کے بعد دیکھنے
پڑتے تھے۔ اور پھر یوں ہوا کہ جب میں ٹیک شاگ
ہو کر لا ہوا تو آتو مجھے ہر بات کے دو دو مطلب محسوس
ہونے لگے۔

ایسی بھی کوئی بات نہیں تھی کہ میں ہمیشہ سے
اس بچ پر سوچا جا محسوس کیا کرتا تھا۔ میں تو بڑا ابلا ابلی
سال لاکھا تھا..... جو بات کرنے سے پہلے ہی یک نہیں
دیتا تھا کہ کس سے، کیا بات کر رہا ہوں اور اب ہر
بات میں مجھے مختلف رنگ نظر آ رہے تھے..... جس
سے میں واقعی بہت گمراہ کیا تھا۔

ایک شام میں بڑی خالہ کے گھر گیا تو ان کی
بی بی بکرا سے والا پردہ ہٹا کر بولی۔
”اٹھاؤ..... آخر..... تم کب آئے کراچی
.....“
”بواؤ عمر میں مجھ سے دس سینے بڑی تھی.....
.....“
میرا نام لے کر ہی مجھ سے بات کرتی تھی۔ اور
اس نے یقیناً عام لہجے میں مجھ سے یہ جملہ بولا تھا مگر
میرے ذہن میں فلموں کا ایک سین ناچ سا گیا.....

جس میں ہیرن موتیوں کی مھاروں والا پردہ ہٹا کر
ساڑی کا پلنگہ سے سے گرا کر آتے ہوئے اپنے
گاہک نما مہمان سے کہہ رہی تھی۔ ”اودہ..... آپ
آگئے..... کتنے دن باہر رہے آپ شہر سے کچھ اندازہ
بھی ہے آپ کو.....“

”آھا..... آج آپ آئی گئے۔“
”خیر تمہارا دماغ خراب ہے..... ٹانگ
ٹوٹی ہوئی تھی۔ تو میں کیسے آتا لا ہور.....“
”گڑ بڑا
کرس میں بڑا ہوتا ہوا ہاں سے نکل گیا تھا۔

میری طبیعت پوچھنے کو بڑی امی آئیں تو
انہوں نے بتایا۔ ”اس اتوار کو شازہ کی کہ مٹھی ہو رہی
ہے۔ مگر لاکھائیں آ رہا..... میں نے تو کہا ہے کہ اس کو
بھی لے کر آئیں، ابھی تک لڑکا دیکھا نہیں ہے
ہمارے بھائیوں نے کراس کو ٹائم ہی نہیں مل رہا۔“

”ممائی جان دونوں فرائی مرلیں ہوگا..... سرخ
پھولوں سے اور تیز چمکنے والی چیزوں سے ڈرتا
ہوگا..... اگر بالفرض اس کے گھر والے زبردستی اسے
لے آئیں تو آپ عقلمند چیزوں سے اسے چمک
بھی کیسے گا.....“ میں ان کے بڑے زاویے دیکھ کر
بھی نہیں سمجھ پایا کہ انہیں میری باتیں ناگوار محسوس
ہو رہی ہیں۔

”ارے بسا..... ہمارا دادا دایا ہے کہ دیکھنے
دکھانے کے لائق ہے۔ ابھی تک ہمارے خاندان
میں تو ایسا کوئی نہیں آیا ہے۔ خاندان والوں کو تو
دکھانا ہی نہیں چاہیے۔ بغیر دیکھے ہی مل جل کر
کواس کرتے پھر رہے ہیں۔“

ماہنامہ پاکیزہ۔ جون 2012ء

ممانی کی بکواسیات سن کر ظاہر ہے مجھے چپ رہنا ہی تھا۔ بسا اور بھائی بھی کسی شادی سے آئے تو شرمیلے دولہا کی تعریفیں کرتے نہیں تھک رہے تھے وہ سہرا ڈال کر آیا تھا۔ اور مسلک نظر میں نیچی کیے منہ پر رومال رکے بیٹھا رہا۔۔۔۔۔ آج کل کے لڑکے ایسے کہاں نظر آتے ہیں۔۔۔۔۔

”بسایا۔۔۔۔۔ دولہا تبدیل ہو گیا ہوگا۔۔۔۔۔؟“

میرے ذہن میں چھوڑ کر داروں ہوا۔

”کیا مطلب؟۔۔۔۔۔ بھائی کی جتنی آکھیں پٹ چائیں کہ یہ تقریب اُن کی فیملی کی جس کی تعریفیں بھیا کر رہے تھے۔

”میرا مطلب ہے کہ سہرے کی آڑ لے کر وہ دولہا آ گیا ہوگا جو دلہن کو چاہتا ہوگا۔ اس نے اصل دولہا کو کہیں بے ہوش کر کے چھپک دوہا ہوگا اور خود تقریب میں سہرے کی آڑ لے کر آ گیا ہوگا۔“

”اختہ تمہارا دامخ خراب تو نہیں ہو گیا۔ پاگل تو نہیں ہو گئے تم۔“ اب میں اُن سے کیا کہتا کہ جو شخص زندگی میں پہلی مرتبہ اسنے ڈھیروں ڈھیر چیتو چھہ پھٹے تک مسلسل دیکھا رہا۔۔۔۔۔ تو بڑی ملک کی نشریات کے طلسماتی دُراسوں کا اثر بالآخر کچھ نہ کچھ تو پڑتا ہی تھا۔ اس میں میری غلطی کہاں تھی؟ آپ ہی بتائیں۔

☆☆☆

ایب نارمل شوہر ز

راشدہ خالہ کی ننڈ کی بھانجی ما کے میاں کے قہے ہمیں اس وجہ سے بھی معلوم تھے کہ اُن کا گھر ہمارے پڑوس میں تھا۔

شرافت بھائی شروا آدٹ کی تفسیر تھے۔ گھر کے ایک، ایک ماں میں گھسا کر تھے۔

”یہ جیتی کے ڈبے کا ڈھکن کیوں کھلا ہوا

ہے؟“

”تمک کے ڈبے میں یہ مرہیں کیسے ل گئیں؟“

”گھاس کھینچے کیوں ہیں؟“

”جانے کی دیکھی صاف سمجھی کیوں نہیں؟“

”بار بچی خانے کی صافی اتنی گندی کیوں ہے؟“

”گھر میں اتنا پھیلاوا کیوں بچایا ہوا ہے۔۔۔۔۔“

گھر میں آکر طبیعت میں ڈپریشن ماحسوس ہو رہا ہے۔

ہا ہاجی لاکھ تاویلیں پیش کرتیں۔۔۔۔۔ بچہ پیار ہے۔

”آج سر میں درد ہے۔“

”آج ماسی کام کرنے نہیں آئی۔“

مگر وہ اُن کی کسی بات سے اتفاق نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب شرافت بھائی گھر میں قدم رکھتے تو ایسا لگتا کہ کوئی بھونپال آ گیا ہے۔ ہا ہاجی کا چہرہ بے پٹیان سا ہو جاتا تھا۔

یہی حالات بڑی چچی کے ہاں کے تھے۔۔۔۔۔

ولید بچا جب اسنے اُس سے رٹناڑ ہوئے تھے گھر میں ان کی حیثیت کی لاکھ ساس بھی ہو گئی تھی۔

”بیمہ! یہ تمہارا بیڑا ابھی تک سو کیوں رہا ہے؟“

”نیں! وہ رات دیر سے آیا تھا۔۔۔۔۔ چچی چپے کی طرف داری کرتیں۔

”اگر وہ رات کو دیر سے آئے گا تو سارا دن بے ہوش پڑے گا۔“

”یہ لہانے کی میز پر ہر وقت برتن کیوں رکھے رہتے ہیں؟“

”نئے خلیفہ قائم آتے ہیں۔۔۔۔۔ سب کے کھانے پینے کا قائم مختلف ہے ناں۔۔۔۔۔ وہ وضاحتیں

پیش کرتیں۔

”بیمہ! تمہا پھر چلا گیا کرو۔۔۔۔۔ باور بچی خانہ کوئی دوکوس پر نہیں ہے۔ وہاں سے دوبارہ بھی جیزر لی لائی جاسکتی ہیں۔“

”اُف خدایا، یہی پچوہڑ ہو بھی۔۔۔۔۔ چارون کے اگنی پر کپڑے سوکھ رہے ہیں اور تم نے انہیں اٹھایا نہیں ہے۔“

”اُف، تم نے الماری کے اوپر لکھ کا کاڈی سامان رکھ دیا۔۔۔۔۔ کسی کے گھر میں الماریوں کے اوپر آرائشی اشیاء بھی نظر آتی ہیں اور ہمارے گھر میں تمام کاٹھ کماز۔۔۔۔۔ ولید بچا کھسکا اس قدر تنگ مزاج ہو گئے تھے کہ اُسے کا خیال بھی نہیں رکھتے تھے۔

حب بے چاری چچی بڑی آرزوی کے کہہ کرتیں۔

”بیوی کی عزت بھی آتی جانی شے ہوتی ہے۔

آگئی اور چلی گئی۔۔۔۔۔ اور ہماری تو زیادہ رہ جاتی رہتی ہے۔“

حب میں نے اُن سے ہنس کر کہا تھا۔ ”آپ کی عزت تو بجلی ہو گئی کہ اتنی آتی نہیں ہے جتنی جاتی ہے۔“

”ہاں! انہوں نے کبھی ایسے دھم بھرے لہجے میں کہا۔ مجھے احساس ہوا کہ ان کی ان خوشیوں نے ان کی ذاتی حالت پر خاصا گہرا اثر ڈالا ہے۔ ایسے حالات ہمارے معاشرے میں کوئی کم تھوڑی ناں ہیں۔

میں واقعی اندازہ کر سکتی ہوں۔۔۔۔۔ ان پریشانیوں کا جو حلقہ مند، گھسور اور ایکٹو شوہروں کی بیویوں کو مار گرتی ہیں۔

میں ذاتی طور پر شوہروں کی ایسی ٹیکری کو انبارل قرار دیتی ہوں جو گھریلو دھندوں میں ملوث ہو کر اپنی بیویوں کو پچوہڑ قرار دینے کی ہم میں سرخرو ثابت ہوتے ہیں اور بے چاری بیویوں کی ناک میں دم کر دیتے ہیں۔ (ظالم کہیں کے)

میرا یہ فرمان ذاتی ہے کہ گھر کی سلطنت میں شوہر کو چھپڑ چمکا کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ ملکہ عالیہ کے اختیار کالی کرتے ہوئے چائیں۔ جس میں بادشاہ سلامت کو مداخلت کرنے کی اجازت نہیں ہوتی چاہے مگر اس کے باوجود اکثر لوگ کرتے ہیں۔۔۔۔۔ دراصل میں کہہ رہا ہوں کہ شوہر دبا کر اور کھسا کر از حد خوش ہوتا ہے خیر اکثر مرنے کی بھی کھاتے ہیں۔ بعض بیویاں آمرانہ رویہ رکھتی ہیں مگر زیادہ تر شوہر اپنے مقاصد میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔ آہ۔۔۔۔۔ چالاک کہیں کے۔

مجھے شوہروں کی گھن کرغ والی کوائی ڈرا برابر پسند نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میرے سنے متاقلے کا موضوع بھی ”اُف۔۔۔۔۔ بے چاری عورت“ ہے۔

جس کا عالمی دن صرف آٹھ راج کوئی سنایا جاتا ہے۔ پورے سال میں۔۔۔۔۔ صرف ایک دن۔۔۔۔۔ آہ کو یا قرائض نسواں تین سو پچوٹھ دن اور حقوق نسواں صرف ایک دن۔

خیر اپنے قرائض کو فرائض سمجھتے ہی سکتے لوگ ہیں۔ ہاں تو بات ہو رہی تھی انبارل شوہروں کے بارے میں۔۔۔۔۔ جن کی باتیں بے چاری بیوی پر پتھر بن کر لگا کر لیتی ہیں اور وہ دھکی بے چاریاں اپنے دکھ کسی کو بتا بھی نہیں سکتیں۔ میری بات کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ کسی شوہر کو بیولائی نہیں چاہیے۔

بولنا چاہیے۔ بالکل بولنا چاہیے۔

بچی ہاں۔۔۔۔۔ باتوں شوہر، ہر بیوی کو اچھا لگتا ہے۔ ہر شخص کو اپنے گھر میں خوب بولنا چاہیے مگر کیا بولنا ہے یہ دراسب شوہراں اپنی، اپنی ڈائریوں میں نوٹ کر لیں۔

”بہت بہتر بیگم۔۔۔۔۔“

”جو آپ کا حکم۔۔۔۔۔“

”ایسا ہی ہوگا جیسا آپ نے کہا ہے۔۔۔۔۔“

ماہنامہ صبا کیڈز۔۔۔۔۔ جون 2012ء



میرا انتخاب آسنہ حصار

جذبات کا اظہار کر رہے ہیں۔ اس کو تہذیب وادب نے سرگودھا سے منتخب کیا ہے۔

مشورہ

تجھیں تلاش ہے جس کی
وہ تجھ کو تلاش ہوں
ہمک رہے ہو کہاں
یہ تم کو ہر اندھیرے میں

نہ آسان پتہ تارے
ذرا سے تن چارخ
نہ جگنو کی چمک تاریں کہیں درختوں پر
تو پھر تازہ تھے

ایسے گھور اندھیرے میں
میری تلاش ہے کیا تم کو قائدہ ہوگا
کہ اس تلاش سے پہلے بہت ضروری ہے
دل و دماغ کی چٹائی کو بحال کرو
اور رک جاؤ، وہاں اپنے ساتھ لے کے چلو
خدا غواں تم میرے گرد نہ کر پاؤ
تو کیا کام کرو

مجھے ضروری تھے ہجر اگر جاننا
تو پھر تلاش مجھے میری روشنی میں کرو
کہ میں چراغ بھی ہوں
راست بھی، منزل بھی



اور اک کا ایک پوری زندگی پر بھاری ہوتا ہے
مگر کسی کبھی اپنے ساتھ یا تو زندگی کی ساری رشتائی اور
دلکشی سمیٹ کر لے جاتا ہے یا پھر روشنی کی کرنیں سمیٹ کر

شاعری نرم دناؤک جذبات کی اساس ہے.....
اظہار کے بنا جذبات بے مول رہ جاتے ہیں۔ جس
طرح خوشبو کے بغیر پھول..... شاعری اظہار کا ایک
خوب صورت ذریعہ اور طریقہ ہے۔ جوش خلق آبادی
بھی غم زدہ محبت کے حصار میں قید ہیں۔ اس غزل کا
انتخاب مول رزاق نے ادا کاڑھ سے کیا ہے۔

غزل

دل مجھ گیا ہے سینہ خالی ہو گیا ہے
بیٹھا ہوا ہوں حیران چمکے چمکے ہو گیا ہے
کس نے یہ نصف شب میں پھینکا رباب یا رب
ہستی کا ذرہ ذرہ مدھن ہو گیا ہے
کس ذریعہ میں رواں ہے دیئے غم کا دھارا
آیا ہے جو وہ اپنی منہی ڈبو گیا ہے
آتا ہے مجھ کو کیا کیا بے اختیار رونا
جب کوئی پوچھتا ہے کیا تجھ کو ہو گیا ہے
آکھلے ہو تو تم بھی کچھ دل کا حال سن لو
کرزا ہے جو بھرے کچھ دیو رو گیا ہے
کل شب کو چاندنی میں بھراں کی یاد آئی
ہم جانتے تھے دل سے وہ سو ہو گیا ہے
چہرے پر مردنی کی چھائی ہوئی ہے گویا
دو دن میں جوں تیرا کیا حال ہو گیا ہے



شاعری انسانی کیفیات اور جذبات کو اجاگر
کرنے کا نام ہے..... شاعر اپنے جذبات کو خوب
صورت لفظوں میں کاغذ پر اتارتا ہے جسے شاعری کا
نام دیا گیا ہے۔ رحمان خاور اپنی نظم مشورہ میں اپنے

کے ناتے ایسا رویت کرتے ہیں۔
نہیں بھی، ایسی کوئی بات نہیں ہے..... اگر
میرا نام شگفتہ کریم ہے تو میرے نام کے اثرات سونی
صدر میری شخصیت میں رہے ہیں۔ مجھ جیسا خوش
مزاج تو شاید ہی کوئی ہو۔ آپ بے شک میرے
اشاف سے آکر پوچھ لیں کہ وہ سب مجھ سے کتنی
خوش ہیں۔

میں کسی ایک سے کام کوئی کام کہوں تو چار،
چار تیار ہو جاتی ہیں۔ اب ایک چھوٹی سی بات ہے
کہ کچھ عرصے سے میری کل وقتی ملازمہ چھٹی پر اپنے
گاؤں گئی ہوئی ہے۔ مجھے بے حد تکلیف ہو رہی تھی۔
گھر کو دیکھوں یا اسکول کو..... تب ایک ساتھ کئی
نچرے بولیں: میڈم! آپ نے ہم سے کیوں نہیں
کہا..... ہمارا گھر تو آپ کے گھر کے قریب ہے۔
صرف دو بیس بدل کر آنا پڑتا ہے۔ وہ دن ہے اور
آج کا دن گھر کی صفائی، روٹی، سالن تک کا کام
میری نچرے خود آکر کر جاتی ہیں۔ میں نے اپنی
ملازمہ کو بھی پیغام بھجوایا ہے کہ اب آنے کی کوئی
ضرورت نہیں ہے۔

اب لوگ بے شک جلتے ہیں تو میری بلا سے۔
اللہ تعالیٰ نے اگر میری قسمت میں آرام کھسا ہے تو وہ
ضرور مجھے ملے گا، اللہ نظر بد سے بچائے۔ میری نچرے
بہت اچھی ہیں۔ مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں ظاہر
ہے میرا حسن سلوک اچھا ہوگا جو وہ میرے کام آتی
ہیں۔ میرے گھر پر آنے والی چاروں نچرے کا نام
نخیل اُن کی اپنی مرضی کے حساب سے دیا ہے اب
اگر باقی اشاف شور مچاتا ہے اور انہیں نیچوں کے نام
سے پکارتا ہے تو میری بلا سے ایسے شہر نہ لوگ تو ہر
جگہ ہوتے ہیں، ہے ناں.....



”تیکم آپ نے تو میرے مدد کی بات چھین لی
ہے.....“
”میں میڈم.....“
”جب جب آپ کی بات مانی ہے ہمیشہ فائدہ
ہوا ہے.....“
”ارے تیکم میرے گھر میں وہی ہوگا جو تم
چاہو گی.....“

”تم تازہ، میں کیا کروں.....؟“
”تم تازہ میں کیا کہوں؟“
”تم جو ہمارا دل چاہے کہہ دینا اور میرا نام لے
دینا.....“
ایسے شوہروں کو..... کون پاگل..... کون ایب
نادر کہہ سکتا ہے..... ایسے شوہروں سے زیادہ عقل
مند، ذہین، فطین تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا ہے..... ہے
نا.....؟

شر پسند عناصر

بعض لوگوں سے چڑی ہوتی ہے۔ شکل دیکر کہ
خواتن وہ عنصر آتے۔ دل چاہتا ہے کہ چھوٹے پکڑ
کر اُن کا گھر سے عمل دل ختم کر دیں اور صاف
صاف کہہ دیں کہ آئندہ اس گھر کا رخ مت کرنا مگر
رشتے دار یوں کی صلیبیں ہمارے سینے اور دماغ پر
اس قدر دھری ہوئی ہیں کہ دل چاہتے ہوئے بھی کچھ
نہیں کر سکتے۔ (آء)

یہ بات بھی نہیں کہ ہماری دلی کیفیات سے
ایسی غشیات واقف نہیں ہوتیں، وہ ہماری جلاہٹ
دلی دلی نفرت اور سرد رویے سے نفی پر سبقت
واقف ہوتی ہیں مگر اس کے باوجود وہ لپک کر
ہمارے پاس آتی ہیں (ہائے رشتے دار بایاں)

اب آپ سوچ رہے ہیں کہ میں شاید گورنمنٹ
اسکول کی کوئی تک چڑھی قسم کی ہیڈ ماسٹر ہوں

پھر جاتے ہوئے روتے ہوئے، یہ بھی کہا تھا
ظفرؔ مچھوٹ کہتے ہو
محبت ڈر نہیں سکتی، محبت مر نہیں سکتی
تو پھر سرخ آجیل، ہاتھ پرستی کوئی مہندی
تمہاری آنکھ میں چسپے کوئی ٹھہرا ہوا دریا
کوئی چٹا ہوا بادل، چلو تسلیم تو کرلو
محبت ڈر بھی سکتی ہے، محبت مر بھی سکتی ہے

۴۴

اعجاز اسلام احمدؔ سوم سے اور مسموم کے ملنے
اور جدا ہونے سے دل کا اتنا بے بیان کر رہے ہیں اور
اس نظم کو عاید احمد نے لاڈ کا نہ سے منتخب کیا ہے۔

نظم

وہ تو بھری بہار کے دن تھے
مسموم کے اس ملنے اور جدا ہونے سے
جانے دل کا کیا رشتہ ہے
جب ایک موسم دوسرے موسم سے ملتا ہے
جانے کیوں اس دل کے اندر دور نہیں پڑ
ایک چھٹا کا سا ہوتا ہے
جیسے کچھ شے کے برتن
اک وحشی و ادا کو کر
غم انھوں سے چھوٹ گئے ہوں
چھوٹے سے دوریت گھر وندے
بننے بننے ٹوٹ گئے جوں
بچھنی رات کا سا تا کیوں
خوف رگوں میں بھرتا ہے
یت حمزہ کی دلہیز پہ ٹھہرا لہجہ کس سے ڈرتا ہے
وہ تو پورے چاند کی شب تھی
جب اک بات وانا تو تھا
وہ تو بھری گھر بہار کے دن تھے
جب تو مجھ سے چھڑا تھا

۴۵

اپنی باری ہے

۴۵

شاعری دل کا لٹہ ہے..... شاعر دل کا زندہ اور
روشن دماغ رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری ہجر و وصال کی
شاعری سماج کی نین وہ زندگی اور روشنی کے پیغام سے
غالی نہیں۔ ہجر و وصال ہر ذی حیات کا مقدّر ہے اور
اس کا لطف محبت کرنے والے ہی جان سکتے ہیں.....
حقیقت تو یہ ہے کہ عشق پیش لوگوں کی زندگی فریق
مسلّم میں ہی سر ہو جاتی ہے۔ یہی رنگ ظفر اقبال
ظفر کی نظم محبت مر بھی سکتی ہے میں نظر آتا ہے اس کا
انتخاب ارم نے حیدر آباد سے کیا ہے۔

محبت مر بھی سکتی ہے

چھپیں یاد ہوگا
سال بھر پہلے
گھٹاؤں کا، مسلسل بارشوں کا آخری دن تھا
غروب شام سے پہلے ہی سورج نے
ذرا سی دیر ہو گئی، رو پہلی دھوپ اگلی تھی
ہر ندی کی طرح
سبے ہوئے، دیکھے ہوئے لوگوں نے
امید بھری نظروں سے اوپر آسمانوں کی طرف دیکھا
مگر.....!
میں نے تمہارے سرخ آجیل کی طرف دیکھا
تمہاری آنکھ میں
اڑتے ہوئے بے سمت بادل کی طرف دیکھا
مجھے وہ بات یاد آئی
کہ جب میں نے کہا تھا
دیکھ لو جاناں محبت مر بھی سکتی ہے
بڑی مجبوریاں ہیں، محبت ڈر بھی سکتی ہے
میری اس بات پر
تم نے ڈر کر مارا تھا کہ تھلا کر مجھ کو دیکھا تھا
مجھے بزدل بھی کہا تھا

وہ سب مر بھی سکتی ہیں
تم اسے کہنا
کبھی ملنے چلا آئے

لبوں پر لفظ ہیں
لفظوں میں کوئی داستان، قصہ، کہانی
جسے اکثر سنا تھے
کسے جا کر سنائیں گے
جتائیں گے

کہ ہم گلاب بزم میں ستارے ٹانگنے والے
دربار ہوسا، ظہار کی دینک سے
اک کھولنے والے
کبھی بکھری ہوئی دلفنوں میں ہم
مہتاب کے گجرے بنا کر بانٹنے والے
چراغ اور آئینے کے درمیان
کب سے سرسامل کھڑے موجوں کو تکتے ہیں

اسے کہا
اسے ہم یاد کرتے ہیں

ہم آ کر خود اسے ملتے
مگر عقل پہلے مسموم کے
خون میں رنگین ہیں اور ہم
قطار اندر قطار

ایسے بہت سے مسموموں کے درمیان
تجربہ کھڑے ہیں

جانے کب اپنا بلاوا ہو
کہ ہم میں آج بھی
اک عمر کی واہنگی اور دھنوں کا قفس جاری ہے
وہ بازی جو بساط جاں پہ کھیل تھی
ابھی ہم نے جیتتی ہے نہ ہاری ہے
اسے کہنا سیکھنے ملے چلا آئے
کہ اب کی بار شاید

جاتا ہے۔ اور اک کے کچھ ایسے ہی لہجوں کا شکار جوں
ایلیا اپنی اس غزل میں نظر آتے ہیں۔ اس غزل کا
انتخاب غانیہ سید نے کراچی سے کیا ہے۔

غزل

ہم نے شکست کھا کے ذکر و وفا نہیں کیا
خود کو ہلاک کر لیا خود کو فدا نہیں کیا
کیسے کہیں کہ اس کو کبھی ہم سے کوئی لگاؤ ہے
اس نے تو ہم سے آج تک کوئی گلہ نہیں کیا
مجھ کو یہ ہوش ہی نہ تھا تو مرے بازوؤں میں ہے
یعنی تجھے ابھی تک میں نے رہا نہیں کیا
جانے تری نہیں کے ساتھ کتنے ہی جرتے کتنے
میں نے ترے لحاظ میں حیرا کہا نہیں کیا
جو بھی ہو تم پہ معترض اس کو بھی جواب دو
آپ بہت شریف ہیں، آپ نے کیا نہیں کیا
خبرہ سران عشق کا کوئی نہیں ہے جغیرہ دار
شیر میں اس گروہ نے کس کو خفا نہیں کیا

۴۶

زندگی کے گزرتے لمحے جن میں بہت سی باتیں
کہنے اور سننے کے باوجود ان کی رہ جاتی ہیں خاموشی کی
ان یادوں اور انتظار کی کھنکھن ساعیوں کو تسلیم کو شراپتی
اس نظم میں بیان کر رہے ہیں اور اس کا انتخاب
ذریعہ تے واہ کینٹ سے کیا ہے۔

سلسلہ

اسے کہا

کبھی ملنے چلا آئے

ہمارے پاؤں میں جو راستہ تھا
راستے میں بیڑ تھے
بیڑوں پہ چسکی طائرؤں کی کولیاں
ہم سے ملا کرتی تھیں

اب وہ اڑتے اڑتے تھک گئی ہیں
وہ کھٹی شاخیں جو ہم پہ سایا کرتی تھیں

میری راہیں

یادوں کے چراغ آج روشن ہیں

ماضی کی گزرگاہوں میں

کہاں تک بھگو جانا ہوگا

انجھی دھندلی راہوں میں

لمن کی خوش رنگ ساعت تک

یاجدائی کی عالم گڑیوں میں

جھومر سناٹھاتے پر

مہندی کی تھی ہاتھوں میں

جذبوں کی مدد حدت تھی

خوشبو چڑی تھی سانسوں میں

شوگر بنا تھا چپوں کا

کچھ خواب بچے تھے آنکھوں میں

شبم سے موتی بھرے ہیں

اب بھری لمبی راتوں میں

جدائی کا موسم آنٹھرا

کھلی کھلی میری آنکھوں میں

ماگ جو اجڑی سوا جڑی

کا بچھ جیسے تھے ہاتھوں میں

تو میں صبح کے رنگ نہ بٹھریں

بادل بھری اب آنکھوں میں

محبت کا بندھن وفا کا تقاضا
شاعرہ: خالدہ نسیم، لندن

اپنے دل کے ٹکڑے

شہاب اللہ خان کے نام

سدا جیون میں تم سکراتے رہو

باتوں باتوں پہ بس کلکھلاتے رہو

رہیں دور تم سے پریشانیاں

تم مستی مستی میں گیت سناتے رہو

ہو ماند تیرے سامنے ماو تمام

تم ہی تم اکیلے جھگڑاتے رہو

تو صاحبِ دل ہو مرے دل کی صورت

چاہتیں ہی چاہتیں لٹاتے رہو

ٹکھیں پھول ایمان کے تیرے دل میں

خوشبو نیکی کی ہر سو پھیلاتے رہو

یہ دعا ہے میری صرف تمہارے لیے

تم سب کو دعاؤں میں یاد آتے رہو

از: صدف جاوید قریشی، ہری پور ہزارہ

یاد

تیرے ساتھ وہ گزردے لمحات یاد آتے ہیں
تیری باتیں، وہ فسانے، تعلقات یاد آتے ہیں
یاد ہے حیرے آنکھ کی خوشبو بھی ہمیں
ہوا میں لہراتے ہوئے جذبات یاد آتے ہیں
از: سہیامتا زعمای، لاڑکانہ

اعتبار

تیری نگاہ میں ایک رنگ اجنبیت تھا
کس اعتبار پر ہم کھل کے گفتگو کرتے؟
از: ثانی چوہدری، آکسفورڈ، یو کے

سندیس



پاکیزہ
پہنیں

پس مگر ان کی یادیں زندگی کی ساتھی بن جاتی ہیں۔
گنتی خوشگوار ہوتی ہے ایسے لوگوں کی یاد جب
آجائے تو گویا وقت ہی گھبرا جاتا ہے۔
از: حمیرا: ہاشمی، بنکر

بیاری بات

مسلمانوں کے لیے بہترین پیغام جو ایمان بچے
مسجد نہیں لے جا سکتا، ذرا سوچ وہ بچے جنت
تک کیسے لے جائے گا۔

شوق

خاوند: میں وہ نہیں جو شادی ہوئی اور بدل
گیا۔ میرا وہی حراج وہی ذوق ہے۔ شادی سے
پہلے بھی مجھے شادی کا شوق تھا شادی کے بعد بھی مجھے
شادی کا شوق ہے۔

از: مصباح رضا سید، فیصل آباد

کانچ سی لڑکی کے نام

دھنک رنگ بھرے ہیں نگاہوں میں میری
کھلے پھول ہر سو یہ کس کا ہے سوچا؟
خیالوں میں آیا تو دل میں مایا
کبھی اچھٹی تھا وہ پھر وہ اپنا
اتو کھسا احساس اس نے چکایا
لوں پر مٹی ابھری آنکھوں میں پتا
میرا دل یہ چاہے پوچھوں میں اس سے
کبھی تیرے دل میں میرا نام آیا؟
کبھی چاند میں تم نے مجھ کو ہے دیکھا
کبھی کھلتے پھولوں میں مجھ کو ہے ڈھونڈا
خود بھی ہوں اس کی محبت میں پائل
چاہوں اور ہے بن کے بچوں وہ میرا
میرے دل میں آکر میرا ہو کے رہنا

پیارے پیغامات

☆ پیڑی مشکل سے سلائے لگا ہوں اپنی
آنکھوں کو تیرے خواب کا لاچ لے کر۔ آج کک بار
میرے خواب میں آ جانا کہ میری آنکھوں کا اعتبار رہ
جائے۔

☆ پریشانی خاموش ہونے سے کم، مہر کرنے
سے ختم اور سگر کرنے سے خوشی میں بدل جاتی ہے۔

☆ دوست اور خون دونوں کی جگہ دل
میں ہوتی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ خون دل سے ہو کر
گزر جاتا ہے اور دوست دل میں آکر دل میں ہی رہ
جاتا ہے۔

از: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

خوشگوار یادیں

کتے اچھے ہوتے ہیں وہ لوگ جو ایک ہی بار دل
کر آنکھوں کے راتے دل میں اتر جاتے ہیں اور پھر
دھڑکتوں میں بس کر ایسے گیت سناتے ہیں کہ ہر
سانس میں انہی کا نام ہوتا ہے۔ وہ لے تو ایک لمحے کو

ہوئی غم خزاں کا ہے نہ خواہش ہے بہاروں کی
ہمارے ساتھ ہے اچھڑ کسی کی یاد کا موسم
☆ عالیہ ناز..... حیدر آباد
ہے پھر شہر میں گھراں کا کہاں تک ڈھونڈوں
وہ جو کہتا تھا کہ آگن میں سور ہوگا
☆ شمیم خان..... کوئٹہ
برسوں کا ساتھ چھوڑ کر وہ اس طرح گیا
جیسے کوئی ستون گرا ہو مکان سے
☆ فرح ملک..... خانیوال
رُتوں پہ بس نہ چلا ورنہ یہ چن والے
ہو امیں پیچھے بیلام رنگ دبو کرتے
☆ فری ناز..... کراچی
کیا کہیں کیسے سرچر کی راتیں کی ہیں
عمر بھر چاند سے اک شخص کی باتیں کی ہیں
☆ کنول شہاب..... پنجاب
ہمارے نام تو رسوائیاں ہی لکھی ہیں
وہ معترف ہے اسے معترف ہی رہتا ہے
کسی کے گھر کو گرا کر بائیں اپنا مکان
بھر ہے یہ تو ہمیں بے ہنری رہتا ہے
☆ شفیق خان..... حیدر آباد
شع محفل کو تو جب سوز سے خالی رہا
تیرے پروانے بھی لذت سے بیگانے رہے
رشہ الفت میں جب آن کو پرہیز تھا تو
پھر پریشاں کیوں تری تیغ کے دانے رہے
☆ زبیر وہاب..... کراچی
اے حسرت دیدار یہ کیا راز ہے آخر
وہ سامنے آتے ہیں تو دیکھا نہیں جاتا
☆ نضیب جاوید..... لاہور
کبھی خوشی تو کبھی رنج ہے شمار لے
حیات ایک تھی لیکن بڑے تضاد لے
☆☆☆
☆

☆ ماریہ..... کراچی
رہنے دیا نہ اتر، نے کسی کام کا مجھے
اور خاک میں بھی مجھ کو ملا کر نہیں گیا
☆ ثانیہ..... کراچی
خود سے روٹیوں تو کئی روز نہ خود سے بولوں
پھر کسی روٹی کو دیوار سے لگ کر روٹوں
تو سمندر ہے تو پھر اپنی سخاوت بھی دکھا
کیا ضروری ہے کہ میں بیلاں کا دامن کھولوں
☆ نادیہ..... کوئٹہ
حیات اب بھی کھڑی ہے اسی دوراں پر
وہی ہے جبر وہی اختیار کا موسم
☆ صائمہ..... کراچی
بھی گزرتے ہیں کہیں میں ناشاد ہونے سے
یہ دل برباد ہوتا ہے بھی آباد ہونے سے
☆ نائلہ خان..... پشاور
کوئی تازہ پھول لے کر لے آجائے تو پھر
اپنے زخمی جسم و جان کو بھول جاتا چاہیے
☆ روانہ سیاح..... کٹری
جب نئے موسم کے پہلو میں سکوں پاؤں نہ تم
میری تحریریں پرائی کا پیوں میں ڈھونڈنا
نارمانی کی اذیت جب بھی سونے نہ دے
ہولے سے اٹھنا مجھے میرے خطوں میں ڈھونڈنا
☆ سریم رافع..... کوئٹہ
ستم ہے کہ اب وہ شخص بھی ہم پہ گزرتا ہے
کہ جس کی پست قامت کو بڑی دستداری ہم نے
☆ امینہ جہاں..... کراچی
تم آسمان کی بلند یوں سے جلد لوٹ آنا
ہمیں زمین کے مسائل پہ بات کرنی ہے
☆ ملائکہ طارق..... کراچی
رُتوں کا قاعدہ ہے وقت پہ یہ آتی جاتی ہیں
ہمارے شہر میں کیوں رک گیا کرنا دکا موسم



میں اکثر گنگناتی ہوں

صغریٰ دیندی

☆ صغریٰ..... حیدر آباد
طلب کریں تو یہ آنکھیں کی ان کو سے ہیں
مگر یہ لوگ ان آنکھوں کے خواب مانگتے ہیں
☆ فریدہ خان..... گوجرانوالہ
بھری بہار میں اب کے عجب پھول کھلے
نہ اپنے رزم ہی سینکے ندول کے چاک کھلے
☆ حمیدہ شریف..... اسلام آباد
کیا بھلا مجھ کو پرکھنے کا نتیجہ نکلا
رغم دل آپ کی نظروں سے بھی گھبرا نکلا
☆ ماہرہ..... کوئٹہ
جن کی آنکھیں میں دستے تھے محبت کے چرچ
ان کو اب ڈھونڈنے جاؤں تو کہاں پاؤں گا
وقت کی گرد میں ہندلائے وہ شہر کے لوگ
انجینی بن کے طے لب میں کدھر جاؤں گا
☆ سیدہ زہرہ..... لاہور
وہشتیں مٹاوشیں قبریں یہیں رہ جائیں گی
خالی خالی، اجڑی اجڑی بستیوں رہ جائیں گی
جہنمیں کر کے چلے جائیں گے آخر سب نہیں
اور آویزاں گھروں پر تختیاں رہ جائیں گی
☆ نائلہ خان..... کراچی
اک بھولی ہوئی بات ہے اک ٹوٹا ہوا خواب
ہم اہل محبت کو یہ الماک بہت ہے
☆ ناز یہ مجاہد..... کراچی
جب سے جدا ہوئے ہیں تیرے قافلے سے ہم
لوگوں نے اپنی راہ کا پتھر بنالیا

دھنیا، دو کھانے کے کچھ۔ پاپکو پرا، دو کھانے کے کچھ۔ سفید زیرہ پا ہوا، دو کھانے کے کچھ۔ بے کی دال، ایک چائے کا کچھ۔ مونگ چلی بھی ہوئی، دو کھانے کے کچھ۔ رائی، کلونچی، بھسی ہوئی ایک چائے کا کچھ۔ میتھی دانے پے ہوئے، دو آدھا چائے کا کچھ۔ لڑی پتا، دس بارہ۔ ہری مرچ چھوٹی، ایک چھٹا کنک، نمک، حسب ذائقہ۔ تیل، ایک کپ۔ پیاز، دو دودھ بڑی۔ املی، گاڑ حار، ایک کپ۔ لہسن، ثابت، تین چار عدد۔ لال مرچ ثابت، چار پانچ۔

ترکیب: کھب سے پہلے پیاز کو نونا مونا کاٹ کر توڑے پر ہلکا سائیک لیں پھر دھنیا، زیرہ، رائی، کلونچی، بے کی دال، مونگ چلی، کھوپڑے پر ہلکا سائیک کر پیاز کے ساتھ سارے پے سالے لینڈز میں ڈال دیں ساتھ میں چھوٹی ہری مرچ بھی ڈال دیں اس میں لال مرچ نہیں ڈالنی۔ جب گاڑھا سا پیسٹ بن جائے تو پھر ایک پتلی میں تیل گرم کر کے چند دانے رائی، کلونچی، ثابت سفید زیرہ، لہسن ڈالیں ساتھ میں لال ثابت مرچ بھی ڈال دیں جب بھار تیار ہو جائے تو اس میں پا ہوا سالاد ڈال دیں اور ابھی طرح بھونیں۔ جب سالاد اچھی طرح بھن جائے تو اس میں دھو کر موٹی ہری مرچ ڈال دیں ساتھ ہی لڑی پتا بھی۔ لڑی پتا اس طرح ڈالنے سے زیادہ خوشبو آتی ہے کچھ لوگ بھار میں ڈال دیتے ہیں ساتھ میں املی کا رس بھی ڈال دیں، ہلکا سا پانی ڈال کر ہلکے چولے پر رکھ دیں جب مرچیں گل جائیں تو اتار لیں۔ فریج میں رکھ کر چار پانچ دن بھی کھا سکتے ہیں ایک بات یاد رہے کہ یہ سالن ایک بار پک جائے کہ بعد دوبارہ گرم نہیں ہوتا سادے چاول اور حیدر آبادی بریانی کے ساتھ بہت مزہ دے گا۔

پھولوں کے آمیزے میں دہی اور انڈے کی روٹی ڈال کر خوب چھینٹ لیں۔ انڈے کے رس کو گرم کر لیں جب اگلنے لگے تو جیلاں پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح مل کر لیں۔ جیلاں پاؤڈر کے ٹکڑوں کا پتہ آہستہ ہاں کے لینڈز رشہ آمیزے پر اٹھ لیں اور جیلاں ہلاتے ہیں پھر کسی پیالے یا سانچے میں ڈال فریج میں بٹنے کے لیے رکھ دیں۔ انڈے کی سفیدی کو اچھی طرح ہٹائیں اور آدھا تھوہے آمیزے میں ڈال کر اچھی طرح کس کر لیں۔ آمیزے کو دوبارہ سے فریزر میں رکھیں اور بچنے دیں جب مکمل طور پر جم جائے تو نکالیں اور پھینا پچے ہوئے پھولوں کے ساتھ پیش کریں۔

عائشہ اقبال..... کراچی

لیموں اور پودینے کا شربت

اشیا کے پودینے کے پتے، حسب ضرورت۔ جینی ہار کھانے کے کچھ۔ برف، کرش کر لیں۔ لیموں کا ایک کپ۔ سوڈا واٹر، دو گلاس۔ لیموں کے ملاں (سجائے کے لیے)

ترکیب: لیموں کے رس میں جینی کو حل کر لیں۔ اس میں سوڈا واٹر ڈال کر کس کر لیں اور گلاسوں میں الیں۔ اوپر سے برف، پودینے کے پتے ڈالیں اور لیموں کے ملاں سے سجا کر پیش کریں۔

چھکو اور کھیلے کا ملک شیک

اشیا کے چھکو، پانچ عدد۔ کھیلے، پانچ عدد۔ فریش آدھا آدھا کوئی بھی دو کھانے کے کچھ۔ پانی، دو آدھا کپ۔

ترکیب: کھب سے پہلے چھکو اور کھیلے کو پھینک کر لیں جو سر میں چھکو اور کھیلے کے ٹکڑے اور املی، ڈال ڈال کر خوب اچھی طرح لینڈز کر لیں۔ خوب ملے لیں اور گرمیوں کا لطف اٹھائیں۔

حیدر آبادی مرچوں کا سالن

اشیا کے ہری مرچیں موٹی دال، ایک پاؤ۔ پا

چار عدد بڑے۔ ادراک، کئی ہوئی دو چائے کے کچھ۔ ہری مرچیں، دو عدد۔ لال مرچ، ہوئی دو چائے کے کچھ۔ تیل، تین کھانے کے کچھ۔ نمک، حسب ذائقہ۔ دھنیا کے کٹے ہوئے پتے، دو کھانے کے کچھ۔

ترکیب: بیٹنگ میں سوراج کر کے آئیں کھلی آج یا تھوڑا پیپلے سے گرم ادوں میں روست کریں یہاں تک کہ چھلکا اڑتا اور بیٹنگ سکڑنا شروع ہو جائے۔ اسے ٹھنڈا ہونے دیں۔ آپ اسے پانی میں ڈبو کر ٹھنڈا کر سکتے ہیں۔ چھلکا اتار کر اے مکمل طور پر مل دیں۔ پیاز چھینک کر کاٹ لیں۔ نمٹا رکھو کر کاٹ لیں، ہری مرچوں کو دھو کر کاٹ لیں۔ ایک کڑائی میں تیل گرم کر لیں، زیرہ ڈالیں۔ آدھے منٹ تک پکائیں۔ کئی ہوئی پیاز ڈالیں اور بھونیں یہاں تک کہ وہ نرم ہو جائے پھر ادراک کی ہوئی، ہری مرچیں کی ہوئی ڈالیں اور آدھے منٹ تک پکائیں۔

لال مرچ پسی ہوئی اور مٹلے اور بچنے ہوئے بیٹنگ ڈالیں۔ درمیان آج پر سات سے آٹھ منٹ تک پکائیں یہاں تک کہ تیل الگ ہو جائے۔ کٹے ہوئے برے دھنیے کے ساتھ سجائیں۔

نوٹ: اگر روست کیے ہوئے بیٹنگ کو فوراً پانی میں ڈبو دیا جائے تو اس کا چھلکا اتار آسان ہے اس ترکیب کے لیے بڑے سائز کے گول بیٹنگ استعمال کریں۔ خریدتے وقت ایسے بیٹنگ کا انتخاب کریں جو سائز کے مقابلے میں وزن میں ہلکے ہوں۔

آئس کریم فروٹ سلاڈ

اشیا کے سمر فروٹ کس (اسٹرابری، انجور، رس بھری) آٹھ کپ۔ انڈے (زردی اور سفیدی) الگ الگ۔ دو عدد دہی، ایک کپ۔ انجور کا سرخ رس، پون کپ۔ جیلاں پاؤڈر، ایک کھانے کا کچھ۔

ترکیب: آدھے بھل لینڈز میں ڈال کر لینڈز کر لیں اور چھتی سے چھان میں تاکر تخت چیز پانی نہ



لوکی کا رائٹا

اشیا کے لوکی، دو سو پچاس گرم۔ زیرہ، ایک چائے کا کچھ۔ نمک، حسب ذائقہ۔ لال مرچ پسی ہوئی، نصف چائے کا کچھ۔ دہی، بیٹنگ کی ہوئی، تین کپ۔

ترکیب: لوکی کو چھینک کر دھو لیں اور خشک کر لیں۔ کس کی ہوئی کو تھوڑا سا نمک ڈال کر پانچ منٹ تک لہائیں۔ پانی نکال کر کس کی ہوئی کوئی کو ٹھنڈا کر لیں۔ بیٹنگ دہی کو چھینٹ لیں اور نمک اور لال مرچ پسی ہوئی ملا لیں۔ املی ہوئی لوکی ڈالیں اور اچھی طرح ملا لیں۔ زیرے کو توڑے پر بھونیں اور اسے مونا پیس لیں۔ پسایا زیرہ اور حسب ذائقہ نمک ڈال کر لوکی کا رائٹا پیش کریں۔

نوٹ: املی ہوئی لوکی سے زائد پانی چھوڑیں۔

بینگن کا بھرتا

اشیا کے بیٹنگ، ایک کلو گرام۔ پیاز، تین عدد۔ درمیانے سائز کی، دھنیا، ایک چائے کا کچھ۔ نمٹا رکھ



کثرت سے پڑھیں، انشاء اللہ کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔

زندگی کے ہر شعبے میں کامیابی کے لیے آپ کثرت سے انار بی بی انکریم پڑھنے کی عادت ڈالیں۔

لڑکیوں کی شادی کے لیے

تمام بچیاں سے تین سو بیس روزانہ پڑھیں۔ انشاء اللہ ان کی شادی بہت اچھی اور کامیاب ہوگی۔

پہلی سو بیس..... یادو لی یادو لی

دوسری سو بیس..... لا حول ولا قوۃ الا باللہ

تیسری سو بیس..... یا مئی یا قیوم

یہ تین سو بیس کثرت سے پڑھیں۔

پیٹ میں کیڑے

جن بچوں یا بڑوں کے پیٹ میں کیڑے ہوں ان کی صحت عموماً خراب رہتی ہے۔ دے لے سنے اور چڑے سے ہوتے ہیں کہ غذا ان کے جسم پر نہیں لگ پاتی۔ یہ کیڑے بے شک کدوانے ہوں، کیچے سے ہوں۔ یا چھوٹے چھوٹے کیڑے (بچے) ہوں ان سے نجات حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ سورہ کوثر پوری سورہ تین بار پانی پر دم کر کے ہمارے ہاتھیں اور دن، رات و وقفے وقفے سے سورہ کوثر تین غبار پڑھ کر پیٹ پر پھونک ماریں۔

انکس روز کے اس عمل سے پیٹ میں ہر قسم کے کیڑے ختم ہو جائیں گے۔ ایک بار اور جب بھی دل نہیں ہے بے شک ایک بار یہی سورہ فاتحہ دم کر دینے کی عادت ڈالیں۔ سورہ فاتحہ کا پانی پینے سے کم کی بھی ہوئی بیماریاں بھی ٹھیک ہو جائی ہیں۔

مکان، دکان یا زمین کو

خالی کرانے کے لیے

اگر آپ کو اپنی جائداد اپنے کرائے دار کے

دل کی بند شریانوں کو

کھولنے کا نسخہ

جزی نماز پڑھنے کے بعد

اول تین مرتبہ درود ابراہیمی پڑھیں۔

سات مرتبہ سورہ فاتحہ (المکدر شریف) پڑھیں۔

ایک سو پندرہ مرتبہ یا سلام پڑھیں۔

تین مرتبہ درود ابراہیمی پڑھیں آخر میں۔

اب دوسری گلاب کی پتیوں کو اچھی طرح سے

دھو کر ان پر دم کریں۔ دس گلاب کی یہ پتیاں چار

سیاہ مرجع اور ایک چھوٹی لال چھنی کے ہمراہ اس طرح

چپا کر کھائیں جیسے پان کھاتے ہیں۔ آپ کا ہمارا منہ کا

یہ عمل چالیس دن جاری رہنا چاہیے۔ اللہ کے کرم

سے دل کی بند شریانیں کھل جائیں گی۔ آپ بے

شک اپنا ٹیسٹ کروا کے معلوم کر لیں۔ آپ یقین کے

پیسے کسی غریب، یتیم یا یتیمہ کو دے دیں اور ہمیں اپنی

دعاؤں میں یاد رکھیں۔

سات سلام

ہر قسم کی پریشانی سے نجات کے لیے یہ سات

سلام پڑھنا اپنی عادت بنائیے۔ بہت ساری بہنوں

کی فرمائش پر میں یہ سات سلام اردو تلفظ میں لکھ رہی

ہوں تاکہ انہیں پڑھنے میں دشواری نہ ہو۔

1۔ سلاک من قولم ہر بڑ پر می

2۔ سلاک من ع لا..... اب زایم

3۔ سلاک من ع لا..... موسا مارون

دل کی تکلیف دور

کرنے کے لیے

دل کی تکلیف خواہ کسی قسم کی بھی ہو۔ درد ہوتا ہو

یا نالیاں بند ہوں۔ دن میں کسی بھی وقت اپنا سدا

ساتھ سینے پر رکھ کر آیت کریمہ پڑھیں۔ انشاء اللہ جلد

شفاء ہوگی۔ آیت کریمہ پڑھنا اپنی عادت بنائیں۔

رزق کی فراوانی کے لیے

نماز کی باقاعدگی کریں۔ شکرانے کے فعل

روزانہ پڑھیں۔ اس کے علاوہ ہر نماز کے بعد صرف

ایک سو بیس یادو لی یا نصیر پڑھیں۔ رزق کی فراوانی

ہوگی۔ انشاء اللہ!

امتحان میں

کامیابی کے لیے

پہلے اپنی نیشن پر قابو پائے پھر آیت انکری

ماں کے نام

چاندکی روشنی سے دودھی کے کلم سے

جاہت مجھے لے الفاظ سے

لکھے ہیں آپ کے لیے چند الفاظ

سوئی نہیں ہوں سلا دودھ کو ماں

آ جا دھیرے پاس

مجھے لوری سن کر سلا دو ماں

اشک میری آنکھوں میں جم سے گئے ہیں

ماں

کر کے دل سے میرے بچہ نرلا دو ماں

میری خوشیاں بھی لے لو

میری سائیں بھی لے لو

پرتم سلامت رہو ماں

رب سے ہر دعا میں آپ کی مانگی ہے

بہی زندگی ماں

نہ ہو جس کوئی غم

خدا سے ایسی دعا مانگی ہے ماں

صوفیہ، کراچی

حراج سے عاجز ہونے کے سبب خالی کرنا مقصود ہوا
اسنے ذاتی تصرف میں رکھنے کے خواہش مند ہونے
کے باعث غیر ہندیدہ لوگوں کو اپنی جگہ سے ہٹانا
چاہتے ہیں تو عشا کی نماز کے بعد دو رکعت نماز
برائے حاجت پڑھیں اور سورہ استسقاء (30)
کی آیت نمبر 4 کو تین سو مرتبہ پڑھ کر دعا مانگیں۔ وہ
زمین اسے اندر کی تیز دھک کو باہر اگل دے گی اور خالی
ہو جائے گی۔ انشاء اللہ!

☆☆☆



کریں۔

☆.....☆.....☆

بچوں کا قد

میں نے پچھلے ماہ اپنے بچوں کا مسئلہ نوکن کے ساتھ لکھ کر بھیجا تھا لیکن نمبر کے ماہنامہ میں اس کا جواب نہیں تھا اس لیے اب دوبارہ لکھ رہی ہوں۔ میرا بیٹا عمر 20 سال قد ساڑھے چار فٹ ہے۔ عموں صحت بالکل ٹھیک ہے ابھی خوراک کھاتا ہے جبکہ فوڈ بالکل نہیں کھاتا اس کا قد پچھلے دو تین سال سے بڑھنا رک گیا ہے۔ مہربانی فرما کر اس کا علاج تجویز کریں اسٹوڈنٹ ہے اور غیر شادی شدہ ہے۔ نظر کمزور ہے اور تین سال پہلے اسے موڈ ڈس آرڈر ہوا تھا اور اب تقریباً 3 سال سے Epival کھا رہا ہے۔ پہلے 100 mg روزانہ دو ادب اب 2 ماہ سے 750 mg کی ڈوز لے رہا ہے۔ نظر بھی کمزور ہے۔

اس کے علاوہ بچی کے قد کے لیے بھی دوا چاہیے بچی کی عمر 16 سال ہے اسٹوڈنٹ اور غیر شادی شدہ ہے۔ قد 5 فٹ ایک انچ ہے اس کی بھی نظر کمزور ہے ریٹائٹ کمزوری ہے بانی صحت ٹھیک ہے کبھی بھی معدے کا ہلکا سا مسئلہ ہو جاتا ہے۔ میرے سارے خاندان کے لوگ لمبے یا اچھے قد کے ہیں مہربانی فرما کر بچوں کے لیے اچھی تیز اثر دوا تجویز فرمائیں قد بڑھنے کی۔

شہر یارخان، مدینہ خان (میانوالی) جواب: بچوں کا قد بڑھنے کی کئی ایک وجوہات ہوتی ہیں۔ کچھ ادویات بھی بالواسطہ یا

چہرے پر دانے

میری عمر 22 سال ہے۔ میں ایک اسٹوڈنٹ ہوں اور مجھے تقریباً ڈیڑھ دو سال سے یہ مسئلہ ہے کہ جب رات کو سوتی ہوں تو چہرہ بالکل ٹھیک ہوتا ہے لیکن صبح سو کر اٹھنے پر سارا چہرہ باریک باریک پیلے دانوں سے بھرا ہوتا ہے، دانے گرمی دانوں کی طرح باریک اور سخت ہوتے ہیں۔ ایک دو دن الیسا رہنے کے بعد پھر چہرہ خود ہی ٹھیک ہو جاتا ہے۔ مجھے آج تک کبھی سبھ آئی کہ یہ کیا مسئلہ یا بیماری ہے، ارہی ہے یا کوئی اور پرائمل..... نہ ہی ہے پتا چلتا ہے کہ کچھ کھانے سے ہوتی ہے یا کیا وجہ ہے۔ میں پریزی بھی بہت کرتی ہوں، الیسا بھی ہر ہفتے بعد ہوتا رہتا ہے، چہرہ سرخ رہتا ہے۔ اس ارہی کی وجہ سے میرا رنگ بھی سیاہ ہو گیا ہے جو کہ اچھا خاصا فریش تھا۔ میں نے ابھی تک اس کا علاج نہیں کروایا۔ دانے نکلتے ہیں تو کوئی سونک لوش استعمال کرتی ہوں۔ یہ مسئلہ صرف چہرے پر ہے۔

شاہدہ رانا (خانوال)

جواب: پانی کا استعمال بڑھائیں، تیز دانی والے کھانوں سے پرہیز کریں، شربت، لالہ رنگس سے بھی۔ خون ٹیسٹ FBS، RBS کر کے رپورٹ بھیجیں اور ڈاکٹر کو دیا دے جس کی Sulphur 200 کی ایک ٹوراک صبح نہار منہ 5 قطرے لیں اور ایک دن بعد Graphites 30 5 قطرے دن میں 3 مرتبہ لیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع



from Nature
for Health

شوالبے
ہومیوکلینک



اس بات کی ضرورت کافی عرصہ سے محسوس کرائی جا رہی تھی کہ کئی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیوپیٹھک ڈاکٹروں کا پورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوئی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس پورڈ کے ماہر تجربہ کار ڈاکٹر کے ذریعے حل کریں تاکہ آپ کا معیار صحت بلند ہو لہذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں پوسٹ بکس نمبر 733 کراچی۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتہ اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، سب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔

جسم پر گھٹیاں

میری عمر تقریباً ساڑھے اٹھائیس سال ہے اور شادی شدہ ہوں۔ میرا وزن 60 کلو گرام ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ میرے جسم پر گھٹیاں بن رہی ہیں، کچھ سخت قسم کی ہیں اور کچھ نرم ہیں۔ یہ تقریباً پندرہ سال کی عمر سے بننا شروع ہوئی تھیں جو کہ عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتی جا رہی ہیں۔ یہ پہلے چوٹی ہوتی ہیں پھر آہستہ آہستہ بڑی ہو جاتی ہیں۔ بعض دفعہ ان پر خارش ہوتی ہے درد نہیں ہوتا۔ پہلے میری دوا کی کو یہ بیماری تھی پھر ایو کو ہوئی، اب ہم دو مہینہ بھائیوں کو ہے۔ تین مہینہ بھائیوں کی عمر ابھی پندرہ سال سے کم ہے ان کو یہ بیماری نہیں ہے۔

والاسلام یا سکین (راولپنڈی) جواب: گھبرانے اور پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، یہ چربی کی گھٹیاں ہیں، چربی یعنی مچھی، تیل، مکھن چیز کا استعمال کم سے کم کریں اور 3 ماہ تک ڈاکٹر ولما رشوا بے جرمنی کی Calc Fluor 3x دن میں 3 مرتبہ 5 قطرے لیں۔

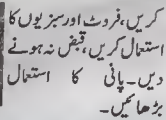
نوکن

برائے شوالبے ہومیوکلینک

جولائی 2012

اپنا مسئلہ ان نوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ نوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر تو جینس دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ میں بھیجیں اسی مہینہ کا نوکن استعمال کریں۔

نام: _____
پتہ: _____



مٹاپا اور اسکن

ہے جتنا ہم بچتے ہیں۔ ڈاٹ جی سٹورس کریں
ماہنامہ منارِ نبویہ۔ جون 2012ء 313

۱۔ سال کریں ایک ماہ بعد کیفیت سے مظاہر

لکھیں ، سر میں ، دانتوں میں ، ناخنوں

312 ماہنامہ پاکیزہ۔ جون 2012ء

ہیں ، سر میں ، دانتوں میں ، ناخنوں

استعمال کرائیں 200 Psorinum کی

ماہنامہ نیا سنیہ - جون 2012ء

ورزش بھی کریں کم از کم ایک گھنٹا روزانہ اور ایک ماہ تک مندرجہ ذیل ادویات ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی استعمال کریں۔ Fucus Ves Q کے 15 قطرے دن میں تین مرتبہ ½ گلاس پانی میں لیں۔ Calc Sulf 30 اور Belladonna کے 5,5 قطرے ½ کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ تازہ پھل اور سبزیوں کا استعمال کریں۔ یاد رکھیں وزن بڑھنے کی وجوہات میں خاندانی جسامتی ہارمونز کی کمی یا زیادتی بھی اہم وجہ ہے۔ ہم تفصیلی طور پر پہلے بتا چکے ہیں۔ کوئلڈرکس اور شربت کسی بھی قسم کے استعمال نہیں کریں گی۔

گرم موسم کی خصوصی احتیاطیں

جن کو اختیار کر کے آپ موسم گرما کو انجوائے کر سکتے ہیں

1۔ گرم ٹھنڈا یا ٹھنڈا گرم نہ کریں۔ یعنی گرم جگہ سے ایک دم اتر کٹھینڈ میں نہ جائیں یا ٹھنڈی جگہ سے گرم جگہ نہ جائیں اسی طرح نہا کر فوراً ٹھنڈے یا اتر کٹھینڈ میں نہ آئیں یا باہر لو میں نہ ٹھکیں۔

2۔ گرمی کی شدت کے حساب سے پانی کا استعمال کریں لیکن یاد رکھیں پیاس کتنی بھی لگ رہی ہو گرمی سے آکر فوراً پانی نہ پئیں خصوصاً ٹھنڈا بلکہ پہلے ہاتھ منہ دھو کر خود کو ٹھنڈا کریں اس کے بعد پانی پئیں، دن میں کم سے کم 10 سے 12 گلاس پانی پئیں، بچوں کو 6 سے 8 گلاس پانی پلائیں دن میں لیکن یاو

رہے کہ کھانے کے ساتھ اور کھانے کے فوراً بعد نہیں پئیں۔ نہار منہ کھانے سے پہلے اور کھانے کے ۱۱ سے ۱۲ بجے کھانے کے بعد پانی کا استعمال صحت و ہاضمہ کے لیے مفید ہے۔

3۔ مصنوعی شربتوں سے ہر قسم کی کوئلڈرکس سے دور رہیں، ہاں لسی، ستوا (سنت) بھی ہے) بٹل گیری، قالہ، انناس، کیری، آم، لیمو کے تازہ جوار شربت حقیقی صحت اور تازگی کے لیے مفید ترین ہیں 4۔ موکی پھل اور سبزیوں کا استعمال آپ کی صحت کو بحال رکھے گا۔

5۔ اسی طرح گرمی کی مناسبت سے کپڑوں کا استعمال بھی کرنا چاہیے۔ سر کو گرمی سے ضرور بچائیں۔ 6۔ پسینے کو کبھی ٹھنڈا یا ہوانہ لگائیں اس طرح جسم کے ٹھنڈے اکثر سکتے ہیں ان میں درد ہو سکتا ہے، دل کی حرکت بند ہو سکتی ہے یا فالج کا اثر ہو سکتا ہے۔ 7۔ صفائی کا خیال رکھیں، روزانہ کم از کم ایک مرتبہ ضرور نہائیں۔

8۔ باہر لو چل رہی ہو یا گرمی کی شدت ہو تو کم از کم ایک گلاس پانی لے کر گھر سے ٹھکیں۔ 9۔ جلد کو دھوپ کی تمناز سے بچانے کے لیے سن بلاک والا فیس واش لوٹن استعمال کریں یہم سے بھی منگو سکتے ہیں

10۔ یاد رکھیں یہ وہ احتیاطی تدابیر ہیں جن کو اختیار کر کے آپ اپنی موجودہ صحت کو مزید بہتر کر سکتے ہیں۔ بیماریوں سے اور گرم موسم کی شدت سے اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

☆.....☆.....☆



Dr. Willmar Schwabe , Germany.

Available at All Leading Medical & Homoeopathic Stores

ماہنامہ پاکیزہ - جون 2012ء